

**page missing book
only**

UNIVERSAL
LIBRARY

OU_222933

UNIVERSAL
LIBRARY

OUP—67—11-1-68—5,000.

OSMANIA UNIVERSITY LIBRARY

Call No. ۸۹۱۵۲۳۰۵

Accession No. ۴۹۶۹

Author ۹۹۲۵

Title

This book should be returned on or before the date last marked below.

سالگرہ نمبر ۱۹۳۶ء

بیجا کار عکلا نصیحا انیسویں صدی کے محسنین شہادتیں صبا حیات

اردو کا علمی و ادبی ماہوار رسالہ

Printed 1974

ہمایوں

نیشنل پبلیشرز احمدی سٹریٹ لاہور

منٹ ایڈیٹر حامد علی خاں



عسکرم اور زمانہ

| متصاویس | | |
|----------------|--|--------------|
| نہرو جی بھائی | نصرت کافور | قلندر لاہور |
| برٹینڈرسل | شاہد مارغلاہ | نیکاری |
| آئن شٹائن | املا کاغذ حسن | ہمنوائی |
| خزانہ کھجے ہما | پر دواز | میں جی جانیں |
| نصرت کافور | نصرت کافور | نصرت کافور |
| شمار | مضمون | صفحہ |
| ۱ | جذبات ہمایلوں (نظم) | ۳ |
| ۲ | ہماں نما | ۴ |
| ۳ | بزم ہمایلوں | ۹ |
| ۴ | ہمار (نظم) | ۱۰ |
| ۵ | زفر فلسفہ | ۱۲ |
| ۶ | نازکی نیاز زمندی (نظم) | ۳۴ |
| ۷ | بلبلہ سے پانی کا | ۳۶ |
| ۸ | یاد و نظم | ۳۸ |
| ۹ | رباعیات | ۴۰ |
| ۱۰ | قلو بطرہ | ۴۱ |
| ۱۱ | حدیث محبت (نظم) | ۴۵ |
| ۱۲ | ادبی تنقید | ۴۷ |
| ۱۳ | ہوئے ہوئے (نظم) | ۵۶ |
| ۱۴ | محبت اور زمانہ (ڈراما) | ۵۸ |
| ۱۵ | دل می روو زو ستم (غزل) | ۷۰ |
| ۱۶ | نشان پشاور | ۷۲ |
| ۱۷ | روح جذبات (غزل) | ۷۶ |
| ۱ | آزبیل جس میں محمد شاہ دین صاحب ہمایلوں مرحوم | ۳ |
| ۲ | بشیر احمد | ۴ |
| ۳ | حامد علی خاں | ۱۰ |
| ۴ | بشیر احمد | ۱۲ |
| ۵ | حضرت جوش ملیح آبادی | ۳۴ |
| ۶ | خان بہادر جناب میاں عبدالغفر صاحب ایم۔ اے کشر انبالہ | ۳۶ |
| ۷ | حامد علی خاں | ۳۸ |
| ۸ | "ندیم" | ۴۰ |
| ۹ | حضرت منصور احمد میر آوی دنیا | ۴۱ |
| ۱۰ | حضرت مولانا حکیم الطاف احمد صاحب آزاد انصاری | ۴۵ |
| ۱۱ | جناب پروفیسر فخر الحسن صاحب ایم۔ اے پی ایس ایس | ۴۷ |
| ۱۲ | جناب سید تقی حسین صاحب مقبول بی۔ اے | ۵۶ |
| ۱۳ | جناب پروفیسر سید نیاغ محمد صاحب مجب لانی ایم۔ اے | ۵۸ |
| ۱۴ | حضرت جوش ملیح آبادی | ۷۰ |
| ۱۵ | جناب مرزا نسیم بیگ صاحب سیم چغتائی گوالیاری | ۷۲ |
| ۱۶ | حضرت اصغر گوندوی مدیر ہندوستانی | ۷۶ |

| | | | |
|-----|--|------------------------------|----|
| ۸۰ | جناب وقار انابوسی | کیا اب بھی نہ آؤ گے نظم | ۱۸ |
| ۸۲ | نواب سررائی خود بہادر و اس چاند کوسلم پرنسور علی گڑھ | پھول | ۱۹ |
| ۸۳ | جناب شیخ عطا الرحمن صاحب بی اے پرائیویٹ ٹیکریٹری نواب صاحب اپنور | غفار دشمن (افسانہ) | ۲۰ |
| ۱۰۶ | جناب سید احمد حسین صاحب امجد حیدر آبادی | مایا نظیں | ۲۱ |
| ۱۰۸ | محترمہ بشیر احمد بیگم صاحبہ | میرے بچے | ۲۲ |
| ۱۰۹ | محترمہ رحب صاحبہ | ہیچ میب زری نظم | ۲۳ |
| ۱۱۰ | جناب ملک عطا اللہ صاحب کلیم ایم۔ اے | ہسٹلر | ۲۴ |
| ۱۱۶ | جناب سید عبدالحمید صاحب قدم | عیش شبانہ نظم | ۲۵ |
| ۱۱۷ | جناب ہمدی علی خاں صاحب | کسان (افسانہ) | ۲۶ |
| ۱۲۳ | جناب سید علی منظور صاحب حیدر آبادی | شہر یار نظم | ۲۷ |
| ۱۲۵ | جناب مولوی محمد حسین صاحب ادیب ایم۔ اے۔ بی۔ ای۔ ڈی | دکن میں آریاؤں کا درخت | ۲۸ |
| ۱۳۲ | جناب خواجہ عبدالسمیع صاحب پال انر صہائی ایم۔ اے | راحت مکہ نظم | ۲۹ |
| ۱۳۳ | حامد علی خاں | حیرن لٹوانی کا ایک ادبی مصور | ۳۰ |
| ۱۳۶ | حضرت روشن صدیقی مدیر "لالہ صحر" | لاہور نظم | ۳۱ |
| ۱۳۷ | حضرت محشر عابدی بی۔ اے | سودھا (افسانہ) | ۳۲ |
| ۱۴۰ | جناب سعادت حسن صاحب | شیطان اور شراب (افسانہ) | ۳۳ |
| ۱۴۳ | بشیر احمد | رباعیات | ۳۴ |
| ۱۴۴ | حضرت اختر جالندھری | تیر و شتر (غزل) | ۳۵ |
| ۱۴۵ | حضرت صدق جالسی | ترک و فانی قسمیں (غزل) | ۳۶ |
| ۱۴۶ | نور محمد | غزل | ۳۷ |
| ۱۴۷ | حامد علی خاں | غزل | ۳۸ |
| ۱۴۸ | | غفل ادب | ۳۹ |
| ۱۵۱ | | مطبوعات | ۴۰ |
| ۱۵۲ | | نقصا ویر | ۴۱ |

خریدارین ہمایوں کو مشورہ

طلسمِ زندگی کی قیمت میں ایک مہینے کیلئے عظیم الشان قیمت

ہمایوں کی پانچویں سالگرہ کی مسرتِ اخیر تقریب پر ہم نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ ہمایوں کے موجودہ تیار و جدید خریداروں کو مہینہ بشیرِ خوب
دیر ہمایوں کی مشہور کتاب ”طلسمِ زندگی“ کی کچھ جلدیں

پانچ روپے کے بجائے تین روپے (علامہ معمول)

میں دی جائیں۔ یہ عایت صرف ان خریداروں سے ملحوظ رکھی جائے گی جو ۳۱ جنوری ۱۹۳۴ء تک اپنی ذرا تین بیچ دیں گے۔ خریدار ہمایوں
ہونے کی تصدیق کے لئے ڈرائنگ کے ساتھ ہمایوں کا خریداری فرم لکھنا ضروری ہے کیونکہ جو مصاحب ہمایوں کے خریدار نہیں اُن سے قیمت جب
معمول پانچ روپے علاوہ وصول ہی لی جائے گی۔ اگر آپ خریداری میں تو اس عایت سے فائدہ اٹھانے کے لئے

آج ہی ”ہمایوں“ کے خریدار بن جائیے۔

سالانہ چندے میں سالگرہ فرمیں ملے گا جس کی الگ قیمت مقرر ہے۔ چونکہ عایتِ قیمت کے لئے ”طلسمِ زندگی“ کی جلدوں کی محدود تعداد نظر
ہوتی ہے اس لئے اگر مقررہ تعداد ۳۱ جنوری ۱۹۳۴ء سے پہلے ہی فروخت ہوگئی تو ہم بعد کی فراخوں کی تسلی کو قاصر میں گئے۔ دیکر ملے ہو ممکن ہے
موقعِ اٹھ سے نکل جائے اس لئے آپ

آج ہی فرمائش بھیج دیجئے

”طلسمِ زندگی“ اپنے ظاہری ہمواری حاس کے اعتبار سے عوامِ عام کی ایک یادگار تصنیف ہے بعض اخبارات اور ادارہ کار کا برکی اور ایک
مختصر اقتباس دوسرے منظر پر ملاحظہ فرمائیے۔ مفصل آراء اور کتاب کے کاغذ و طباعت اور تعداد پر کے نمونے کا پمفلٹ ایک آنے کے موعظ بھیجئے
پر کتاب ہے۔

سید عبداللطیف مینچر ”ہمایوں“ ۲۳- لارنس روڈ لاہور

طلسمِ زندگی کے متعلق اخبارات و اکابر کی آراء

”زمیندار لاہور۔ اردو زبان میں اس اہتمام سے شادی کوئی ادبی کتاب شائع ہوئی ہو۔
 مدینہ منورہ۔ اس کتاب کو روپ کی سین ترین کتاب کے مقابل میں پیش کیا جاسکتا ہے۔
 سیاست لاہور۔ ”طلسمِ زندگی“ عمومی ہوسنی لحاظ سے عدم اہمیت پر ہے
 شنبہ ماہ تریم لاہور۔ اس سے قبل ہماری نظر سے ایسی خوبصورت کتاب نہیں گزری۔
 نگار لاہور پال۔ اس کی قیمت باغ و پیرسلانوں کی اقتصاد کی پستی کے لحاظ سے ممکن ہے زیادہ ہو لیکن دل پر خوش دہائی میں اس کی زیادہ تر بایاں کر سکتا ہے
 عصمت دہلی۔ ”طلسمِ زندگی“ ادبی مضامین کا ایسا مجموعہ ہے جسے دیکھ کر انہی بڑھ سکتی ہیں۔
 ایسٹرن ٹائمز لاہور۔ ”طلسمِ زندگی“ بلاشبہ ان کتابوں میں سے ہے جو انسان کی دلی فہمیت کو بھی جان سکتی ہیں۔
 آفریل جٹس سرسید انٹرویو جٹ مانی گورنر لاہور۔ ”طلسمِ زندگی“ ظاہری اہتمام کے اعتبار سے اپنی مثال آپ ہے، اور بلاخط مضامین عبارت لاہور ہے۔
 علامہ عبداللہ یوسف علی دہلی۔ ای۔ آئی۔ ایس۔ (ریٹائرڈ)۔ اردو کا کوئی ایسا زندہ انشا پورا نہ ہے جس میں ایسی خوبصورتی ہو جس کا قلم ادب کے
 قند بولتوں راتوں پر اس دینی مضامین اور تذکرت سے جانتا ہو۔
 مرزا فرحت اللہ بیگ صاحب اسٹنٹ ہوم سیکرٹری حیدر آباد (دکن)۔ ایسی کتاب مرزے کی شخص کو مل سکتا ہے جس کو اردو ادب
 کے علاوہ انگریزی ادب پر بھی کامل عبور ہو۔
 مرزا عظیم بیگ صاحب چغتائی بی۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی۔ کسٹل چیف کورٹ مارواڑ۔ عمر میں پہلی مرتبہ میں نے اردو میں ادب لطیف
 دیکھا۔ آج میں نے اردو میں کامیاب ترین پیرز کو بھی ہے۔
 سر سرج بہادر سپرو۔ بیٹریٹ لاہور۔ ”طلسمِ زندگی“ کے مطالعہ سے نہایت لطف حاصل ہوا۔ واقعی خدا نے آپ کے قلم کو وحی عطا کی ہے
 اردو زبان پر قدرت آپ کے مضامین قابلِ تہنیت ہیں۔
 خان بہادر مولانا سید رضا علی وحشت (کلکتہ)۔ اس کتاب نے مجھے ایسا خوبصورت عالم بنا دیا کہ اس سے پہلے کسی ادب کتاب نے نہیں بنایا تھا۔
 سید سجاد حیدر صاحب بلوچ ڈپٹی کلرک کتاب کی طباعت و اشاعت میں تعاون دے رہے ہیں، اس سے زیادہ اس کے مضامین کو غریب میں۔
 سید مقبول حسین صاحب مقبول بی۔ اے۔ احمد پوری۔ اس کتاب کی وہ قوت جو اس کے لئے بقائے دوام کا باعث ہوگی وہ اس کا پایا
 ہے جو انسانی سے اُرد اور اُرد سے جذباتوں کو کسا تا ہو، انہیں معلوم ہوتا ہے۔
 مولوی عبدالحق صاحب بی۔ اے۔ سیکرٹری انجمن ترقی اردو پروفیسر عثمانیہ یونیورسٹی حیدر آباد دکن۔ آپ کی کتاب ”طلسمِ زندگی“ وصول ہوئی
 اس کا حق دعوئی دیکھ کر عجیب خوش ہو گیا۔
 خان بہادر میاں عبدالعزیز صاحب کشترا انبالہ۔ کتابوں کتابوں میں اگر عشق ہوتا تو میری امداد کی تمام کتابیں اس کتاب کی پیاری
 سی مکتوبات پر جان دے دیتیں۔
 مرزا اختر محمد سعید صاحب ایم۔ اے۔ آئی۔ ایس۔ (ریٹائرڈ) بلاشبہ یہ کتاب ظاہری اور ہوسنی خوبوں کا بے نظیر مجموعہ ہے اور ہر لحاظ سے
 اردو ادب کی ایک بے غش و آفتاب کتاب ہے۔
 جناب شوکت قتلوی ایڈیٹر ”پیش قدم“۔ کتاب ”طلسمِ زندگی“ کی ایک جامع تصنیف ہے اور اردو ادب کی ایک تاریخی کڑی۔
 میر سعادت حسین صاحب حبیب بہمنگنڈہ حیدر آباد (دکن)۔ کتاب کو دیکھ کر طبیعت پورے گئی اور مجھے بلاغ باغ ہو گیا۔“

جذباتِ ہمایوں

ظالم ہو سنگدل ہو یہ تہذیب جس کو آج
 تم سمجھے خاص حرمت پروردگار ہو
 چاندی کا اس کا جسم ہو سونے کا اس کا دل
 اس تاک میں نگہ کہ گھر کا شکار ہو
 کانوں پر اس کی آنکھ۔ فلذات پر نظر
 دھن ہو یہی کہ بھاپ ہو بکلی ہوتا رہو
 لیکن کہیں جو قسمت بد سے ہی سہی
 اگلے زمانے کی کوئی اک یادگار ہو
 ہوتی نہیں ہو بھول کے بھی اُس طرف نگاہ
 پھر جائے گے مفاہد کا کچھ اعتبار ہو

بے تاب کیوں ہو مجھے ہمایوںِ داستان
 جنت میں آکے کیوں کوئی یوں شکیبار ہو

منظر نہیں۔ یہ شانِ خدا کا ظہور ہے

پانی کو چوم۔ کوہ سے لے۔! ہمکنار ہو

جہان نما

۱۹۳۲ء معاشی و سیاسی بحال سے ایک مائوس کن سال تھا، اسی لئے ۱۹۳۳ء سے دنیا کو بڑی اُمیدیں تھیں۔

عالمگیر معاشی کانفرنس مدعو کی گئی تھی، ایک مدت سے دنیا کی معاشی حالت بد سے بدتر ہو رہی تھی، سولہ اے رُوس کے سب فوٹوں اور سب لوگ اپنی عسرت پر نالاں تھے، جنگ عالمگیر کے س سال بعد دنیا کی حالت دوران جنگ یا بعد از جنگ کی حالت سے زیادہ خوفناک تھی اور سال زیادہ خوفناک ہوتی جا رہی تھی۔ اب خیال تھا کہ معاشی کانفرنس کا معالج اگر اس خوفناک مرض کے ازلے کے لئے ایک خاطر خواہ نسخہ تجویز کر دیا گیا اور دنیا بھر میں پھر خوش حالی کا دور دورہ ہو جائے گا۔

اس کے علاوہ ایک عالمگیر سیاسی کانفرنس نہ صرف مخفیہ اہلہ کے لئے بلکہ اس غرض کے لئے مدعو کی گئی تھی کہ دنیا اور بالخصوص یورپ کے صحرابی و سیاسی سموں کو صل کرے اور ان کے ایک ایسے زمانے کی ابتداء کرے جس میں دن رات جنگی رفتار بتوں کی بجائے تمدنی ترقیوں کا چرچا ہو۔

لیکن جتنی سے یہ دونوں اُمیدیں مہذب قوموں کی کوتاہ اندیشی اور غوغرضی کے باعث خاک میں مل کر رہ گئیں۔ نہ دنیا نے معاشی دلدل سے رہائی پائی نہ وہ سیاسی تاریکی سے باہر نکلی۔

سال کے ابتدائی حصے میں عام معاشی حالت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ دنیا کی مجموعی تجارت کم ہوتے ہوئے پیشتر کی نسبت صرف ایک تہائی رہ گئی، بہت سے ملک خلائی سمیار کو پہلے ہی ترک کر چکے تھے، شرح مبادلہ پر پابندیاں عائد ہو چکی تھیں، ملک ملک میں بیرونی مال کے خلاف محاصرہ کی رکاوٹیں پیدا کی جا چکی تھیں، سونے کے ذخیرے کا بیشتر حصہ صرف دو ملکوں، متحدہ اور فرانس کے قبضے میں تھا اور کل دنیا میں بے روزگاروں کی تعداد کم از کم تین کروڑ تک پہنچ گئی تھی۔ اس حالت میں معاشی کانفرنس کو جن دقیق مسائل کی گنتی کو سلجھانا تھا ان میں سب سے اہم بین الاقوامی معاشی اور مالی نظامات کی اصلاح اور قرضہ ہائے جنگ کے قرضے کا طے کرنا تھا۔ معاشی نظام کی باقاعدہ تنظیم کا رستہ رُوس نے کھادیا تھا، لی نظام کے تحت میں محاصل، نیابطلہ، شرح مبادلہ بین الاقوامی بینک اور صنعتی قوتوں کے مسائل پیش تھے۔ اور جنگی قرضوں کی بے باقی کی ایک ہی سیدھی معاشی نکل تھی کہ انہیں بلا تامل قتلًا منسوخ کر دیا جائے۔ سال کے وسط میں برطانوی وزیر اعظم ریمز سیکلڈ اٹلڈ اور نئے امریکی جمہوری صدر روزولٹ نے ایک مشترکہ بیان معاشی اصلاحات کے متعلق شائع کیا۔ جولائی میں لندن میں عالمگیر معاشی کانفرنس کا اجلاس شروع ہوا اور شروع ہوتے ہی اس میں مشکلات کے متناقشات کا اضافہ ہوا جس کا نتیجہ بیچلہ کہ یہ عالمگیر کانفرنس ایک ناہ کے اندر اندر لیں کچھ پر انجام دینے میں ناکام ہو کر رہ گئی۔

صحرابی کانفرنس میں اس سے پہلے ہی مصالحت کا جنازہ بک چکا تھا۔ اپریل میں ایسی انقلابات شروع ہوئے، گتسمت میں سنا کہ تو بر تک اتوا ہو گیا۔

اکتوبر میں جرمنی کا قاعدہ طور پر اجلاس سے دست کش ہو گیا جس کے باعث پھر ایک لمبے التوا کا اعلان کرنا پڑا۔ یہ بھی اس مشورین الاقوامی کا نفرنس کی ابتدا اور یوں اس کی انتہا ہوئی۔ یہ ضرور ہے کہ شرکار نے منتشر ہونے سے پہلے اپنی لمبی چوڑی تقریروں و تحریروں سے دُنیا کو یقین دلایا کہ ہم نے بین الاقوامی روش کو اپنی جاروب کشی کے ذریعے سے بہت سے تنگنوں کا ٹھوں سے پاک و صاف کر دیا ہے اور اب حالت خاصی تسلی بخش ہے اور انگلستان کے وزرائے بھی واضح کر دیا کہ انگلستان کسی طرح پالیس نہیں ہو ا بلکہ ہر حال میں یورپی قوموں کی صلح صفائی کے کام میں پیش از پیش مصروف ہے گا اور فرانس اور جرمنی کے درمیان ثالث بالآخر بن کر کھڑا ہو جائیگا لیکن اُدھر معاشی اور ادھر صحرانی کا نفرنس کے التوائے خاص و عام حلقوں میں ایک سخت بے یقینی کم از کم ایکٹل شکن بالیوسی صریح طور پر پیدا کر دی اور جا بجا عالمگیر جنگ اور عالمگیر سیاسی و معاشی مصائب کی پیشین گوئیاں ہونے لگیں۔

پس بین الاقوامی مصالحت اور خوش حالی کے نقطہ نظر سے اگر دُنیا کی حالت ۱۹۳۳ء کے شروع میں خوفناک تھی تو اُس کے اخیر میں کم از کم عارضی طور پر پالیس کُن بھی ہو گئی۔

واقعہ یہ ہے کہ موجودہ معاشی سرمد زاری کی دورانی مجبہ ہیں ایک یہ کہ سرمایہ اری کا نظام جس میں نامدا خلعت اور ”جہے سور ہے“ کے اصولوں پر عمل ہوتا ہے جس میں حکومت غریبوں امیروں کے افلاس و امارت کو محض اُن کی قسمت یا نام نہاد ہمت پر چھوڑ دیتی ہے اپنی مجبورہ حالت میں کسی طرح دُنیا کی خوشحالی کا کھیل نہیں ہو سکتا اور یہ اس نظام کے قیام کا لازمی نتیجہ ہو گا کہ گاہے گاہے اس میں سود بازیاں اپنی ہیمانک صورت و کھاتی ہیں۔ قدیم ماہرین معاشیات کا یہ خیال کہ معاشی حالت ایک ایسا پیچور ہے جو خود بخود اپنا توازن قائم رکھتا ہے کم از کم حال کی دُنیا میں غلط ثابت ہو رہا ہے دُنیا کی معاشی حالت اس قدر تنجید ہے کہ بغیر خاص تر اکیبے تجاویز کے اس کا سدھرنا ناممکن نظر آتا ہے بلکہ روسی اور دُوسرے اشتراکی ریٹے منرے لے لے کر سرمایہ داروں کو تباہ ہے کہ عقلمند جس نظام کی بنیادی غصب پر مجبورہ دیر تک قائم نہیں رہ سکتا۔ معاشی سرمد زاری کی دوسری بڑی وجہ قوموں کی خود غرضی ہے، ہر قوم اپنا بھلا چاہتی ہے اپنے نفع کے پیچھے پڑی ہے اور اس خود پرستی کی دھن میں اُسے یہ خیال نہیں آتا کہ میری نفع جوئی اور دل کو نقصان پہنچانے کے ساتھ شاید بالآخر مجھے میرے حاصل کردہ نفع سے محروم کرنے، مُدبذنیائے صلب و منفعت کے ہزاروں دل خوش کُن طریقے اختراع کر لے ہیں اور وہ سمجھتے ہوئے ہے کہ زندگی کا آرام و آسائش اُس کے قبضے میں ہے لیکن فطرت کہ اصلیت سے زیادہ آگاہ ہے اُس کے اس جہل پر شکرا رہی ہے کیونکہ خود غرضی و خود پسندی کی انتہا ہمیشہ بغض، ناخوشی و تباہی کا پیش خیمہ ثابت ہوتی ہے۔ ریورپ امریکہ کے کئی بہر باب معاشی قومیت ”کو دُنیا کی موجودہ ایشری کا موجب قرار دے رہے ہیں ہر قوم خود مختار و خود مست رہنا چاہتی ہے اور بین الاقوامی و انسانی بہتری کا ٹھون ہو رہا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ دُنیا کی سیاسی حالت بھی ۱۹۳۲ء کے بارہ مہینوں میں سے بد سے بدتر ہو گئی۔ مشرق میں جاپان نے مغرب میں جرمنی نے جبر کی تدویریاں سے نکالی اور اپنے ”حقوق“ بروز طلبہ لکھے، فرانس نے انگلستان نے مجلس اقوم نے بلکہ ساری مہذب دُنیا نے ان کی اس

جبرستانی پرائیویٹ شرمندہ کیا اور کہا کہ مذہب ہو کر مغلوب الغضب ہوتے ہو! جاپان نے منگولیا پر قبضہ کر لیا، اتحادی غم و غصہ سے کتاب ہو کر یہ غمبول گئے تھے کہ اپنے وقت میں انہوں نے بھی بہت سے قطعات ارض پر ہاتھ صاف کئے تھے، کبھی چپکے چپکے کبھی علانیہ کبھی سیم و زر کے ذریعے کبھی حکمت عملی کے ذریعے وہ بھی مختلف ملکوں میں اپنے ملکی اقتدار کو بڑھا چکے تھے اور اب دنیا کے بیشتر حصے اور کثیرالقدر وسیع پر قابض ہو کر وہ دوسرے کو دغ و غصہ کر رہے تھے کہ قابضوں کو قوت نہ کروا جس کا ہے وہ اُسی کا ہے، انصاف کا یہی تقاضا ہے۔ حق یہ ہے کہ سیاسی دنیا غائبوں کی ایک جہتی ہے، جس کا حبس چلا، اُس نے جو کچھ ہو سکا سمیٹ لیا۔ بے شک جاپان کا ناچور یا پرمغصہ کر لینا اور وہاں سے جینیوں کو باہر نکال دینا زبردستی کا ایک کارنامہ ہے لیکن اور مذہب فائقین کی طرح جاپان کو کبھی دعوے ہے کہ ہمارے معاشی مفاد کا تحفظ اسی طرح ممکن ہے اور ہم محض اپنے ملک کے قرب و جوار میں امن و امان قائم کر رہے ہیں اور ناچور کو اوکو پٹرول کے سنا دے، رہائی دلا دیں یعنی متحدان کی تاریخ کے ہزاروں واقعات میں دخل و مداخلت کا ایک واقعہ یہ بھی ہے، مجلسِ قوام نے جنوری میں جاپان کو متنبہ کیا کہ تم ناچور یا سے دست بردار ہو جاؤ، فروری میں جاپان اجلاس کو چھوڑ کر باہر چل دیا اور مارچ میں اُس نے مجلسِ قوام کے علیحدگی کا اعلان کر دیا۔ نمون میں بیجا ہے جن نے مجلس کو بے دست دیا دیکھ کر خود جاپان سے صلح کر لی۔

پانچ میں علاوہ اس کے اور بھی دو اہم واقعات پیش آئے۔ ممالک متحدہ (امریکہ) میں ایک نئی حکومت کا آغاز ہوا، جہڑی رہنما روز ولٹ صدر جمہوریہ بن گیا اور اُس نے اپنی زیر دست شخصیت کے ذریعے امریکہ کی معاشی حالت کو دیکھا اور ایک نئے سانچے میں ڈھان شروع کیا۔ اندرونِ ملک میں اجناس کی قلتیں بڑھیں، طلبائی معیار ترک کیا گیا، صنعت و حرفت کی تنظیم میں حکومت نے صاحبِ داخل اندازی کی تاکہ پیداوار و صرف دولت میں مناسب نظام قائم کر کے بے روزگاری میں کمی اور عام قومی خوشحالی میں اضافہ کیا جائے یعنی یعنی کا طریقہ چھوڑ کر حکومت ملک کے ذریعے سے ملکی زندگی کے ہر شعبے کی تنظیم عمل میں آئے۔ دیکھنا ہے کہ اس لائحہ عمل کو کہاں تک کامیابی حاصل ہوگی۔

پانچ کا تیسرا بڑا واقعہ جرمنی میں ہٹلر کی کامیابی متاعِ جنگ کے بعد کئی سالوں سے جرمنی اتحادی احکام و ہدایات کی جلاں کاٹنا ہوا تھا، جرمنی نے جنگ میں جبر و استبداد کے جوہر دکھائے تھے اُسے سردار ملنی ضروری تھی، فائینس اپنا بدلہ لے رہے تھے لیکن چودہ سال مختلف مذاہب اور تبلیغیں سرسہ کر جرمنی تنگ آگیا تھا اُس کی سنی پود اپنے باپ دادوں کے گناہوں کے کفاسے میں اپنی زندگیاں بھینٹ چڑھانے پر تیار نہ تھی، ہٹلر اور اس کے نازیوں نے بائبل و دل اعلان کر دیا کہ اب وہ اتحادیوں کے ناز و داشت نہیں کر سکتے۔ انہوں نے پوچھا کہ وہ جو بریل ہوئے صلح پسند اتحادیوں نے دنیا بھر پر واضح کر دیا تھا کہ جرمنی کے علاوہ دوسرے ملکوں کو بھی تحفیتِ اسلام کے ہتھوں پر عمل کرنے پر مجبور کیا جائے گا، اس تجویز و ارادہ کا کیا حشر ہوا اور کب تک جرمنی ایک مُسلم دنیا میں ایک غیر مُسلم و غیر محفوظ قوم ہو کر رہے، جرمنی کی نئی حکومت ایک طرف اشتراکیت کی دشمن ہے اور دوسری طرف فرانس اور اُس کے دوستوں سے نالاں ہے۔ وہ جرمن قوم کو مضبوط و مربوط دیکھنا چاہتی ہے۔ ہٹلر ایک زبردست غولہ پسند قوم پرست ناظم ہے جسے جرمن قوم نے ہر شعبہ زندگی میں اپنا خود مختار حاکم بنالیا ہے اور وہ اپنی تجاویز

کو بے دھڑک ہو کر عملی جامہ پہنا رہا ہے۔ یہودیوں کی طاقت کو پاؤں کے نیچے کچل دیا گیا ہے۔ جرمنی نے باقاعدہ طور پر جرمنی کا نفرنس اور اور مجملہ اقوام سے علیحدگی کا اعلان کر دیا ہے۔ دھڑلستان گھبرا رہا ہے کہ دین رنگ کے آزاد شہر پر جرمنی کی نفرنس میں اردھ فرانس غنصیں اک رہا ہے کہ میرا شکست خوردہ دشمن اپنی فوج کا کھیل کا نادرست کر رہا ہے۔ جرمنی مسادات کا دعوے دار ہے۔ فرانس امن و تحفظ کا طلب گار اس نازک صورت حال میں انگلستان اور اطالیہ سیاسی جھڑتوں میں مصروف ہیں۔ انگلستان کا مدعا صرف یہ ہے کہ کسی طرح میرا اقتدار کم نہ ہو اطالیہ کا مقصد یہ کہ کسی طرح میرا اقتدار بڑھے۔ انگلستان فرانس کی طاقت کو بڑھتے دیکھنے کا خوشنہ نہیں گو وہ علامہ جرمنی کو آگسٹا بھی نہیں چاہتا۔ اطالیہ کا رہنما مسولینی جرمنی اور فرانس کی اس رقابت سے فائدہ اٹھا کر اپنا دواں چل رہا ہے۔ ان بڑے پہلوؤں کے بیچ میں آسٹریا کا انجمن ویک کہ بیٹھا ہے جرمنی اُسے بزدل پانا چھوٹا بھائی بنانے پر ٹھہر رہے پڑے اتحادی ناک بھوں چڑھاتے ہیں اور بار بار اُسے درستی کا مدنا مہ دھاتے ہیں کہ اس شرارت سے باز آؤ اور ہمارے فضل و کرم کو یاد کرو!

ادھر سرمایہ داروں میں لیڈر مسابقت کا شور ہے ادھر اشتراکی روس الگ بیٹھا بڑے زور سے اپنے نئے کام میں مصروف ہے کہتے ہیں روس کی حالت خراب ہے اور سردیوں کا یہ زمانہ اُس کے لئے بڑی سختی کا زمانہ ہوگا۔ ایشیائے خوردنی کی کمی ہے کہ سان مشینوں کے بل بغیر چلانے میں کو دن ثابت رہے میں بنی حیروں کیلئے جوش کب تک قائم رہیگا لیکن یہ کامیابی نہیں ہے میں اور جہوں سے روس اور اُس کے نئے تجربات برابر جاری ہیں۔ نو جوان دزد دیات سے شہروں کی طرف جوق در جوق آ رہے ہیں۔ عورتیں قیدی طاقتور آزاد روسی عورتوں کی طرح مردوں کے دوش بدوش کام کر رہی ہیں اور ان کے بچوں کے لئے اب نئی چیزیں بنی نہیں ہیں۔ شہروں میں اشتراکیت کی بنیاد اس قدر مضبوط ہو گئی ہے کہ کم از کم فی الحال اُس کی بیخ کنی بہت غیر اغلب نظر آتی ہے۔ یہ درست ہے کہ عیسائستوں اور نفسیات فروڈٹنے والے میں لکھا ہے کہ انسانی فطرت کو بدل دینا اس قدر آسان نہیں جتنا بالمشوکیک سمجھے ہیں اور نہ ان کے طرز عمل اور طریقوں میں دوسروں کو وہ آزادی دی جاتی ہے جس کے وہ اپنے آپ کو علم بردار ظاہر کرتے ہیں اور شاید نتائج سے یہ بھی ثابت ہو جائے کہ انہوں نے اپنا نیا اشتراکیت تجربہ کرنے میں بہت جلد بازی سے کام لیا لیکن اس سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا کہ بالمشوکیک بڑی تنہی اور جوش سے کام کر رہے ہیں اور ان کا تجربہ مستقبل کے لئے بالکل خالی از اہد نہیں۔ یہ بھی درست ہے کہ یورپ میں اشتراکی انقلاب کا جلد پھیل جانا بہت مشکل نظر آتا ہے مترسط طبقہ طاقتور ہے، زراعتی مزدور انقلاب پسند نہیں، موجودہ تمدن اور مذہب دلائل اشتراکیت کے خلاف ہیں اور خود طبقہ اسفل میں پھڑپڑ رہی ہوئی ہے، علاوہ بریں انقلاب اور بالخصوص کامیاب انقلاب کوئی آسان چیز نہیں لیکن یہ بھی ضرور ماننا پڑے گا کہ باوجود ان سب رکاوٹوں کے روسیوں کی نئی زندگی کے دھماکے ساری دنیا میں گاہے گاہے زلزلے پکڑ رہے ہیں کچھ عرصہ پہلے ایک عظیم الشان درزشی اجتماع کے موقع پر وہ نظارہ قابل دید تھا جب پچاس ہزار روسی مل کر زور سے یہ گیت گار رہے تھے کہ ہم دنیا کو بدل رہے ہیں ہم دنیا کو بدل رہے ہیں ہم دنیا کو بدل رہے ہیں! "اغلب یہ ہے کہ روس

کانیا تجربہ ایک حد تک کامیاب ہو جائے گا، کچھ دُنیا رُوس کر دوں گے کی کچھ رُوس دُنیا کو اپنی راہ گھسیٹ لے جائے گا اور اشتراکیت اور سرمایہ داری کی اس نیچا تانی سے ایک نیا نظام ظہور میں آئے گا اور تمدن کی کل کے پُرنے پُرنے ایک نئے انداز سے کام کرنے لگیں گے یہ بات قابلِ توجہ ہے کہ گذشتہ سال میں اطالیہ اور امریکہ نے رُوس سے رابطہ بڑھایا ہے۔ امریکہ اور رُوس دونوں جاپان سے ڈر کر ایک دوسرے کی دوستی کے خواہاں ہیں رُوس اب متمدن دُنیا میں اچھوت نہیں رہا اور وہ وقت دور نہیں کہ سرمایہ اور دُنیا اُس سے پھر بدستور تعلقات قائم کر لے گی۔ اُدھر جاپان اور جرمنی میں بعض مشترک باتیں پیدا ہونے کے باعث اُلفت بڑھ رہی ہے دونوں کا ہاتھ اپنی تلوار کے قبضے پر ہے، دونوں رُوس سے رُود گرداں ہیں، دونوں مزید علاقہ حاصل کرنے کے خواہشمند ہیں، دونوں عربی کانفرنس سے سیرا اور مجلس اِتوام کو الوداع کہہ چکے ہیں۔ مشرق و مغرب کے اکٹھاٹے میں نئی جماعتیں مرتب ہو کر ایک دوسرے کا بدِ مقابل بننے والی ہیں۔

علاوہ رُوس کی قدرت طرازیوں کے دُنیا کے حاضر میں چند اور نئی قوتیں اور چند اور نئے اُمور بھی رُونا ہو رہے ہیں ملک ملک میں مطلق العنانی رہنما رُوس میں سٹیلن، اطالیہ میں موسولینی، ترکی میں مصطفیٰ کمال برسرِ اقتدار ہیں۔ رُوس کے معاشی نظام اور دُنیا کی کساد بزاری کی حالت سے ثابت ہو رہا ہے کہ قومی اور بین الاقوامی معاشیات میں خاص نظم و ہدایت کے بغیر ترقی و ترقی ناممکن ہے۔ اُدھر علوم کی افراط و تفریط اور آثار و روایہ عام کی کمی سے انسانی علم و عمل میں وہ قطاریں قائم نہیں رہا جس پر صحیح تمدن کا دار و مدار ہے یعنی دماغ آسان پر ہے لیکن نفس ہنوز تحت الشرائع میں ہے۔ مظلوم جماعتوں میں بالخصوص عورتوں میں روز بروز زندگی کے آثار ظاہر ہو رہے ہیں چنانچہ چین اور ہندوستان سے ملکوں میں بھی عورتیں اپنے حقوق کے لئے ساعی نظر آتی ہیں یہ ہنیت مجموعی دُنیا میں ہر جگہ ایک قسم کی بے چینی اور بیداری رُونا ہے۔ کیا اس کے معنی ترقی ہیں؟ ترقی کا سوال بہت پیچیدہ ہے اگر کہیں جمہوریت کا بل بالا ہو رہا ہے تو کہیں مطلق العنانی زوروں پر ہے اور اُس کے اور اس کے نتیجہ کہیں پسندیدہ کہیں ناپسندیدہ کبھی اچھے ہیں کبھی بُرے یا کچھ اچھے ہیں کچھ بُرے جو کچھ پالیتا ہے وہ حق بمقدار رسید کا لغو بلند کرتا ہے، جو کمودیتا ہے وہ کماتا ہے بے شک دُنیا میں نیکی ہمیشہ گھٹتی ہے مثلاً آئرستان خود مختاری کے اعلانات کر رہا ہے لیکن ہندوستان مجبوری کی چُپ میں گم ہے۔ اس منور و غل کے معنی کچھ بھی ہوں یہ ظاہر ہے کہ ہماری زندگیاں ایک نہایت دلچسپ و دلچسپ زمانے میں سے گزر رہی ہیں۔

بشیر احمد

بزمِ ہمایوں

یہ ہمایوں کی بارہویں سال گرہ ہے۔

گزشتہ سال میں بہ دستور سابق ہماری کوشش یہی رہی ہے کہ ہمایوں اعتدال و یکسانیت اور تدریجی ترقی کی قیادت پر قائم رہے جو شروع سے اس کا طبع فطری ہی ہے۔ اگر کج سے بارہ سال پہلے کے پرچے اٹھا کر دیکھتے تو ہمایوں کی شکل و شباهت ترتیب مضامین اور خیالات کی مینا دروی میں بہت زیادہ فرق دکھائی نہیں دیتا۔ تاہم نوکر کیا جائے تو صاف طور پر ظاہر ہو جاتا ہے کہ علاوہ بعض ظاہری جزوی تبدیلیوں کے انوع مضامین میں بھی بعض اہم تغیرات واقع ہوئے ہیں۔ ابتدا میں جیسے ہاں افسانے ضرور ہو کرتے تھے لیکن کم علمی و اصطلاحی مضامین کی زیادتی تھی، معلومات زیادہ پیمانہ پر ختم تھیں۔ اب افسانوں کی زیادتی تو علمی مضامین کی اصطلاحیں زیادہ عام فہم اور سبک ہیں معلومات میں متانت کا عنصر غالب ہے۔ اور یہ کوئی ہمایوں کی ایجادات یا امتیازات نہیں ہیں علمی و ادبی دنیا کی روش اور اردو ادب کے فطری ارتقائے بصورت خود بخود پیدا کر دی ہیں افسانوں کی طبعیانی مغرب سے چل کر مشرق میں در آئی ہے۔ اور یہ افسانے اب محض امیجز یا الف لیلہ کی داستانیں نہیں رہے بلکہ معززوں کی زندگی کے چیتے جاگتے نقشے ہیں۔ معلومات سے اردو کا دامن لبریز ہو تا جا رہا ہے اور جہاں ایک طرف انہیں آسان بنا کی طرف توجہ ہے دوسری طرف ان کا اشکال بھی کثرت استعمال سے آنا گراں نہیں رہا جتنا پہلے تھا۔ اور بیرونی دنیا کا ہم محض بچوں کی طرح تماشا نہیں کرتے۔ بلکہ اس کے مظاہر میں کوئی نہ کوئی معنی سمجھنے کے خواہم ہو گئے ہیں۔

ان تبدیلیوں اور ترقیوں میں گزشتہ سال میں جن اصحاب نے خصوصیت سے حصہ لیا ان میں سے بعض کے اسماء گرامی شکریہ کے ساتھ درج ذیل کئے جاتے ہیں۔

نثریں حضرات ادیب، غلام پیا، فیاض محمود، فہیم بیگ، عبد الغنی، نشتر، عزیز الرحمن ہاشمی، انیس احمد رشتی، منصور احمد، ابو محمد امام الدین، زبیر احمد، یوسف سلیم، فرحت، اند بیگ، برج، مہین کفی، خلیفہ بیگ، ظفر قریشی، محمد علی، پریم چند، دیوانہ، حامی، صدیقی، مسعود، منظور، روش، حمید احمد خاں، ناظم میمن، حیو، ادو، حسن عزیز، جاوید، عطاء اللہ، اختر عابدی، عطاء الرحمن، نور الہی، شائق، نظمیں، جوش، آزاد، انصاری، عدم، مقبول حسین، امجد، اختر مصباحی، ماہر القادری، دھوکھتی سہلے، فراق، راشد، اکبر، کلیم، اختر شرانی، وحشت، اختر حیدر آبادی، رحب صاحبہ، روش، نجیب، عابد احسن، ماہروی، عباسی، علی منظور، شاد، عارفی، اختر شرما، راز، گلش، مجاز، جمیل، دہلی، سجاد، دانش وغیرہ

لشیر احمد

بہار

خوشی کے زمزمے گاتی ہوئی فصل بہار آئی
گلستاں سے صدائے خندہ گل بار بار آئی

چمن کے پتے پتے پر ہوئی انوار کی بارش
گھٹا بس کر نویدِ رحمت پروردگار آئی

صدائے بیل کی گونجی دم بدم صحنِ گلستاں میں
بہار آئی، بہار آئی، بہار آئی، بہار آئی

ڈھلکتی، لڑکتی، کھڑکتی پتیاں بھیگیں
سپاہِ گلِ قطار اندر قطار آئی

خزاں رخصت ہوئی، ڈرتی، سمٹتی، کانپتی، جتی
چمن سر پر اٹھاتی، ناچتی، گاتی بہار آئی

خزانہ رات بھر گلشن نے لٹا حسنِ فطرت کا
گجر دم ورنہ کیوں پھر شبِ بنیم گوہر شمار آئی

ہوئی اس خاکدراں پر حسنِ فطرت کی وہ ارزانی
کہ جنت کی نگاہِ رشک ہو کر شرِ مسار آئی

آفتِ تک سوبہ سولہ راسے میں زمر وینافعی
زینِ خوش ہو کے میسل کیچلی اپنی اتار آئی

گلستاں گہنی انفاس گل سے متمنا اٹھا
کہ روحِ عشق لے کر زندگانی کا شرار آئی

گھرا آیا، جھومتا، دھوئیں چاتا ابر آزاری
اور اُس کی پیشوائی کو یہ چشم اشکبار آئی

صبا کے مست سحر انگیز جھونکے پے بے پے آئے

بھلانے پر بھی یاد اُس بے خبر کی بار بار آئی

سمجھ کر گل کو ہمسرا اُس کے عارض کا سحرِ بلبل
گئی اک گل کی پتی لے کے لیکن ٹرسا آئی

صبا سستی سے اٹھلاتی، ہونی پھرتی تھی گلشن میں،

ہنسی پھولوں کو اس پر آئی ادب بے اختیار آئی

نگہ ز گیس کی حیراں زلفِ سنبل کی پریشیاں ہے
بہار اُس انجن سے آئی لیکن بے قرار آئی

وہ جن جاوداں فارغ ہے قیدِ آدمی و فے سے

خزاں ہے سادگی اُس کی بہار اُس کی خود آرائی

بمقامِ اللہ وہی اب سرِ زمزمِ چشم جہاں میں ہے
کبھی رکھی تھی کام آج اُس کی خاکِ رنگداز آئی

دیباہِ عشق میں چہرے ہیں اپنی بے نوائی کے

جہاں حُسن پر جیسے مستم اُس کی دارائی

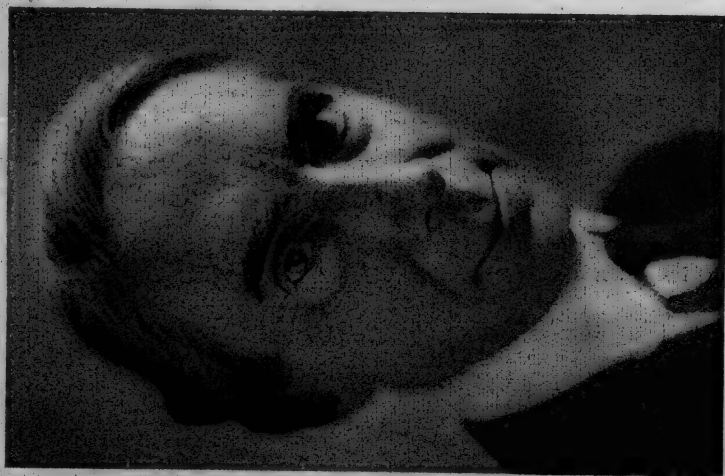
انا لحسن اپنی خاکستر کے ہر فوٹے سے پیدا ہے

دعاے عشق دیکھا کس طرح بر رُوئے کار آئی؟

مفتی محمد طاهر



برگینڈیل



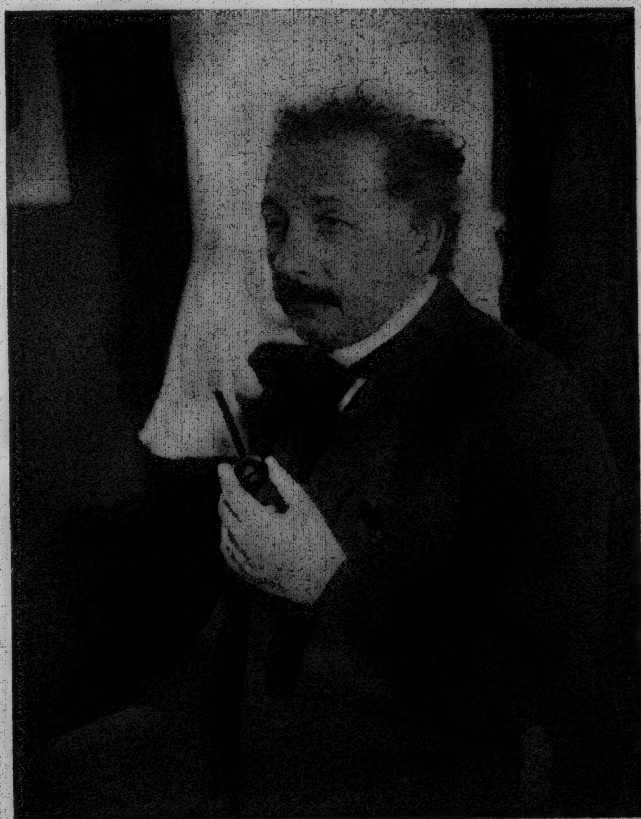
زندہ فلسفے

دنیا کے عقلمند کیا کہتے ہیں؟

دنیا کیا ہے؟ کائنات کیا ہے؟ خدا ہے یا نہیں؟ زندگی کا کیا مقصد ہے؟ ہماری معاشرت کی حالت چھی ہے یا بُری؟ سیاست کس رنگ میں ہے؟ مذہب کا مستقبل کیا ہے؟ بڑے بڑے مفکر کیا سوچتے ہیں، کیا کرتے ہیں؟ اُن کے نزدیک دنیا میں کیا کچھ ہونے والا ہے اور ہر خاص و عام کو تبدیل شدہ حالات میں کیا کرنا (اور کیا نہ کرنا) چاہئے؟ یہ ہیں وہ چند دلچسپ سوالات جن کا جواب آج ہم دنیا کے بعض عقلمندوں کے قلم سے سننے والے ہیں۔

ہمیں کیا کرنا چاہئے؟ کیا ہمیں بدستور اپنے پرانے خیالات کا مستعد بنے رہنا چاہئے یا کیا ہمیں فی الفور ان نئے خیالات کی پردہ کی کرنی چاہئے؟ ہر شخص اگر ٹھنڈے دل سے غور کرے تو وہ اپنے حالات کے مطابق اس سوال کا مناسب جواب دے سکتا ہے۔ لیکن بالعموم یہ اصول کار اکثر تسلیم یافتہ لوگوں پر صادق آئے گا کہ اعتقادات کو راسخ و پاکیزہ بنانے کا بہترین طریق یہ ہے کہ وقتاً فوقتاً اُن پر نئے خیالات کی روشنی ڈالی جائے۔ جو عقیدہ مضبوط اور عقل و تجربہ پر مبنی ہو گا وہ ہر آزمائش پر بہتر و مضبوط تر ہو کر نکلے گا جو خیال فرسودہ ہو چکا ہو گا وہ نئے علوم کی فکر سے جلد ملیا میٹ ہو جائیگا۔ آج کل دنیا میں انقلابات کا دور دورہ ہے۔ سیاست میں، معاشرت میں، مذہب میں انقلاب۔ ایسے وقت میں جہاں اپنے محبوب مقدمات کو محفوظ رکھنا مشکل کام ہے وہاں ان کی اصلاح و تنظیم بھی کافی سہل ہے۔ ایسے زمانے میں فروعات اپنا کام کر چکے گئے باشندے ہوتا ہوا جاتی ہیں۔ لیکن آزمودہ اصول پھر ایک نئی زندگی حاصل کرنے کے قابل ہو جاتے ہیں۔ حق پرست آدمیوں کو نئے خیالات سے ڈرنا نہ چاہئے، اچھی شے کو بُری شے کو چھوڑ دو، ہر شعبہ زندگی میں یہ ایک کار آمد اصول ہے۔ ایک شخص کو اپنے مخالف و مطابق ہر قسم کے خیالات سے پوری طرح آگاہ ہونا چاہئے۔ راستی وہی ہے جو نئے خیالات اور نئے حالات کے متواتر تضادم کے بعد بھی زندہ و تابندہ رہے۔

حال میں ایک نہایت دلچسپ کتاب ”زندہ فلسفے“ شائع ہوئی ہے جس میں دنیا کے بعض زندہ مشاہیر نے جن میں ہر قسم کے مفکر، فلسفی، طبیعیات دان، خدا پرست، دہریے، لا ادرے سب شامل ہیں اپنے دلی تصدیقات کا صاف صاف اظہار کیا ہے۔ اُن میں سے چند مشاہیر کے خیالات کا اقتباس ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔



آئن شٹائن

ایلیبرٹ آئین شٹائن

یہ اصنافیت کے انقلاب انگیز نظریے کا داغ اور دنیا کا سب سے ممتاز سائنس دان ہے اسے مشہور نوبل انعام مل چکا ہے
اس دنیا میں ہماری عجیب حالت ہے ہم سب یہاں مقہور دیویر کے لئے آئے ہیں ہم نہیں جانتے کیوں۔ گو بعض
اوقات ہمیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہم دل ہی دل میں اس حقیقت سے واقف ہیں +

البتہ روزانہ زندگی کے نقطہ نظر سے ایک بات ہے جسے ہم خوب جانتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ انسان اس دنیا میں دوسرے
انسانوں کے لئے پیدا ہوا ہے۔ بالخصوص اُن کے لئے جن کی خوشی اور سلامتی پر ہماری اپنی خوشی کا انحصار ہے۔ اور اُن دنیا
رُحوں کے لئے بھی جن کی قسمت کے ساتھ ہم ایک کشتہ ہمدردی سے وابستہ ہیں۔ دن میں کئی بار میرے دل میں
خیال اُٹھتا ہے کہ میری بیرونی اور اندرونی زندگی کس حد تک میرے مُردہ و زندہ ہم جنسوں کی محنت پر تعمیر ہوئی ہے۔ اور مجھے
کس قدر تن دہی سے محنت کرنی چاہئے کہ میں نے جتنا کچھ پایا ہے اتنا ہی اُس کے عوض میں دے بھی سکوں میرے دل
کا اطمینان بیسیوں دفعہ اس دل شکن احساس سے پریشان ہو جاتا ہے کہ میرا کام فی الواقع بہت کچھ آدمیوں کی کارگزاری کا
شرمندہ احسان ہے +

میں سمجھتا ہوں کہ فلسفیانہ نقطہ نگاہ سے آزادی ہمارے نصیب میں نہیں اس لئے کہ ہم نہ صرف بیرونی اثرات سے
مجبور ہوتے ہیں بلکہ ہم اپنی اندرونی ضرورت کی وجہ سے بھی بے اختیار ہیں۔ شوپن ہار کے اس مقولے کا کہ ”بلاشبہ انسان
اُس کام کو کر سکتا ہے جس کا وہ ارادہ کرے۔ لیکن خود اُس کا ارادہ اُس کے اختیار سے باہر ہے۔“ جوانی کے دنوں میں ہی مجھ پر
بے حد اثر ہوا اور جب کبھی اوروں پر یا مجھ پر زندگی کی مصیبتیں آپڑی ہیں میں نے ہمیشہ اسی خیال سے تسلی پائی ہے۔ اس
بات کا یقین ہمیشہ رواداری پیدا کرتا ہے۔ کیونکہ اس کے ہوتے ہوئے ہم اپنے آپ کو یا اوروں کو نہایت متین و بخیدہ بن کر
نہیں دیکھتے بلکہ اس سے دل میں غرافت کی ایک موج اُٹھتی ہے۔

میری رائے میں اپنے وجود یا زندگی کے مقصد پر دن رات غور کرتے رہنا در کم از کم معروضی نقطہ نظر سے سخت نادانی
ہے۔ تاہم ہر شخص کے چند خاص نصب العین ہوتے ہیں جس سے اُس کی اُممگنیں اور آراء ایک خاص رستے پر چلتی ہیں۔
و نصب العین جو ہمیشہ سے میری آنکھوں کے سامنے روشن و تاباں رہے اور جن کے باعث میرے لئے زندگی پر لطف ہو گئی
تھی، خوبصورتی اور سچائی ہیں۔ سرائش یا خوشی ہی کو اپنا نصب العین بنالینے پر میں کبھی مائل نہیں ہوا، اخلاق کا نظام جو
ایسی بنیاد پر قائم ہو صرف دُشوروں کے ایک گٹھ کے لئے ٹھیک ہو گا +

میری زندگی محض خالی اور بے معنی ہوتی اگر آرٹ اور سائنس کے نامکمل الحصول حقائق کی تعقیب و تحقیق میں اپنے ہم خیال لوگوں کے ساتھ مل کر کام کرنے کا احساس میرے دل میں پیدا نہ ہوتا، پچھن کے زمانے سے میں اُن حدود کو حقائق کی نگاہ سے دیکھتا رہا ہوں جو عوام کے نزدیک انسانی ترقی پر عائد ہیں۔ مال متاع، ظاہری کامیابی، تشہیر و عیش و عشرت سے مجھے ہمیشہ نفرت رہی ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ ایک سادہ اور بے تعصب طریق زندگی ہر شخص کے لئے بہترین ہے اور جسم و نفس دونوں کے لئے مفید ترین +

یہ عجیب بات ہے کہ ادھر مجھ میں معاشری عدل اور معاشری ذمہ داری کا شدید جذبہ ہے اور ادھر مردوزن سے عام میل جول کی مجھے ملحق خواہش نہیں۔ میں وہ اکیلا بچنے والا گھوڑا ہوں۔ جو جوڑی میں کام نہ دے سکے۔ میں کبھی اپنے ملک یا حکومت یا دائرہ احباب بلکہ اپنے کنبے سے بھی دل و جان کے ساتھ وابستہ نہیں رہا۔ میرے ان تعلقات میں ہمیشہ ایک قسم کی مبسم سی علیحدگی پائی گئی ہے۔ اور جوں جوں میری عمر بڑھتی جاتی ہے اپنے آپ میں کنارہ کشی کی یہ خواہش بھی زیادہ ہوتی جاتی ہے۔ اس قسم کی علیحدگی بعض اوقات سخت ناگوار ہوتی ہے۔ مگر اس پر بھی مجھے رنج نہیں کہ میں دوسرے آدمیوں کی مغایرت اور ہمدردی سے دور پڑا ہوں۔ بلاشبہ اس سے مجھے کچھ نہ کچھ گھانا پڑتا ہے مگر ادھر فائدہ یہ ہے کہ میں دوسروں کے رسوم آراء اور تعصبات سے آزاد رہتا ہوں اور مجھے یہ ترغیب نہیں ہوتی کہ اپنے دل کے امن و امان کو ایسی بودی بنیاد پر قائم رکھوں۔ میرا سیاسی نصب العین جمہوریت ہے۔ بطور ایک فرد کے ہر شخص کی عزت لازم ہے لیکن کسی کی پرستش نہ ہونی چاہئے۔ یہ تمتم کا ایک مذاق ہے کہ مجھ پر اس قدر غرضداری اور غیر تعصبی تفریق و حرمت کی بوجھار ہو۔ شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ عوام اُن چند خیالات کو جو میں نے اپنی فکر و طاقت کے ساتھ پیش کئے ہیں سمجھنا چاہتے ہیں لیکن سمجھ نہیں سکتے +

میں خوب جانتا ہوں کہ کسی مخصوص منہا نگ پینچنے کے لئے لازم ہے کہ کسی کارنامے میں خودی نہ کرادوں دوسروں کی قیادت و رہنمائی محض ایک شخص سے متعلق ہو اور وہی زیادہ تر ذمہ دار بھی ہو۔ لیکن یہ بھی ہونا چاہئے کہ رہنما اپنے پیروؤں کو محض ہانکنے جائیں بلکہ عوام کو اختیار ہونا چاہئے کہ وہ آپ اپنا رہنما انتخاب کر سکیں۔ مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ معاشرت کے طبعوں کو جدا رکھنے والے امتیازات غلط ہیں۔ تجربہ کرنے پر ظاہر ہو گا کہ اُن کی بنیاد جبر و اکراہ ہے۔ مجھے یقین ہے کہ تشدد کے ہر طریق ان نظام کا نتیجہ تبدیل ہوتا ہے کیونکہ تشدد سے لازم طور پر لوہے اور بزدل لوگ پیدا ہوتے ہیں۔ زمانہ کمی باثبات کرچکا ہے کہ متنازعاتوں کے بعد فاسق شخص زور پر کھڑے ہیں +

اس وجہ سے میں ہمیشہ ایسے نظامات حکومت کا سخت مخالف رہا ہوں جیسے آج کل روس اور اطالیہ میں قائم ہیں۔ وہ شے جس نے یورپی طرز جمہوریت کو بے اعتبار بنا دیا ہے خود جمہوریت نہیں جسے بعض ناقص خیال کرتے ہیں۔ بلکہ

وہ ہماری سیاسی لیڈری کا تلون اور پارٹیوں کے حدود کا بغیر ذاتی نظام ہے +
 میں سمجھتا ہوں کہ دہلی متحدہ (امریکہ) نے صحیح خیال کو پایا ہے۔ ایک صدر و نائب مدت کے لئے منتخب ہوتا ہے
 اور اُسے خاص اختیار دیا جاتا ہے کہ وہ اپنی ذمہ داریوں کو کافی طور پر نبھاسکے۔ اس کے برعکس جو من حکومت میں مجھے
 یہ بات پسند ہے کہ حکومت کسی فرد کی حلاوت یا بے روزگاری کے وقت اُس کی مکاحقہ نگہداشت کرتی ہے۔ ہماری
 زندگی کی جدوجہد میں جو شے فی الحقیقت بیش بہا ہے وہ میری رائے میں قوم نہیں بلکہ وہ ہے تخلیقی اور اثر پذیر افراد
 یا شخصیت یعنی وہ جو ممتاز و اعلیٰ کی تخلیق کرتی ہے اس حال میں کہ عوام الناس خیال و احساس میں محض کُند اور بے خبر
 پڑے رہتے ہیں +

اس ضمن میں مجھے عوام کے حیوانی نفس کے اُس لغو ترین فعل یعنی جبری قومی فوج کا خیال آتا ہے جو یقیناً قابلِ مد
 نفیر ہے۔ وہ شخص جو فوجی قطاروں میں فوجی بابے کے ساتھ ساتھ کوچ کرتا ہے اور اس حرکت میں لطف اٹھاتا ہے
 میری انتہائی نفرت کا مرجع بن جاتا ہے۔ اُسے قدرت نے غلطی سے دماغ عطا کر دیا اُس کے لئے محض ریڑھ کی ہڈی
 کافی ہوتی۔ یہ حکم پڑے رہا دہری دکھانا، یہ یہود و تشدد، یہ جب الوطنی کی تلون و رنگ۔ ان سب کو میں کتنی حقارت سے
 دیکھتا ہوں۔ جنگ ایک ادنیٰ اور قابلِ نفرت شے ہے۔ اور بجائے اس کے کہ میں ایسے کاموں میں حصہ لوں میں پسند
 کروں گا کہ میرے جسم کے ہزار ٹکڑے کر دیئے جائیں +

ذریعہ انسان پر اس قسم کے دھبے کو بغیر تامل کے مٹا دینا چاہئے۔ مجھے انسانی فطرت کی راستبازی سے پوری امید ہے
 کہ یہ داغ مدت ہوئی مٹ چکا ہو تا اگر کاروباری اور سیاسی اسباب کے ماتحت در سگا ہوں اور اخبارات نے اپنے باقاعدہ
 اٹھ سے قوموں کی عام سمجھداری کا استیانتاس نہ کر دیا ہوتا۔

سب سے حسین چیز جو ہمارے تجربے میں آسکتی ہے وہ غنمی اور بعد الغنم حقیقت ہے۔ وہ ہے سرخسہ تمام صحیح آرٹ
 اور سائنس کا۔ وہ شخص جو اس جذبے سے غامی ہے جو مظاہر کو دیکھ کر حیران و ششدر نہیں ہو جاتا وہ زندہ نہیں بلکہ محض
 مردہ ہے۔ اُس کی آنکھیں بند ہیں۔ زندگی کے پنہاں راز کی یہ پہچان گوارا میں خوف کی آمیزش بھی ہے۔ راسی سے
 مذہب کی بنا پڑی ہے۔ یہ جان لینا کہ وہ جو ناقابلِ ادراک ہو ہے ضرور ادراک کا ظہور اعلیٰ تریں فرات اور روشن تریں جن میں
 ہوتا ہے جنہیں ہمارے کند قوا محض اُن کی نہایت ابتدائی شکلوں میں سمجھ سکتے ہیں، یہ جان لینا یہ محسوس کر سنا یہی سچی ہدایت
 کی جان ہے۔ اس معنی میں اور صرف اس معنی میں میں بھی سچے مذہبی آدمیوں کی جماعت میں شریک ہوں +

ایسا خدا میرے ذہن میں نہیں آسکتا جو اپنی مخلوق کو انعامات تقسیم کرتا ہے اور سزا میں دیتا ہے جس کے مقاصد ہمارے

طرح کے ہیں یعنی ایسا خدا جو محض انسانی کمزوریوں کا ایک عکس ہو۔ نہ مجھے اس کا یقین ہے کہ فرد بشر موت کے بعد زندہ رہتا ہے اگرچہ کمزور و رومیوں بوجہ خوف یا فضول انانیت کے ان خیالات میں پناہ لیتی ہیں۔ میرے لئے تو یہ کافی ہے کہ حیات شاعرہ کے مجھے کو سوچوں کہ وہ کس طرح ازل سے اب تک اپنے آپ کو قائم رکھتی ہے۔ کائنات کی حیرت انگیز ساخت پر جسے ہم محض ذرا سا دیکھ سکتے ہیں۔ غور کروں اور انکسار کے ساتھ اُس دانشمندی کے چھوٹے سے چھوٹے حصے کو سمجھنے کی کوشش کروں جو فطرت میں ہویدا ہے!

ط. ط. سلسل

دہ غالباً انگلستان کا ب سے بڑا زندہ فلسفی ہے۔ بطور ریاضی دان ماہر تعلیم اور فلسفی ہونے کے یہ امریکہ اور یورپ دونوں میں انتہائی عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ اس کی بعض تصنیفات یہ ہیں تعلیم (بالخصوص بچپن میں) "شادی اور اخلاق" "خوشی کی تسخیر" "طبیعیاتی رویت" "مبادیات فلسفہ وغیرہ"

دنیا کے متعلق میرے خیال اور لوگوں کی طرح کچھ میرے حالات کا اور کچھ میری طبیعت کا نتیجہ ہیں * مذہبی اعتقادات کے ضمن میں وہ لوگ جنہوں نے مجھے تعلیم دی انہوں نے مجھے راسخ الاعتقاد بنانے کے بہترین طریقے اختیار نہ کئے۔ چودہ برس کی عمر تک تو میں پکا و مدت پسند رہا لیکن اس کے چار سال بعد میرا اعتقاد بتدریج متوازن ہونے لگا۔ سب سے پہلے انسانی اعتقاد میں میرا اعتقاد جاتا رہا پھر بقا میں پھر خدا میں یہاں تک کہ میں نے سمجھت کو قطعاً ترک کر دیا *

اس حالت میں میں کیمبرج کی یونیورسٹی میں تعلیم پانے گیا جہاں پہلی بار میں ایسے لوگوں سے ملا جن سے میں اُن امور کے متعلق گفتگو کر سکتا تھا جن میں مجھے دلچسپی تھی۔ یہاں میں نے فلسفہ سیکھا، دوسروں کے موسم میں نے برلن میں گزارے۔ جہاں میں نے معاشیات کا مطالعہ کیا، پھر ایک زمانہ ایک یونیورسٹی کا لکچرر بننے کے بعد کچھ عرصہ میں نے فلاسفس کے ماہرین آرٹ کی حجت میں گزارا۔ اخیر میں میں اپنے دیہاتی گھر میں جا کر محکم ہو گیا۔ اس خیال سے کہ گیارہ برس کی عمر سے جو خواہش مجھے ریاضی کے اصولوں پر ایک ضخیم کتاب لکھنے کی تھی اُسے پورا کر دوں *

اوائل عمر کے اُس زمانے میں مجھے ایک بڑا عجیب اور اہم تجربہ ہوا۔ میرا بھائی جو مجھ سے سات سال بڑا تھا مجھے اقلیدس سکھانے پر آمادہ ہو گیا۔ مجھے اس سے بہت خوشی ہوئی کیونکہ مجھے بتایا گیا تھا کہ اقلیدس چیزیں ثابت کرتا ہے اب مجھے امید بندھی کہ آخر مجھے کچھ محسوس علم حاصل ہو گا۔ مجھے اپنی وہ مایوسی ہمیشہ یاد رہے گی جب میں نے دیکھا کہ اقلیدس اپنے علم کی ابتداء

مفروضات سے کرتا ہے۔ جب میرے بھائی نے اقلیدس کا پہلا مفروضہ پڑھا تو میں نے کہا کہ کوئی وجہ نہیں کہ میں اسے مان لوں۔ اس پر اس نے مجھے صاف جواب دیا کہ اس صورت میں اس کی تکمیل بیکار ہے۔ اس طرح اڑتیس سال کی عمر تک مجھے براہِ یقینی علم کی تلاش رہی۔ اسی لئے میری وجہِ سب سے پہلے ریاضی کی طرف مبذول ہوئی۔ میرے کام کا سارا نتیجہ صرف علمِ حساب میں چند ٹھکرک پیدا کرنا تھا جو پہلے پیدا نہ کئے گئے تھے۔ مجھے یقین ہو گیا اور ابھی تک یقین ہے کہ میرا طریقہ درست ہے۔ لیکن جو علم اس سے حاصل ہوتا ہے وہ محض اغلب ہے اور اس قدر صحیح و معین نہیں جیسا کہ مادی النظر میں معلوم ہوتا ہے +

اب میری زندگی کی راہ بدل گئی۔ میں نہ چاہتا تھا کہ میں محض موجودات میں نہمک رہوں۔ اسی زمانے میں جنگِ عالمگیر چھڑ گئی اور اب میں نے بغیر اسے شک و شبہ کے جان لیا کہ مجھے کیا کرنا ہے۔ میں عمر بھر کبھی کسی کام میں اتنا نہمک نہیں رہا جتنا اُس صلح پسندانہ کام کی نشر و اشاعت میں جو میں نے جنگِ عظیم کے دوران میں کیا۔ شک و شبہ مجھے تنگ نہ کرتا تھا۔ عمر میں پہلی بار مجھے ایک ایسا کام ملا جس میں میری ساری فطرت مصروف کار ہو گئی +

عقلی دیانت داری کی وجہ سے یہ ناممکن ہو گیا کہ میں کسی شریکِ جنگ قوم کی اُن گتوں پر یقین کر لوں جو جنگ کے جواز سے متعلق ہیں۔ علماء کا معاشرہ میں اگر کوئی کام ہے تو وہ فقط یہ ہے کہ وہ جوش و خروش کے اوقات میں سرمدِ مزاجی اور بے نقشبستی سے اپنی راستے قائم کریں۔ لیکن میں نے یہ پایا کہ اکثر علماء کو صرف امن و امان کے وقت میں عقل کا کوئی مصروف نظر آتا ہے۔ میں نے یہ دیکھا کہ وہ لوگ جو شروع شروع میں جنگ کے محاذ سے دو گھر پر مقیم رہے وہ جنگ سے خوب لطف اٹھاتے رہے جس سے ظاہر ہو گیا کہ انسانی فطرت میں کتنی زیادہ نفرت اور کتنی خور و می انسانِ الفت موجود ہے اور یہ بلاشبہ ہماری موجودہ تعلیم کا نتیجہ ہے۔ میں نے یہ بھی دیکھا کہ کفایتِ شعاری، محنت، افادۂ عام کے لئے جوش کیونکر ان عام نیکیوں سے باہمی قتل و غارت کے کام میں زیادہ توانائی پیدا ہو کر جنگ کی بلائے عظیم میں مستعد ہوا نہ گیا مجھے ڈر تھا کہ شاید یورپی تہذیب فنا ہو جائے اور اغلب ہے کہ یہی نتیجہ ہوتا اگر جنگ ایک سال تک اور بڑھ جاتی۔ لوگوں میں وہ پہلا سامن کا احساس جاتا رہا لیکن جو نصب العین ہمیشہ سے میرے سامنے تھے وہ میں نے نظر انداز نہ کئے۔ نوجوانوں میں سے اکثر نے مایوس ہو کر کلیتہً دستہ را اختیار کر لیا ہے لیکن کبھی قطعاً مایوس نہیں ہوا اور اس لئے مجھے ہمیشہ یقین رہا ہے کہ بہتری کا راستہ ہنوز نوعِ انسان کے لئے کھلا پڑا ہے!

گزشتہ پندرہ سالوں میں جو کچھ بھی میں نے سیاسی معاشری اور اخلاقی مسائل پر لکھا ہے وہ سب اُس ہیجان کا نتیجہ ہے جو جنگ کے پہلے دنوں میں میرے دل میں اٹھا اس خیال سے کہ سیاسی رشتہ دو ادیان یا معاشی اسباب ہی جنگ کے ذمہ دار تھے میں متفق نہیں ہوں۔ میرے نزدیک جنگ کی زیادہ تر یہ وجہ ہوتی ہے کہ لوگ جنگ کرنا چاہتے ہیں اور پھر اپنے

آپ کو یقین دلاتے ہیں کہ جنگ اُن کے لئے مفید ہے۔ پس اہم ترین سوال یہ ہے کہ لوگ جنگ کیوں کرنا چاہتے ہیں؟ اس کا جواب دینے کے لئے پہلے بہت سے ادبیات کی طرف توجہ کرنی پڑتی ہے مثلاً ظلم و ستم کا عام جذبہ اور اس کی تاریخی ابتدا اور پھر نفسیات کا مطالعہ اور تعلیم کے نظریے کی جانچ پڑتال +

ان مسائل پر غور و خوض کرنے سے میں نے اپنا ایک خاص فلسفہ زندگی وضع کیا ہے اور اس کام میں محض یہ خواہش میری رہنمائی کرتی رہی ہے کہ قدرت نے انسان کی فطرت میں جو خواص رکھے ہیں اُن کو مد نظر رکھتے ہوئے کوئی ایسا طریقہ تلاش کیا جائے جس سے لوگ آپس میں مل جل کر خوشی سے زندگی بسر کریں اور ایک دوسرے کی بربادی اور ذلت کے درپے نہ رہیں۔ میرے معاشری فلسفے کا اصل الاصول نفسیات کی اہمیت ہے اور یہ طرز خیال کہ معاشری ادارات کی اچھائی بُرائی کا اندازہ محض انسانی فطرت پر اُن کے اثرات کو دیکھ کر کرنا چاہئے۔ جنگ عظیم کے دوران میں تمام مشہور نیکیوں سے وہ کام لئے گئے جو میرے نزدیک انصاف تھے۔ لوگ شراب صرف اس لئے نہ پیتے تھے تاکہ وہ گولے بنا سکیں۔ وہ دن رات کام میں مصروف رہتے تھے تاکہ جذبہ سوسائٹی کو تباہ نہ کر سکیں۔ حالانکہ فقط اس سوسائٹی کے ہوتے ہوئے کام کا کوئی مصروف یا مدعا ہو سکتا ہے۔ ہشیدہ امراض پہلے سے زیادہ بری خیال کی جاتی تھیں محض اس لئے کہ صحت پر اُن کے بُرے اثرات کی وجہ سے دشمنوں کو زیادہ فائدہ میں قتل نہ کیا جاسکتا تھا۔ ان سب باتوں کو دیکھ کر مجھے یقین ہو گیا کہ اخلاق کے قواعد خود اوہ کیسے اعلیٰ اور کتنے ہی کیوں نہ ہوں کبھی اعلیٰ نتائج پیدا نہیں کر سکتے جب تک لوگوں کے آگے کوئی اعلیٰ نصب العین بھی موجود نہ ہو +

یوں ”صلح پسند“ ہونے کے باعث مجھے قوم کے مقاصد اور اخلاق کی طوعاً و کرہاً مخالفت کرنی پڑی حالانکہ میں اخلاق کا مخالف نہیں ہوں۔ میرا رویہ فقط یہ ہے کہ کسی قسم کے اخلاقی اصول محبت کی جگہ کام نہیں دے سکتے اور جہاں محبت پر خلوص ہو اگر وہ غرض کے دوش بدوش چلے تو وہ خود بخود ایسے اخلاقی اصول وضع کرے گی جو معاشرہ کے لئے ضروری ہیں۔ ”محبت“ کا لفظ کثرت استعمال سے فرمودہ ہو گیا ہے پس ضرورت ہے کہ اس کا صحیح مفہوم قائم کیا جائے۔ غور کرو کہ جانوروں میں بھی دو قسم کے جذبے موجود ہیں کشش کا جذبہ اور خوف کا جذبہ۔ دونوں بقائے نسل کے لئے ضروری ہیں لیکن اس قدر طویل اوقات کے بعد ضرورت نہیں رہی کہ انسان اب خوف کے جذبے کو اُسی حد تک اپنی زندگی میں جگہ دے۔ اب اُسے بات بات میں جوشی جانوروں یا قدرت کی دوسری طاقتوں سے ڈرنے کی ضرورت نہیں رہی و اتنا یہ ہے کہ سب سے خوفناک اور خطرناک جانور جس سے آج کل انسان کا پالا پڑتا ہے خود انسان ہی ہے۔ انسان انسان سے خوف کھاتا ہے اور اس کی وجہ محض خیالی خوف کا جذبہ ہے مشہور ہے کہ بچاؤ کی بہترین صورت حملہ کرنا ہے پس لوگ اکثر دوسروں پر حملہ آور ہوتے رہتے ہیں محض اس لئے کہ انہیں ڈر لگا رہتا ہے کہ کہیں دوسرے اُن پر حملہ آور نہ ہو جائیں۔ اسی خوف سے بے اعتباری اور نفرت اور حسد اور بغض اور تمام اس قسم

کی برائیاں پیدا ہوتی ہیں۔ اگر ہم چاہتے ہیں کہ اُس طاقت و اختیار سے جو ہم نے اپنے علم کے ذریعے سے قدرت پر حاصل کیا ہے۔ ہم پورا فائدہ اٹھائیں تو لازم ہے کہ ہم اپنے خیالات و جذبات پر قابو حاصل کریں، بجائے غلام کے عاجزانہ اور غصہ آئیز خوف کے ہمیں اپنے نفس میں ایک آفاقی سیمپٹن خود داری پیدا کرنی چاہئے۔ اس کے یہ معنی ہیں کہ ہمیں شش کے جذبہ کو بڑھانا اور مراجعت کے جذبے کو کم کرنا چاہئے۔ طبعیات کی ترقی سے اب یہ ممکن ہو گیا ہے کہ اگر سمجھدار آدمی تعاون و تعامل سے کام لیں تو وہ تمام نوع انسان میں معاشی بہتری کی صورت پیدا کر سکتے ہیں۔ بین الاقوامی حکومت، کاروباری تنظیم اور ضبط تولید دنیہ کہ وہمہ کے لئے ایک آرام گاہ بن سکتی ہے۔ ہمیں نہیں کہنا کہ ہر شخص قارون بن سکتا ہے لیکن ہاں ہر شخص کو دنیا کی اتنی متاع مل سکتی ہے کہ اگر وہ سمجھدار ہو تو خوش رہ سکے۔ پھر جب غربت و بیکسی کا مسئلہ حل ہو جائے تو انسان باسانی تمدن کے تخلیقی فنون میں منہمک ہو سکے، سائنس کی ترقی ہو، بیماریوں میں کمی ہو، موت کا التواء ہو اور ان تمام مہیجانات کی نشوونما جن سے سچی خوشی پیدا ہوتی ہے۔ ایسے خیالات کیوں محض خیالی اور فضول معلوم ہوتے ہیں؟ اس کی وجہ انسان کی اصلی فطرت کے اندر موجود نہیں۔ بلکہ اس کی وجہ ہماری روایات ہماری تعلیم اور ہمارے ماحول میں مضمر ہے۔ مثال کے طور پر بین الاقوامی حکومت کو۔ ہر شخص اس کی ضرورت محسوس کرتا ہے لیکن قومی جذبات سد راہ ہیں۔ ہر قوم اپنی آزادی پر فخر کرتی ہے اُس کے لئے مرنے کو تیار ہے۔ اپنی قوموں کی طرف ہمارا رویہ نفرت و کدرا گشتی کا ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ اجنبی اپنے گھر میں اچھا آدمی ہو گا مگر وہ ہمارے گھر میں کیوں دخل دے۔ نالشی کے عہد نامے، کیلنگ صلیحانے وغیرہ یہ سب ٹھیک ہیں مگر ہر شخص جانتا ہے کہ اُسے وقت میں یہ کام آنے والے نہیں +

دنیا میں امن و سلامتی کا دور دورہ نہ ہو گا جب تک قوموں کے مابین بھی وہ قواعد نافذ نہ کئے جائینگے جو اب تک ایک ملک یا قوم کے اندر رائج ہیں یعنی کسی تنازعہ میں زور و قوت کا استعمال طرفین کی طرف سے نہ ہو بلکہ محض ایک ایسے غیر جانبدار کی طرف سے جو کافی تقیض کے لئے ملکہ قوانین کے مطابق اپنا فیصلہ صادر کرے۔ جب تک دنیا کی ساری قومیں ایک عالمگیر حکومت کے تحت میں کام نہ کر نہ لگیں دنیا کی حالت نہ سدھرے گی +

معاشی تنازعات کی وجہ بھی خوف ہے، طاقت حاصل کرنے کی خواہش فی الحقیقت خوف ہی کی ایک شکل ہے۔ مرد و عورت کے تعلقات میں بھی مرد و عہد اخلاق خوف پر مبنی ہیں۔ مرد کو عورت پر، عورت کو مرد پر حقوق صرف اس لئے دیئے جاتے ہیں کہ بصورت دیگر ان کے مال و جائیداد کے کھوئے جانے کا کھٹکا رہے گا۔ اس کا سبب رشک و حسد کا منفی جذبہ ہے نہ کہ محبت کا مثبت جذبہ۔ یہی حال تعلیم کا ہے وہ مثبت جذبہ جسے تعلیم کا محرک ہونا چاہئے تبس ہے لیکن نوجوانوں کے تبس کی بات بات میں مثلاً مرد و عورت کے سکسے میں، دنیاویات کے بارے میں، سیاسی خیالات میں بلا تامل سرکوبی کی جاتی ہے۔ یہ سب کچھ

امن و سلامتی کی مسلسل تلاش کا نتیجہ ہے اور یہ تلاش فضول خوف سے پیدا ہوتی ہے۔ خوف فضول اس لئے ہیں کہ دُنیا سے حاضرین اگر ہم اپنی معاشرہ میں بے باکی اور محض کوہِ بیش از بیش داخل ہونے دیں تو وہ خود بخود امن و سلامتی پیدا کر دیں گی۔ ایک بہتر و بلند دُنیا کا راستہ ہمارے سامنے کھلا ہے۔ یہ کچھ تو اجتماعی سیاسیات میں سے اور کچھ انفرادی مساعی میں سے ہو کر گزرتا ہے۔ سیاسیات میں سب سے اہم شے ایک بین الاقوامی حکومت کا قیام ہے اور یہ میرے خیال میں دُنیا کی حکومت کے عالمگیر ہونے سے عمل میں آسکتا ہے۔ فرد کے متعلق سوال یہ درپیش ہے کہ اُسے خوف و نفرت سے پاک صاف کیا جائے اور یہ بات کچھ جہانی اور کچھ نفسی امور پر مبنی ہے۔ دُنیا میں بہت سی نفرت سوئے مضمر اور غدود کے ناقص عمل سے ظہور میں آتی ہے۔ اور یہ جوانی میں جذبات کے دباؤ اور غلط ضبط کا نتیجہ ہوتا ہے۔ ایک ایسی دُنیا میں جہاں نوجوانوں کی صحت کی مکافقت نگہداشت ہو اور اُن کے زندہ بچانے کو اُن کی اور دوسروں کی صحت کا دھیان رکھ کر بچھونے پھینے دیا جائے۔ دہاں مرد اور عورتیں بہ نسبت حال کے زیادہ دلبر اور کم کینہ و درہونگے۔

ایسے انسانوں سے ایک بین الاقوامی حکومت کے ہوتے ہوئے دُنیا بھی مضبوط اور متوازن ہو سکتی ہے۔ اس کے برعکس ہماری موجودہ نفسی حالت اور سیاسی تنظیم کے ساتھ طبعی علوم کے ہر اضافے پر بدن کی تباہی و بربادی قریب تر آتی جاتی ہے۔

تھیوڈور ڈرائیئر

(امریکہ کا ایک مشہور ناول نویس ہے)

مجھ سے یہ سوال کیا گیا ہے کہ دُنیا اور انسان کے متعلق اپنا ایمان بیان کرو۔ یعنی بجائے ماوی کے (میں نہیں جانتا آدمی کیا ہے؟) ایک روحانی (کاش کہ میں یا کوئی اور بھی جانتا کہ اس لفظ کے کیا معنی ہیں؟) آخری وصیت کر دو! اور چونکہ عمر بھر میں نے اس امر پر اپنی عقل و ذرا ئی ہے کہ میں اس دُنیا میں کیوں ہوں۔ نیز اپنی تمام سنجیدگی و متانت، جذبات، مساعی، اعتقادات اور آلم غلم جن میں میں وقتاً فوقتاً منہمک رہا۔ ان سب کے (کم از کم میرے نزدیک) درد انگیز انجام پر غور کیا اس لئے میں یہ کہیں کہ میں اپنے دُشمنوں کے لئے اس کا انجام محض نفی ہے۔ کیونکہ اُسے حاضرین و حاضراتِ با صاف صاف بات یہ ہے کہ میں متوازن نہیں باتوں پر غور کرتا رہا ہوں۔ زندگی کا معما، اس کا اذیل ہونا، زندگی کا حسن، ظلم، ستم، نزاکت، جہالت وغیرہ وغیرہ میرے خیالات زیادہ تر انہیں چیزوں سے متعلق رہے اور ادب سے یا غصے یا استہزا پر جیسا جیسا وقت یا حالات تھی نہیں سے غور کیا اور عالمگیر قوت سے بزورِ سحر بھی کیا کہ ”کیوں؟“ لیکن اب مجھے

طبیعیات دان اور حیوانیات دان بتاتے ہیں کہ یہ کیوں "ہو یہی نہیں سکتا بلکہ صرف ایک کیسے؟ کیونکہ جب ہم جان لیں گے۔
"کیسے؟ تو پھر یہ "کیوں" خود بخود حل ہو جائے گا۔

لیکن باوجود اس سب کچھ کے اس وقت میں یہاں بیٹھا ہوں قلم میرے ماتھے میں ہے اور میں ایسے موضوع پر جلد
جلد کچھ لکھ رہا ہوں جس کے متعلق دراصل میں کچھ بھی نہیں جانتا اور طوطا یہ ہے کہ کوئی اور بھی اس کے متعلق مجھے کچھ نہیں
بتا سکتا اور پھر بھی جانتا چاہتا ہے کہ "کیوں؟" یہ آسان ہے کہ میں کسی مذہب کی طرف مڑے موڑوں اور سن لوں کہ خدا از وہ
ہے اور سلسلے ہے اور عقل و خیر کا مالک و منتہا ہے اور اگر ہم کافی منکسر المزاج اور متعصبی ہونگے تو وہ ہمیں ایک زیادہ شاندار دنیا
میں پہنچا کر نجات دے گا۔ گو میں یہ سمجھنے سے بالکل عاری ہوں کہ اُس نے ہم جیسی غصیلی اور نفو مخلوق کیوں بنائی یا وہ بے شمار
کیمائی اور طبیعی عمل جن سے ہم مرکب ہیں کیوں گھڑے اور پھر اس مخلوق کو نجات دینے کی ٹھانی۔ کیا تہذیب ہوتا کہ وہ کبھی پیدا
کرنے کی تکلیف ہی نہ اٹھاتا تاکہ اس طرح اُسے بھی ہمیں نجات دینے والے کی زحمت نہ اٹھانی پڑتی!

لیکن صرف یہی نہیں۔ میں صرف حیران نہیں ہوں بلکہ اُس خالق کی مخلوقات کی تعداد، اختلاف اور کثرت نے
مجھے مبہوت اور گم سم سا بنا دیا ہے یا اگر کوئی ایسا خالق نہیں ہے تو پھر طبیعیات دان اور کیمیا دان کی "بے ارادہ میکینک" نے
جو نقطہ موجود ہے اور مصروف عمل ہے لیکن بغیر عمل کے کسی ارادے کے، ایک نامیائین با اس ہمدغیر فانی توانائی جس کی قوتیں
اور صفات انتہا درجہ حیرت انگیز ہیں لیکن جو قابل فہم ارادے سے قطعاً عاری ہے۔ ایک تمدن مکان یا موٹر کار میں بیٹھ ہوئے
ایک تمدن بازار یا عمارت میں سو بیٹھ ہوئے، وہ کچھ دیکھتے ہوئے جو ظاہر ارادہ، سمت منائی، ترتیب عقل ہے اور اوکریا کیا
صورتیں اور آلات جن سے حفاظت اور صیانت کی جاتی ہے اور تفریح اور تعلیم بھی دی جاتی ہے، میں نہیں کتا کہ اس خالق
یا اس نامیائین میکینک کی تمام ایجادات بلکہ صرف ایک — انسان، اسے دیکھ کر ہی کوئی کیوں نہ چیخ اٹھے بلکہ صراحت
بھی کرے کہ یہ دیکھو ترتیب اور عقل یہاں مصروف عمل۔ بلکہ کوئی یہ بھی کہہ سکتا ہے کہ دیکھو یہ ہے ایک انتہا درجہ دانش مند
عقل کا صریح کارنامہ۔ دانش مند لیکن کچھ ناہیران کر کیا انسان کی اپنے اور اپنے ساتھیوں سے متعلق بعض ہمیں اور نہ ہائیا
(اسی اُس کی اپنی جنس کے یا دوسرے) صاف ظاہر نہیں کرتیں کہ مہربانی یا ملاحظت کو ممکن ہے وہ ایک جنس کے فرد کی
فطرت کا یا کم از کم دوسری جنس سے اُس کے تعلق کا ایک ذرا ساجز و ہو لیکن کل ہرگز نہیں۔

کیونکہ تم جلد دیکھ لو گے کہ یہاں انسانوں کے درمیان یہ چیزیں زور شور سے اور عجیب تریں بات ہے کہ علما جاری ہیں۔
کیا؟ ظلم و ستم، حرص، خود پسندی، شہوات، پیٹوین، جھوٹی شہادت، رشک اور نفرت اور اُن کی لڑائی ہوئی لڑائیاں
قتل و نقصانات اور اموات اور اوصاف بھی جو ممکن ہے زیادہ قابلِ تعریف ہوں یعنی دوستی، اُلفت، تولیف و توصیف، خیرات،

فیاضی وغیرہ — اگر واقعی یہ صفات عموماً انسانی نفس کی من گھڑت یا غریب وہ کارستانیاں نہیں یا عالمگیر زندہ قوت کی یاخون کی رو کی باوجود کچھ بھی وہ ہے جو ہمیں ان عجیب و غریب اور شاید ہمارے اپنے لئے قابل تفریق صورتوں اور شکلوں میں جن میں ہم اپنے آپ کو پاتے ہیں مصروف کار رکھتی ہے۔ کیونکہ دوسنوا (اور حق بات یہ ہے کہ میں خود حیران ہوں کہ مجھے لازماً اس نتیجے پر پہنچنا پڑتا ہے کہ) میں زندگی کو نہ محض ایک بدلنے رہنے والا اور اس لئے کسی بات میں سمجھ میں آسکے والا کل غریب یا سراسر سمجھتا ہوں بلکہ وہ قطعاً عارضی اور ہمیشہ بدلنے اور ہمیشہ اڑن چھو ہونے والے اور زیادہ تر مضحکہ خیز اور لئو مصفا ایسے لئو صیے میں نے کبھی نہ دیکھے نہ سنے غرض زندگی ایسے ہی مفاد کی ایک انتہا درجہ حیرت انگیز جگہ بازی — اور یہ مفاد زیادہ سے زیادہ یہ کام دیتے ہیں کہ اُن سے یہاں بے شمار خود غرض، خودست اور ظالم عضوی اجسام برقرار ہیں۔ جن کا تنہا اور مخصوص کاروبار ایک دوسرے کو مار پیٹ کر صیابے — بس یہی اور صرف یہی ہے اُن کی زندگی اور کچھ بھی نہیں۔ خواہ یہی ہو کہ ایک دوسرے کے بال ہی ٹچ ڈالیں بس فقط یہی!

کیونکہ انسان کا بجز اس کے اور مقصد ہی کیا ہے کہ دوسروں کو مار پیٹ کر کھائے اور پیئے اور مزے اڑائے غصوٹا سا یا زیادہ ۹ اور جب تم حیوانات اور نباتات کے دائرے میں جانکوجس دائرے کا انسان اپنے حملہ و اندفاع کے وضع کردہ طریقے سے سمجھا جاتا ہے کہ مالک و مولیٰ ہے تو وہاں بھی کس قسم کا مقصد یا مقاصد نظر آتے ہیں؟ محبت؟ نسل کی افزائش یا فرد کی تولید کے لئے — ہاں ضرور — لیکن اگر سوال فرد جس کی تولید کے سوا تمام دوسری جنموں کے افراد اور تولید کا ہے تو — ہرگز نہیں! اور یہ سمجھنا کہ کیسے یا کیوں — تو اس سے حاصل؟ بھلا کیا کسی کو علم ہے کہ انسان کے علاوہ کوئی اور مخلوق بھی سمجھتی یا کچھ خود کرتی ہے؟

جو کچھ ہیں صاف نظر آتا ہے وہ ہے صرف پیدائش اور موت — کیمیائی اور برقی طبیعیاتی علویں کا ایک نتیجہ جس کا لے دے کر ہمیں خاک بھی علم نہیں۔ اور اس کے علاوہ — قتل و غارت، زندگی کو لقمہ بنائے ہوئے، فرد ہر دوسرے کو مار پیٹ کر زندہ و نابندہ اور نہ مرنے کا ثنائی۔ اور پھر حُسن، حُسن جو بجائے کسی اور شے کے اس باہمی اس قطعاً سفاکانہ جنگ و جدال سے زیادہ نشو و نما پاتا ہے۔ اور باایں ہمہ حُسن، حُسن — کم از کم انسانی نگاہوں میں یہ سارا عمل جمالیاتی نتائج ضرور پیدا کرتا ہے خواہ دورانِ عمل میں اس حُسن کا اتنا ظہور نہ بھی ہوتا ہو +

اس کے عکس اگر میں ان باتوں سے مٹنے پھیر کر طبیعیات دانوں اور حیوانیات دانوں یا سارے سائنس کی طرف بھی رخ کروں تو میں فی الفور تقریباً اتنا ہی حیران و مبہوت و ششدر ہو جاتا ہوں۔ کیونکہ یہاں کو میں ایک ایسی دنیا کو ضرور دیکھتا ہوں جس کے خیال نہ سہی دعوے اُجھان تک ممکن ہے طبیعیاتی یا کیمیائی دنیاؤں میں یا اُس تیسری دنیا میں جو ان دو کے ملاپ

سے بنی ہے یعنی حیاتیاتی دائرہ ان میں جہاں تک ممکن ہے ثابت شدہ تجزوں پر قائم ہیں۔ تاہم میں دل ہی دل میں عین اسی طرح جہالت میں ڈوبا رہتا ہوں۔ کیونکہ جیسا کہ میں کہہ چکا ہوں یہاں ”کیوں“ کوئی ہے ہی نہیں صرف ایک ”کیسے“ ہے اور اس ”کیسے“ کی اولین بنیاد بھی معلوم نہیں۔ بلکہ اس کی بجائے صرف ایک کیمیائی طبیعیاتی عمل ہے جس میں انتہائی مشاہدے اور تطابق کی ضرورت ہے لیکن جس میں یقین خاک نہیں کہ اس کا نتیجہ سوائے ”کیسے“ کے ایک نہایت محدود علم کے اور کچھ بھی نکلے گا۔ جس سے اگر کبھی کافی معلوم ہو بھی جائے تو بس یہی کہ ”وہ کیوں؟“ بالکل میا میٹ ہو جائے!

لیکن اب مجھے ذرا یہ کہنے کی اجازت دو کہ میرا مدعا ضرورت سے زیادہ ”اصطلاحی“ ہو جانا نہیں ہے اور یقین جاکو کہ میں اس کی کوشش بھی نہیں کرتا رہا۔ بلکہ میرا ارادہ تو محض یہ ہے کہ میں ایک ایسی دنیا کے متعلق اپنے خیالات کا اظہار کر لوں جو میرے لئے فہم سے بالاتر ہے خواہ کوئی طبیعیات دان ہو یا نہ ہو خواہ کوئی حیاتیات دان ہو یا نہ ہو۔ اور جہاں تک ہمیت، تاریخ، جمادات، علم المعاشرت ان کا تعلق ہے میری رائے یہ ہے کہ ہم کہتے ہیں یا مشاہدہ کرتے ہیں اور پھر چند قوانین اخذ کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور بس۔ کیونکہ ہمارے پاس تو فقط ہمارے پانچ کمزور پھوٹے سے حواس ہیں اور ان کی مدد سے ہم گزشتہ پانچ ہزار سال سے برابر تفتیش کر رہے ہیں اور ڈینگیں مارتے ہیں۔ اور اس سب کچھ کا ممتا اور جمالیاتی سُن ہمیں سراب کی طرح اپنے پیچھے لئے چلا جاتا ہے۔ لیکن مجھے تو حیرت اس بات پر ہے کہ انسان اپنی زندگی کی ہر گھڑی میں اور بھی زیادہ حیرت زدہ اور شندہ رکھیں نہیں ہو جاتا اور اپنی روزانہ ضروریات سے زیادہ کنارہ کش بھی کر لیں نہیں ہو جاتا کہ بدھ کی طرح ایک درخت کے نیچے آس جا کر حیرت اور تحیر سے ٹکٹکی باندھے ہوئے اپنے ارد گرد کی قطعاً دور از فہم دنیا کو دیکھے اور دیکھتا رہے!

کیونکہ یہاں ہوں میں جیسا کہ میں تم کو بتا رہا ہوں نیویارک میں بروڈوے اور سٹادونز بازار کے کونے پر۔ اور دنیا یا کم از کم ہماری امریکی دنیا کا ایک نمونہ میرے سامنے چلا جا رہا ہے۔ ”بس گاڑیاں، موٹر کاریں، آدمی، عورتیں، لڑکے، لڑکیاں، اشرف المخلوق انسان جو قدرت کے سرفرانہ اور شاید عقل آمیز عملوں کے اندر کامیاب یا ناکام مان ہوئے ہیں یا آدھے کامیاب یا آدھے ناکام رہے ہیں۔ جو کچھ بھی ہو یہاں ہیں یہ! اور اب جو بات میں خاص طور پر کہنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ یہ منظر ہمیت جمعی تاہاں، پر عجلت، دلچسپ اور پُر زور ہے۔ لیکن بائیں ہمہ پھر میں اپنے آپ سے پوچھتا ہوں۔ کس لئے؟ سوائے اس کے کہ ان میں سے ہر ایک فرو جو کام کی طرف، لطف اندوزی کی طرف یا خرافات یا نیکی یا گناہ یا کسی اور شے کی طرف ادھر ادھر بھاگ دوڑ میں مصروف ہے۔ وہ اس میں سے جسے وہ لطف و مسرت سمجھتا ہے کچھ نہ کچھ حاصل کر لیتا ہے یہاں نہ کہیں اور، اور اس خیال میں کبھی کبھی واقعی حاصل بھی کر لیتا ہے۔ لیکن یہاں سے سوائے سب کچھ ہے

اور یہ ”سالے“ کیا ہیں ؟ برق

سُبحان اللہ !

لیکن پھر نہیں یہاں بروڈوے اور ”ستاد نوں بازار“ کے کونے پر ہمزاس بھیڑ بھاڑ کو تکتا ہوا کونٹکا اور پوچھوٹکا کہ یہ برق یا یہ اولین توانائی یا کچھ بھی اسے کیئے کیوں اور کس لئے برقوں اور مقبتوں اور کٹوں کے رستے سے سالے اور رستے اور خانے بن کر اس عجیب و غریب مضطرب منظر میں تبدیل ہوئی ؟ — تیلیوں کا یا مٹرک تقویروں کا ایک قماش چس کے کیا منی ؟ زندگی میں چند لمحے اعتقاد یا خوشی میں ؟ خدا یا ابچا پو ! یہ ہیں اور بس یہی میرے سامنے اس روشن دن میں اس منظر کے معنی اور مجھے یہ بھلا لگتا ہے اور اچھا معلوم ہوتا ہے ۔

لیکن اب چلو ذرا افریقہ میں کانگو کے علاقے پر جانگاہ ڈالیں جہاں انہیں برقوں، سالوں، کٹوں کا ایک پھیلا ہوا نظارہ ہے ۔ وہاں بھی سب کام یا خوشی میں مشغول ہیں طوعاً و کرہاً — زہریلے ساپ، موزی کھٹی، مکڑا، خوشخوار شیر اور شیر برائے زہریلے اور خوشخوار کہ کسی مہربان طاقت کا خیال تک بھی پاس نہ پہنچے ۔ سب اُسی طرح، دوسروں کو مار پیٹ کر اور کھانچ کر جینے والے کتنی دیر تک ؟ چند لمحے یا چند سال ۔ اور اُس ”کیوں“ سے بالکل بے خبر سوائے شاید عنایت اور قناعت اور جھوک اور سیری کی ”کیوں“ کے ۔ یا یوں کیئے کہ ایک ”برقی“ یا ”ذاتی“ جہنم لیکن ترکیبی لحاظ سے بعینہ مطابق اُسی نیویارک کے نظارے کے یا حضرت بابا کے جسم کے یا ہاتھ کا گدھی کے جس کے متعلق خیال ہے کہ اُس کے وجود سے سب کے لئے صرف ملاطفت و معاونت کے خیال جاری و ساری ہوتے ہیں ۔

میں تو سمجھتا ہوں کہ زندگی ایک نہایت سخت اور خوفناک جنگ ہے جس میں کبھی کبھی تھوڑی دیر کے لئے خوشی کی ایک سچی یا جھوٹی جھلک نظر آ کر اس مصیبت کو ذرا کم کر دیتی ہے اور یہی اس باہمی جنگ و جدال میں سب کے لئے ایک لالچ ہے جو اُن کو ہمیشہ آگے کو لئے جاتا ہے ۔ تو کیا یہ ہے وہ جس کے لئے کائنات قائم ہے ؟ نہیں ہرگز نہیں لیکن ہماری اس ذرا سی دنیا میں تو یہی ہورہا ہے ۔ ایک اسی فقرے پر غور کرو ”خدا بادشاہ کو بچائے“ اور پھر غور کرو دنیا کے تمام گئے گزرے بادشاہوں پر ۔ شہوات، غور و نوش، تصنیع، قماشے، اوروں کی واہ دا — میرے خیال میں تو یہی وہ اہم چیزیں ہیں جن سے دنیا کو سر و کار ہے +

مجھے انکار نہیں کہ یہاں دلکش خوبیاں بھی ہیں، رنگ رنگ کے پھول سا بہ دار ٹہنیوں کے ساتھ، ایک سبز پہاڑی، ایک بادامی بستہ جس پر غروب آفتاب کی کرنیں پڑ رہی ہیں، ایک دوشیزہ اپنی مکر پر ہاتھ رکھے نور کے تڑکے آسمان کو منگتی ہوئی، ایک سمندر سورج کی کرنوں سے سونے کی طرح چمکتا ہوا، ایک خستہ چہرہ غم میں جھکا ہوا —

بس تیس خوشی میں غرق ہو جاتا ہوں۔۔۔ آسمانی جنتی خواب، ان کے ہوتے ہوئے کیا میں ایسی کائنات کا مقابلہ نہیں کر سکتا جس میں اگر لطف و رحم و دلنشندی نہیں ہے تو نہ سہی۔ اس جہالیاتی اصول سے مجھے اطمینان ہے گو میں ساتھ ہی ساتھ زندگی کے بظاہر بے حسنی مصائب سے پس بھی رہا ہوں +

براہمہ سیکھ کر تاپے و اُس کا نام کیا ہے؟ وہ کام کیا ہے؟ شہرت کیسی ہے؟ وہ کہاں ہے؟ وہ کیا چاہتا ہے کہ میں کیسے کیا کچھ کروں؟ وہ مجھ سے زیادہ کامیاب ہے یا کم؟ وہ مجھ سے زیادہ حسین ہے یا میں اُس سے؟ تشریف اُس کی زیادہ ہوتی ہے یا میری؟ یہ ہیں منظم انسانی سالموں کی عقل کی کاروائیاں۔ زبردست غیر فانی سالے ہیں اور یہ ہیں ان کے کردار و افعال کے نتائج! لیکن باوجود اس سب کچھ کے میں یا اس پسند نہیں ہوں اور مجھے اس امر کا اقرار بھی ہے کہ اس دُنیا میں دلچسپی کا عنصر ضرور موجود ہے اور یہ بہ نسبت مجموعی ایک مزیدار نشا ہے گو ترتیب و تنظیم کی رُہ سے اس میں تضاد و سراسر اب اور طرح طرح کی دیوانگیاں بھی ضرور ہیں۔ بھلا ذرا لمحے بھر کے لئے تھابوں کی اُن دوکانوں پر تو غور کرو جو ہر کو نے پر موجود ہیں جو قتلِ عمد کے ذریعے سے ریشمی لباس اور خطر لگانے والوں کی ہر گھڑمی تو اضع کرتے ہیں اور اُن کا جی خوش کر دیتے ہیں +

یہ نہیں مانتا ہوں کہ شائد تعمیرات، خوشنما پھول عظیم الشان پہاڑ، وسیع سمندر، ہنسی آج بچوں میں، سہیں جھیلیں، جنگلوں کی گنجائش خاموشی، پرندوں کا گیت، اُلفت و محبت، جس کی یہ ہزاروں صورتیں، زندگی کی وحشت و بربریت پر اپنے رنگ رنگے آنکھیں ڈالتی ہیں لیکن پھر اس آرائش و زیبائش میں مثلاً توہمات کی کچھڑ اور اُس کی بد صورتی ملاحظہ کرو کہ جو کسی کے خوف یا جہالت نے اُسے دکھا دیا وہ اُسے اپنے زور شور میں دوسروں کے آگے زندگی کا مٹا سمجھانے کو لے آیا +

نہیں تو اپنے آپ کو ایک بڑی مشین کا ایک چھوٹا سا سائہ سمجھتا ہوں۔ جب میں مرجاؤں گا تو میں ذرا ذرا سے ٹکڑوں میں تقسیم ہو جاؤں گا۔ شاید پھر میں عالمگیر قوت کا ایک جز ہو جاؤں لیکن کہیں بالکل گھٹلا ملا اور ہمیشہ کے لئے لمبا میٹ۔ اور میں چاہتا بھی نہیں کہ دنیا میں یہاں ہوں اُس شکل میں جسے جاؤں۔ میرا ایمان تو فقط یہ ہے کہ اپنے کام یا اپنی زندگی کے متعلق میں کچھ نہیں کہہ سکتا جس سے کوئی دلچسپی یا جس کی کوئی بھی سُود مندی ہو۔ زندگی میرے نزدیک فقط مہم توڑوں کا ایک بے معنی کھیل ہے جس کے متعلق کچھ کہنا فضول ہے۔ مختصر یہ کہ جو کچھ میں نے اس دُنیا میں دیکھا ہے اُس سے مجھے کچھ سمجھ میں نہیں آتا اور میں جیسا حیران و مبہوت یہاں آیا تھا ویسا ہی حیران و ششدر یہاں سے چلا جا رہا ہوں۔ اخیر میں چند نظمیں جو میں نے اپنی مختلف ذہنی حالتوں میں لکھیں پیش کرتا ہوں :-

ایک ہے "من کی موج" :-

سُورج اور پھول اور چوہے اور بادشاہ -

فوجیں اور برتے -
 مُرشد اور کیڑے -
 بیضے کے جراثیم -
 سینٹ فرانسس کی دُعا میں اور خواب -
 شیلے کا تاج ہوا -
 لائبریری اپنی بیس بیویوں کو قتل کرتا ہوا -
 بُرہ -
 اور مار کوئس دُساد -
 دس ہزار کروڑ
 قاتل اپنی کوٹھڑیوں میں بند -
 یا باہر سرگرداں -
 اور دس لاکھ شہداء اور اولیاء
 گاتے ہوئے اور مصروفِ عبادت -
 نیرو ہمیشہ ناز، کان گرانند
 اور میرے دردازے پر آبدیدہ سائل -
 دو کوڑی مانگتا ہوا -
 اور ثریا
 اور
 یہ تیز رو شعلہ
 جس کے ہوتے ہیں لکھ رہا ہوں -
 اور نضا -
 اور یہ چھوٹی ٹیسی گیند -
 جس پر ہم گھوم رہے ہیں -

تاہم میں پوچھتا ہوں اور پوچھتا ہوں اور پوچھتا ہوں۔
میں عبادت کرتا ہوں — خدا کی قسم —
جھک کر۔

میں عیسٰی اپنی ہاتھ اٹھاتا ہوں کہ مجھے کچھ پتہ چلے۔
پھر بھی تو جواب نہیں دیتا۔

یا

دینا نہیں چاہتا۔

یا

دے نہیں سکتا۔

اے اب،

اب پھر،

میں تجھ سے منت کرتا ہوں۔

میں تجھے بلند آواز سے پکارتا ہوں۔

بول، تو بول!

کیا تو ہنسی اڑاتا ہے؟

تصنع کرتا ہے؟

غواب دیکھ رہا ہے؟

غصے میں ہے؟

کیا تو بھی میری طرح

مجبور دیکھ رہا ہے؟

کیا تو جانتا ہے؟

تجويز کرتا ہے؟

لڑتا ہے؟

چاہتا ہے ؟
 کیا تو گرتا پڑتا ہے ؟
 خواب دیکھتا اور حیران ہو جاتا ہے ؟
 کیا تو نفرت کرتا ہے ؟
 محبت کرتا ہے ؟
 رشک کرتا ہے ؟
 خوش ہوتا ہے ؟
 آؤ بھرتا ہے ؟
 آفر، مرجاتا ہے ؟
 میری ہی طرح ؟
 تو بھی ؟
 اے تُو سُورجوں اور بچوں اور بادشاہوں کے جوہر !
 دوسری نظم ہے ”جواب کے لئے“ یوں :-
 تاریکی،
 بارش،
 ہوا،
 اودیہ سر و منجد ندامتیں،
 جو اس وقت،
 میری دُوح
 کے اندر،
 باہر،
 میری زندگی کے دروازے،
 اُس کی بے وقوفیوں

اُس کی شکستوں کے خلاف -
چھتی چلاتی اور دوا دیا کرتی ہیں -

اور پھر،

اِس مصیبت کے خاتمے پر،

نہ بارش،

نہ سورج،

نہ دل کی لہر،

نہ اُمید،

نہ درد،

نہ زندگی —

پھر میں کہاں —

پھر میں کہاں —

دوبارہ

اپنے دل کو اُس کی دھڑکن،

اپنی رُوح کو اُس کا اپنا آپ،

اپنی زندگی کو اُس کی حرص دکھانے کے لئے،

پھر میں کہاں،

پھر میں کہاں پاؤں کا

یہ بارش

یا ہوا

یا تاریکی

یا دل کی لہریں

یا فضولِ ندامتیں

کہ اکسائیں
 اور ماتم کریں
 اڈر جنہیں چلائیں
 اور مجھے زندہ بنادیں ؟
 اور اس نثری نظم "معلق" ہے یوں :-
 دھڑکتے ہوئے تعلقات
 کا یہ شیریں لمحہ،

ہیاں —

اب —

پرندے،

چٹان،

پھول،

درخت،

جانور،

بارش،

خاموشی،

آواز،

گرمی،

سردی کے لئے —

یہ رفاقت

ہیاں اور اب

ہوا

اور سورج

اور کس قدر،

گیہوں،

طاقتوں کے ساتھ —

تنوع

اور کامل توازن میں

یہ مکمل پن،

لمحہ بہ لمحہ،

کُل کے ساتھ اتحاد کا احساس،

ساعت بہ ساعت،

نسل پر نسل؛

یہ بدلتی ہوا

اور پھر بھی نہ بدلتا ہوا آئین،

ناہک۔

یہ ایک دوسرے کو جواب،

تم —

میں —

تمام جامد یا متحرک

چیزیں،

خوشی میں،

درد میں،

جوش میں،

مائیوسیوں میں،

ہر ایک اور بھی،

جیسے کسی راگ میں ،
 جیسے کسی ہانسی گیت میں ،
 جیسے کسی فخریہ نعرے میں ،
 جیسے کسی دکھ کی بڑی سبکی میں ،
 یا بے اعتنائی کی آہ میں ،
 یا مقابلے میں ؛
 تم ،
 میں ،

تمام چیزیں —
 کس مستقبل کی طرف ؟
 کس ہمیشگی میں ؟

اپنے اس اعتقاد بلکہ عدم اعتقاد پر میں سب سے عذر خواہ ہوں لیکن باایں ہمہ اپنا اسلام نیاز پیش کرتا ہوں ۔

بشیر احمد

(باقی)

تسلّی سعی میں مضمر ہے نہ کہ تحصیل میں یکمل سعی مکمل فتح ہے۔
 (گاندھی)

جو شخص کچھ کر سکتا ہے کرتا ہے جو کچھ نہیں کر سکتا وہ تلقین کرتا ہے۔
 (برنارڈشا)

ایثار ذاتی آزادی کا سب سے بڑا ثبوت ہے۔
 (کامن ویلتھ)

کشتی کا اطمینان جو خود فریبی پر مبنی ہو پائدار نہیں ہو سکتا
 (برنارڈشا)

ناز کی نیاز مندی

شانوں پر کُفرِ زلفِ پریشاں لئے ہوئے
 ہا نہیں جمالِ خنجرِ عریاں لئے ہوئے
 موجِ نفس میں چشمہ جواں لئے ہوئے
 کافر گھٹا کی چھاؤں میں قرآن لئے ہوئے
 گردن کے کوچ میں خمِ چوگاں لئے ہوئے
 سر و چین میں دولتِ بستاں لئے ہوئے
 ہر آب و رنگِ عالمِ امکاں لئے ہوئے
 چہرے پر وہ شباب کا طوفاں لئے ہوئے
 عشقِ زمانہ سوز کا داماں لئے ہوئے
 آنکھوں میں التفاتِ فلواں لئے ہوئے

لو، آگیا وہ دعوتِ ایماں لئے ہوئے
 رقتار، شاخِ گلِ کامِ طاقی ہوئی غرور
 انکڑائیوں سے دل کی گرہ کھولتا ہوا
 بجھرتے مسحِ رُخِ رنگیں پہ کا کلیں
 ہر اک قدم پہ گوئے دو عالم سے کھیلتا
 قامت میں دلفریبی سر و چین نثراد
 بادِ شمالِ داہِ خیرِ امان و موجِ گل
 رُک جائے جس کے سامنے طغیانوں کی سانس
 دستِ حنا نوازیں بادِ صفِ ناز کی
 رخسار میں جلائے ہوئے شمعِ اختلاط

شیریں لبوں میں حرف و حکایت کے دلوئے
 شوخی پہ رازِ عشق کی سنجیدگی کا بار
 چہرے پہ صبحِ عشق و جوانی کی سُرخیاں
 جادو بھری نگاہ میں اک داستانِ غم
 آنکھوں میں عزمِ جامہ درسی، دل میں خوفِ خلق
 جاں نخبش و دلفریب زلیخائیوں کے ساتھ
 دل کی کھٹک کے ساتھ اٹھاتا ہوا قدم
 مڑگاں کی لرزشوں میں، لبوں کے خطوط میں
 ژولیدگی کا کلِ عنبر سرشت میں
 لہجے میں چوٹ کھائے ہوئے دل کی کرٹیں
 خود دوش پر اٹھائے ہوئے کائناتِ درد
 چشمِ سیہ میں دید کا سماں لئے ہوئے
 سنجیدگی میں پر تو یزداں لئے ہوئے
 آنکھوں میں شامِ خوابِ نیشاں لئے ہوئے
 غم کی جلو میں گردشِ دوداں لئے ہوئے
 پلکوں میں پارہ پارہ گریباں لئے ہوئے
 تابِ جمالِ یوسفِ کینعاں لئے ہوئے
 ملتھے پہ دودِ آتشِ پنہاں لئے ہوئے
 صدیچ و تاب و وقفہ ہاراں لئے ہوئے
 شرحِ درازی شبِ ہجراں لئے ہوئے
 آواز میں خراشِ رگِ جاں لئے ہوئے
 ہر دردِ کائنات کا درماں لئے ہوئے

نازِ جمالِ یار ہے لبِ تشنہ نیاز

اٹھ، جوش، اٹھ، متاعِ دل و جاں لئے ہوئے

جوش

بلبلہ ہے پانی کا

کیا بلبلہ کا مٹی کیا اس متقبل گر پانی میں بلبلے بنتے تڑپتے ٹوٹتے تڑپتے بعض فوراً ٹوٹ جاتے ہیں بعض کچھ دیر تیز سے نرلہر پسواری لطف اٹھاتے ہیں سوچ کی کرنوں کا رنگین جام بنتے ہیں دیکھنے والی نگاہوں کے لئے نقلمیں بن کر شاعری کرتے ہیں اور بلبلہ جب تک گر پانی ہے سوچ ہے اور نگاہیں ہیں غیر فانی ہے۔ دنیا میں بلبلوں کا کال نہ ہوا ہے نہ ہوگا۔
خود پانی کو کچھ علم نہیں بھلا تھا یہ وہ نہیں کہ کتنے بلبلے بنے کہاں بنے اور کیسے رہے کتنی دور چلے اور کیوں کھسے کہ بلبلہ مجبور ہو کر یہ سمجھ کر دریا اس کے لہو بنایا گیا ہے۔ اس سرنگوں تہی مخزکی زندگی کے بحر کا مدار ہی اُسی سمجھ رہے۔ اس اُلی سمجھ اس تار یک ٹوٹی طبع اس بلا کا ترجمان بننے کی ہوس بھی اسی بلبلے میں ہے۔

ہاں تو اسے اپنے آپ کو بھار مگر کر کے سمندوں اور آسمانوں کو باپ ڈالنے والے بلبلے سن! تیری غلطیوں پر تیری اُسی سمجھ پر تیری نشانہ ہے۔ تو دنیا کی آنکھ ہے تو نہ ہو تو دنیا اندھی بانجھ ہے اور کیوں تو یہ سب کچھ نہ ہو؟ کیا یہ مسئلہ نہیں کہ ہر راستی کا مورثِ اعلیٰ کوئی نہ کوئی ہتھان ہے۔ اے بلبلے! تو خود اپنے آپ پر ہتھان ہے اور یہی تیری شان ہے۔

سُن! سرنگول تہی مخزوں کی ذاتیں گن۔ ایک ذات وہ ہے جسے جو گن کہتے ہیں۔ جو انی میں حسین اور اگر گھلی ہو نقلی نہ ہو تو بڑھاپے میں بھی حسین اور خوش ادا۔ اس بلبلے کو راکھ سے اور راکھ سے پیار ہے۔ جو اسے چاہے وہ پہلے راکھ بنے پھر اچھے راگ کی طرح خاموشی میں ختم ہو جائے۔ بلبلہ اب کیا ب ہے وہ دریا نہیں بتتے جن میں یہ بلبلہ بنتا تھا، بتاتا تھا اور ٹوٹتا تھا۔ ایک ذات وہ ہے جسے سلین رومز کے یونان والی Helen کہتے ہیں یہ ہمہ تن نسیم بلبلہ اب عام ہے۔ گھر گھر میں انی کا راج ہے۔ یہ بلبلہ بھی منتشر رہتا ہے مگر ذہن آت مٹائے نہیں ملتی سمند میں دریا میں ندی میں موری میں سب جگہ اس ذات کا زور ہے جو نہیں ہیں وہ بھی بہن بننا چاہتے ہیں۔ نازک بلبلوں کی طرح بڑے بلبلوں میں بھی ایک ذات ہے اور ایک ذات بائرن۔ آج کل بدھ کیاب ہیں بائرن ملے سکتے ہیں۔

اے بلبلے! تو اپنی ذاتیں نہیں گننا؟ تیری خوشی مگر بھی تو اور بہت تھیں مثلاً چنگیز، ملک التبار، ڈاکو پیر، دزدے، حاکم سانپ، اڈیٹر یہ ذاتوں کا قصہ چھوڑا تیرے رنگ بھی چھوڑے مگر تیری رنگ لیاں کیسے عموں۔ اے بلبلے! بزار نہ ہو تو نہ زار نہ ہو مگر اپنے دریا سے بہتر نہ کر کیونکہ تجھے کمانی کہنے اور سننے کا شوق ہے۔ لے ایک ہلکے سے بلبلے کی موٹھری سُن خود اپنے خط میں لکھتا ہے

”پیارے! آوازوں کے لئے ہر وقت زندہ رہنا بھی اک گونہ مجبوری ہے اس لئے کبھی کبھی میں مری جاتا ہوں یعنی جان بوجھ کر تجھے یاد نہیں کرتا، تیرا خیال نہیں کرتا اور وہ کرتا ہوں جو تجھے ناپسند ہے۔ میرا مردہ بے انتہا خوار ہوتا ہے عقل کی باتیں کرتا ہے، دراندیشی کے لوگ بھرتا ہے، لوگوں کو نیک شوق کبھی تو می خدمت کے کبھی علمی و تدار کے کچھ خریدوں میں کچھ تقریریں میں پیش کرتا رہتا ہے۔ اگر اس حالت تک

کی سوانح نگاری شروع کر دوں تو کون سمجھے کہ روزانہ اخبار ہے قصہ مختصر اس میرے مُرے سے وہ کام ہوتے ہیں جن کا ہر مسلمان کو دیکھنا چاہیے اور کسی مسلمان کو توفیق نہیں مگر پیاری جب ہم اور تم دونوں ہوتے ہیں تو یہ دنیا ایک نئی دنیا بن جاتی ہے تم نئی سے نئی بات کہتی ہو میں پرانی سے پرانی بات ملاتا ہوں۔ تم کہتی ہو کہ Love محبت یہودی ہے میں کہتا ہوں کہ اس میں کیا شک ہے۔ تم کہتی ہو کہ مذہب ایک ظنی غیر ضروری وبال ہے میں کہتا ہوں کہ مذہب ایک ضروری ہوا ہے۔ اگر دنیا میں ایک ہی خدا کو پوجنے والے ایک دوسرے کے لہو سے یوں باغداد نہ رہتے تو ہم برا کئے کہتے؟ شکر کر دو کہ ابھی تک مذہب کا سرکس چل رہا ہے جب تم چپ ہوتی ہو تو تمہیں چھپنے کے لئے دی پرانی بات کہہ دیتا ہوں کہ اگر قدرت سے جو اکیلنا ہے اور اسے پرانا ہے تو صبح سویرے اٹھو اور نماز پڑھو نماز تمہاری جلی کر دوری ہے۔ نہ مانتے ہو تمہیں میںوں پڑھ دالتی ہو۔ جب تمہاری طبیعت حاضر ہوتی ہے تو تم کہتی ہو کہ شیطان کو نماز کا حامی اب پہلی دفعہ پایا۔ میں کہہ دیتا ہوں کہ پیاری یہی تو میری جدت ہے کہ شیطان انسانوں کو گمراہ کرتا ہے میں شیطان کو گمراہ کرتا ہوں اور اُسے مجبور کرتا ہوں کہ وہ لوگوں سے نیک کام کرے۔

اے بُلبُلے! اور کیا سناؤں؟ یہ قصہ ہیں تک ہے یہ دونوں بُلبُلے مٹ گئے۔ اے بُلبُلے اب کیا میں تیری خاطر چھوٹ بولوں؟ واقعی یہ دونوں بُلبُلے مٹ گئے۔ ان کو برا کہنے والے بھی مٹ گئے بعض غصہ سے پھوٹ گئے بعض رشک سے مٹ گئے یہ دونوں تو ایک دوسرے کو دیکھنے بھی نہ پائے تھے کہ ختم ہو گئے۔ اے بُلبُلے یہ مانا کہ جھوٹی کمائی و کچپ ہو تو غیر کچپ سچی کمائی کو بہتر ہے مگر میں اس سچ کو جھوٹ کیلئے کمہ دوں۔

اے بُلبُلے! تعجب تو یہی ہے کہ تیری نوع کے قصے لمبے میں عمریں چھوٹی ہیں۔ پیدا ہوا گویا مرے کے برابر ہے اور اس پر یہ لمبے لمبے قصے اور قصوں سے دراز تر غصہ کیا تو نے وہ غیظ و غضب کی داستان سنی ہے جو ایک خود پسند خود پرست بُلبُلے کے متعلق ہے۔ یوں تو سب بُلبُلے خود پسند خود پرست ہوتے ہیں مگر یہ جوشیلا بُلبُلہ مذہب کے نشہ میں چور فصاحت کا تپلا مقاب جس سے اختلاف ہوا اسے بدنام کر کے چھوڑا جب بدنام ہونے پر بھی بعض بُلبُلے چلتے پھرتے ہے تو اس جوشیلا بُلبُلے کے غیظ و غضب کی انتہا نہ رہی۔ پانی سے آگ ہو گیا پھر کیا؟ وہی ہوا جو بُلبُلے کی قسمت میں روزِ ازل سے لکھا ہے۔

”آدمی بُلبُلہ ہے پانی کا“ جس شاعر نے مصرع لکھا محض آدمی کی خوشامد کی حد نہ کہاں بُلبُلہ کہاں آدمی۔ منہ میں دونوں برابر ہیں۔ اپنی خوشی نہ آئے نہ اپنی خوشی چلے۔ ”مگر بُلبُلہ بُلبُلے کو کائنات نہیں، دستان نہیں، لوٹنا نہیں، ماننا نہیں، آدمی یہ سب کچھ کرتا ہے۔ کیا یہی اس کا شرف ہے؟“ آدمی بُلبُلہ ہے دوزخ کا، اگر کہا ہوتا تو قدرے نفلی کم ہوتی۔

اے پانی کے بُلبُلے! تیری مصیبت سے متاثر ہو کر وہ شب جو میرے دل میں ہے زبان پر لاتا ہوں۔ مجھے یہ شب ہے کہ نادری ہوتے ہوئے مجھ پر دوزخ کا بُلبُلہ نادری نہ رہے گا ورنہ بن جائے کیونکہ تیری کچھ کچھ جھلک اس میں ضرور ہے جو تجھے دیکھ کر گرجو تجھے چاہے گا۔ وہ میرے ان الفاظ کو کبھی نہ بھولے گا۔

یاد

کلفت میں بھی بہانہ راحت ہے تیسری یاد
 دوزخ میں بھی مرے لئے جنت ہے تیسری یاد
 پھر روتے روتے یاد ہنسے آگئی تری
 تاریک دل میں نورِ مسرت ہے تیسری یاد
 حرص و ہوس کی گرد سے دل صاف دھل گیا
 روح صفنا و جانِ لطافت ہے تیسری یاد
 دل سے فناءِ عنیمِ عالم بھلا دیا،
 سحر و فنا، فسونِ محبت ہے تیسری یاد
 کس سنگِ سخت سے گہرِ مدعا ملا،
 خوش ہوں کہ حاصلِ غمِ فرقت ہے تیسری یاد
 میں دو جہاں بھی کھو کے نہ بے مایہ ہو سکا
 اے روحِ دو جہاں مری دولت ہے تیسری یاد
 گویا بسی ہیں اس میں دو عالم کی راحتیں
 یہ کیا طلسمِ خانہ حیرت ہے تیسری یاد
 یہ آگئی تو دل میں نہ کچھ بھی ٹھہر سکا،
 دنیا و دین کی یاد کی رخصت ہے تیسری یاد

بیبا تھے تو غایت ہستی کو پالیا
 آئینِ دو جہاں سے فراغت ہے تیرے یاد
 میں اک قدم بھی ہٹ نہ سکا راہِ رہت سے
 آخر کھلا کہ راہِ سلامت ہے تیرے یاد
 بے لطف ہے فسانہ ہستی ترے بغیر
 اس زندگی کی اہل و حقیقت ہے تیرے یاد
 ہر بزم میں ہے ذکرِ ترا اور زباں مری
 ہر روز ایک تازہ حکایت ہے تیرے یاد
 میرا سیاہ خانہ تو شایانِ ذکر کیا
 جنت بھی ہو تو اُس کی بھی زینت ہے تیرے یاد
 جب تُو نہیں تو پھر یہ غمِ جاوداں ہے کیا
 خالق سے زندگی کی شکایت ہے تیرے یاد
 جیسے غمِ ازل سے مرا دل مراد ہے
 دردِ ابد سے یوں ہی عبارت ہے تیرے یاد
 مجھ سے الم نصیب پہ اور یہ نوازشیں
 مردِ دانا و لطف و مروت ہے تیرے یاد

حامد علی خاں

رباعیات

اٹھتی نہیں اب غش کی مجھ سے تغیر
اک درم سے سینے میں پیرا دے تیر
کیپڑ مری جاں مری محبت کے خدا
اک پارمے دل جب گدگد کو پھر چیر

کیوں پھر بچے بار بار یاد آتے ہو
کیوں پھر سے دل میں آگ بجھاتے ہو
اک میں ہوں کہ کھوکھلا ہوں اپنی ہستی
اک تم ہو کہ پھر بھی مجھ کو پا جاتے ہو

ساتی مجھے اس شراب کا ساغورے
اک پل میں غموں کے جو اٹھائے پرے
تاریک ہے مدتوں سے دل کی دنیا
لے چاند لے چاند اس کو روکنے کوئے

ڈنڈے کے جو میرے سر کو ٹھکراتے ہو
آہستہ دل جب گدگد کو برساتے ہو
جب جوہر کی مدتوں تمن کی ہے
لے جانِ ندیم اسی سے شرمانے ہو

قلو بطرہ

انطوفی کو اُس سے محبت تھی یا اُس کی دولت سے؟

قلو بطرہ سے شاعر دل کو اس لئے دھپسی ہے کہ شکسپیر نے اس کی کہانی لکھی۔ عورتوں کو اُس سے اس لئے دھپسی ہے کہ دنیا نے عشق کی ساری تاریخ میں اس دسجے کی عورت اور کوئی نہیں ہوئی۔ تاریخ کے طلبہ کو اُس سے اس لئے دھپسی ہے کہ کوئی دنیائے نوسیل کی نسبت غنی خیال نہیں ہیں۔ سائوں کو اُس سے اس لئے دھپسی ہے کہ وہ اپنے بچوں پر جان چھڑکتی تھی۔ وہ اپنے موٹے ٹانے بچے کی پرورش خود کرتی تھی۔ وہ صرف اُس وقت مایوس ہوئی اور اُس نے اس وقت خودکشی کی جب اُسے معلوم ہوا کہ امریکا تخت اُس کے لرکے — جولیس سیزر کے بیٹے کے لئے محفوظ نہیں ہے۔

اپنے بچوں کی تربیت شاندار تقریبوں کا انھرام جی جہازوں کی سربراہی انطوفی یا سیر دونوں میں کسی ایک کے پہلو میں بیٹھ کر روم کی قیصرہ اور ہر ملک بننے کی امید کرنے والی قلو بطرہ ایک زبردست فرمانروا خاتون تھی۔ جیسا کہ عورتوں کی زندگیوں میں اکثر ہوا ہے قلو بطرہ بھی مردوں کی غلطیوں کا شکار ہوئی۔ اُس پر الزام ہے کہ اُس نے انطوفی کو اُس کی نیک سیرت، دین، بیوی سے جدا کر کے باطل تباہ کر دیا، اور سیرز کو بھی تقریباً تباہ کر کے چھوڑا۔ مسٹر آرٹھر وائیکال جنہوں نے قلو بطرہ کے عہد اور زندگی کے متعلق ایک نہایت عمدہ کتاب لکھی ہے بتاتے ہیں کہ سیرز نے خود قلو بطرہ کا پچھا کیا۔ فیریرو جو ایک صاف گو اور سلیم الطبع مورخ ہے لکھتا ہے کہ انطوفی بھی خود ہی قلو بطرہ کے درپے ہو کر کینچہ وہ چاہتا تھا کہ اُس کی بے حساب لت اور زبردست بیڑے کی مدد سے روم پر قبضہ کر لے۔ دولت اور جہاز سے مل گئے لیکن ایک اور رومی جس کا نام آگسٹس تھا اس کے لئے حریف غالب ثابت ہوا۔

مسٹر وائیکال کی کتاب میں انطوفی اور سیرز کا حال پڑھتے ہوئے ہمیں پاسکل کی یہ سطور یاد آ جاتی ہیں:۔

”انسان کسی عجیب مخلوق ہے! ایک مضمین، ایک موضوع، تناقض و تعجب! ہر چیز کو جان لینے والا، زمین کا ایک حقیر کپڑا

مداقت کا امین، شک اور گناہ کا پیکر، کائنات کی شوکت و عظمت اور پھر خود ہی کائنات کے لئے تنگ و عار“

یہی سنجیدہ و ناپسندیدہ صفت نے ایک اور عجیب خیال ظاہر کیا ہے۔ وہ کہتا ہے ”اگر قلو بطرہ کی ناک ذرا چھوٹی ہوتی تو ساری دنیا کا نقشہ بدل جاتا۔“ قلو بطرہ کی ناک لمبی تھی جو عام طور پر قوت اور ذہانت کی نشانی ہے۔ چھوٹی ناک اس کے حسن میں تواضع

کر دیتی لیکن اس کی عسکری سرگرمیوں میں کوئی کشش باقی نہ رہتی۔

مرٹروائیکال نے قلوبطرہ کی ایک ایسی تصویر بھیجی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ شخص کو اس فوجانہ خاتون سے ملنے کی خواہش ہوتی تھی باوجود اس کے کہ اُس نے اپنے بھائی اور اوربٹ سے اشخاص کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔

سبز اور انطونی دونوں کی عمر اس کے مقابلے میں بہت زیادہ تھی قلوبطرہ کی عمر اس کے دیکھ بھابھ حکومت کے آغاز کے وقت چودہ سال کی تھی جب اُس نے اور انطونی نے خودکشی کی تو اس وقت انطونی کی عمر پچاس سال سے زیادہ تھی اور قلوبطرہ کی عمر اسی سال۔ سبز جس کا انتقال اس کے کچھ عرصہ پہلے ہو چکا تھا انطونی سے بھی بڑا تھا۔

مرٹروائیکال نے مصر کی اس عجیب غریب ملکہ کو لسنوائٹ کا ایک نہایت اعلیٰ نمونہ قرار دیا ہے "اعلیٰ" سے اُن کا مطلب یقیناً قلوبطرہ کے عہد کے لئے ہے اگرچہ بعض لوگ اس خیال سے متفق نہیں ہوں گے۔ وائیکال کے بقول "قلوبطرہ کی رگوں میں مشرقی خون کا ایک قطرہ بھی نہ تھا" وہ مقدونیہ کے ایک یونانی خاندان سے تھی جس کی ابتدا اسکندر اعظم کے اُس جرنیل سے ہوئی جس نے پطیموس پیدا ہوا اور جو قلوبطرہ کے زہر کھانے پر ختم ہو گیا۔

پلوٹارک کہتا ہے کہ قلوبطرہ کا حسن "ایسا نہ تھا کہ اس کی مثال نہ مل سکتی ہو" بلکہ ایسا بھی نہ تھا کہ ہر ایک کو متاثر کر سکے "اُس کی رات میں گھٹس کی بن کیٹیٹ یا جس کے ساتھ انطونی نے شادی کی تھی اور جسے پھر قلوبطرہ کے لئے اس نے طلاق دے دی قلوبطرہ سے زیادہ حسین تھی لیکن نہ اس کے پاس دولت تھی نہ تخت نہ جہاز نہ فوجیں۔ دوسری طرف ڈائن کیسیوس قلوبطرہ کی نسبت کہتا ہے "اُس کی آواز اور اُس کے حسن میں ایک شان تھی۔ اور ایک ایسی شمس تھی جو محبت کے اثر کو قبول نہ کرنے والے اور عمر کے تقاضے سے متوجہ نہ ہونے والے دلوں کو بھی مغلوب کر لیتی تھی۔"

فیریہ دکتا ہے کہ وہ معمولی شکل و صورت کی عورت تھی اُس کی ناک بہت بڑی تھی اور دو چرخیں دیووں کو وہ اس لئے خوبصورت نظر آتی تھی کہ وہ امیر تھی۔

یہ بات کہ شاہانِ مصر کے ایک قدیم خاندان میں پیدا ہونے پر بھی اس کی رگوں میں مشرقی خون کا کوئی قطرہ موجود نہ تھا کچھ غیر ممکن ہی معلوم ہوتی ہے

قدما کے بقول قلوبطرہ کا سارا حسن اس کی آواز میں تھا اور اُس کا پیکر اس کی آواز کے ساتھ مل کر انسان کو مسحور کر لیتا تھا۔

جب وہ بولتی تھی تو اس کی آواز میں ایک شیرینی سی محسوس ہوتی تھی۔

قلوبطرہ کی موت کے ساتھ ایک بھت اچھا دماغ ضائع ہو گیا اور اس کے ساتھ سبز اور انطونی جیسے عظیم الشان انسانوں سے دنیا محروم ہو گئی۔ قلوبطرہ کے حساب بانیس بول سکتی تھی۔ پلوٹارک کہتا ہے کہ وہ یونانیوں عربوں شامیوں میدیوں اور پارتھیوں سے اُن

کی زبان میں بے تحاشہ گفتگو کر سکتی تھی اور بہت سی دوسری قوموں کی زبانیں جانتی تھی۔

انطونی کی رموزی آکٹیویا کی شخصیت بھی بڑی دلچسپ ہے۔ دانیال آکٹیویا کی نسبت کچھ زیادہ نہیں لکھتا۔ اس کے لئے فیرو کا تذکرہ میز پر مٹا چاہیے۔ اس کا قول ہے کہ آکٹیویا ایک بے نظیر عورت تھی، بلکہ غالباً وہ کوئی فرشتہ تھی۔ جب انطونی اور قلوبطرہ دونوں نے خودکشی کر لی اور آکٹیویا کا بھائی آگسٹس ان کے بچوں کو اور قلوبطرہ کے ایک بُت کو جس میں ایک سانپ اُس کے بازو سے لپٹا ہوا تھا قلع کے جالوس کے ساتھ لے گیا تو نیکل آکٹیویا نے قلوبطرہ کے اُن دو بچوں کو جن کا باپ اُس کا بے وفا شوہر تھا اپنے گھر میں پناہ دی۔ اور پھر ان نئے تہمتیں سے انتہا دے کر ہر بانی کا سلوک کیا، اور اُن کی غور و پرداخت اپنے بچوں کی طرح کی۔

اگرچہ عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ قلوبطرہ جس نے میسوں زندگیوں بسر کیں اور میسوں دفعہ موت کے منہ سے ہو کر نکلی آخر ایک سانپ سے اپنے آپ کو دوسرا کر گئی، لیکن یہ زیادہ صحیح معلوم نہیں ہوتا۔ بلکہ معادوم ہوتا ہے کہ اُس نے اور اُس کی دو دفا دار سیلیوں نے کوئی زہر قاتل کھا کر خودکشی کر لی۔ اس کے بازوؤں پر دو چھوٹے چھوٹے داغ زہرینے کے علاوہ سانپ کے ڈسنے سے لگے ہوں گے۔

مشرق و ایشیال قلوبطرہ کی تصویر اس طرح کھینچنا ہے کہ ایک بُت تھے ہوئے کچے کو وہ اپنے سینے سے لگا کر چپ کر رہی ہے اور تین تاروں پر کچے اس کے آس پاس کھیل رہے ہیں۔ ایسی عورت نفس پرست کیسے ہو سکتی ہے؟ لیکن قلوبطرہ کسی طبیعتوں کی مالک تھی، وہ بہت جلد بدل جایا کرتی تھی۔ وہ ایک عجیب طوفانی مزاج عورت تھی جس نے کئی لوگوں کو قتل کر دیا، اور جب اس کے میراں نے یہ راز افشا کر دیا کہ قلوبطرہ نے اپنی جائداد کی فurst میں بعض چیزیں شامل نہیں کیں تو اُس نے اُسے بالوں سے پکڑ کر خوب چھوڑا اور اس کا منہ اس طرح نوچا کہ اُس کی آنکھیں منہ کی شکل بن گئیں۔

علم سے اسے بہت دلچسپی تھی۔ اس نے انطونی سے سکندریہ کی لائبریری کو دو لاکھ کتابیں دلوائیں اور سسرو کو مصر کی نایاب کتابیں تحفے میں دیں۔ کہا جاتا ہے کہ اسے علم ہیئت سے بھی خف تھا اور اس نے میز کو اپنے دربار کا مشہور مہندس اور ماہر فلکیات پیش کیا جس نے بعد میں جولیانوسی تقویم تیار کی۔

خواہ آپ قلوبطرہ کے اخلاق اس کے شوہروں اور اس کی خودکشی کے تعلق کچھ ہی خیال کریں آپ کو اس کے انجام پر انوس مزور ہوتا ہے۔ قلوبطرہ کی خودکشی سے پہلے انطونی نے اپنی زندگی کا خاتمہ بہت بری طرح کیا۔ اس نے یکدم اپنے آپ کو قتل نہیں کیا۔ بلکہ آہستہ آہستہ جان دی۔ وہ اُس مسجد میں بے کھانا تھا جہاں قلوبطرہ چھپی ہوئی تھی اور قلوبطرہ اور اس کی دو کنیزوں نے رسول کے ذریعے سے اسے اور کھینچ لیا۔ قلوبطرہ اسے اپنی آغوش میں مقنا رہی اور انطونی کا خون اس کے بازوؤں پر بہتا رہا۔ اُس وقت قلوبطرہ کی قدیم محبت عمو کر آئی اور اگرچہ وہ اکہیم کی جنگ سے بھاگ گیا تھا جس میں لگوہ اپنی پرانی شجاعت کو ماتھ سے نہ دیتا تو وہ دونوں ایک

کر دیتی لیکن اس کی عسکری سرگرمیوں میں کوئی کشش باقی نہ رہتی۔

مشرطاد ایٹھال نے قلوبطرہ کی ایک ایسی تصویر کھینچی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ شخص کو اس نوجوان خاتون کو ملنے کی خواہش ہوتی تھی باوجود اس کے کہ اس نے اپنے بھائی اور اور بہت سے اشخاص کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔

سینر اور انطونی دونوں کی عمر اس کے مقابلے میں بہت زیادہ تھی قلوبطرہ کی عمر اس کے بچپن عہد حکومت کے آغاز کے وقت چودہ سال کی تھی جب اس نے اور انطونی نے خرکوشی کی تو اس وقت انطونی کی عمر پچاس سال سے زیادہ تھی اور قلوبطرہ کی عمر اڑتیس سال۔ سینر جس کا انتقال اس سے کچھ عرصہ پہلے ہو چکا تھا انطونی سے بھی بڑا تھا۔

مشرطاد ایٹھال نے مصر کی اس عجیب و غریب ملکہ کو نسوانیت کا ایک نہایت اعلیٰ نمونہ قرار دیا ہے اعلیٰ سے اُن کا مطلب ایٹھال قلوبطرہ کے عہد کے لئے ہے اگرچہ بعض لوگ اس خیال سے متفق نہیں ہوں گے۔ وائیکال کے بقول قلوبطرہ کی رگوں میں مشرقی خون کا ایک قطرہ بھی نہ تھا۔ وہ مقدونیہ کے ایک یونانی خاندان سے تھی جس کی ابتدا اسکندر اعظم کے اُس جرنیل سے ہوئی جس نے بطلمیوس پیدا ہوا اور قلوبطرہ کے زہر کھالیسے پر ختم ہو گیا۔

پلوٹارک کہتا ہے قلوبطرہ کا حسن ایسا نہ تھا کہ اس کی مثال نہ مل سکتی ہو بلکہ ایسا بھی نہ تھا کہ ہر ایک کو متاثر کر سکے اُس کی رائے میں گیسٹس کی بہن نکیتویا جس کے ساتھ انطونی نے شادی کی تھی اور جسے پھر قلوبطرہ کے لئے اس نے طلاق دے دی قلوبطرہ سے زیادہ حسین تھی لیکن نہ اس کے پاس دولت تھی نہ تخت نہ ہزار نہ نو میں۔ دوسری طرف ڈائن کیسیوس قلوبطرہ کی نسبت کہتا ہے اُس کی آواز اور اس کے حسن میں ایک شان تھی۔ اور ایک ایسی کشش تھی جو محبت کے اثر کو قبل نہ کرنے والے اور عمر کے تقاضے سے متوجہ نہ ہونے والے دلوں کو بھی مغلوب کر لیتی تھی۔

فیررہ دکتا ہے کہ وہ معمولی شکل و صورت کی عورت تھی اُس کی ناک بہت بڑی تھی اور دو چلیں میوں کو وہ اس لئے خوبصورت نظر آتی تھی کہ وہ اہر تھی۔

یہ بات کہ شاہان مصر کے ایک قدیم خاندان میں پیدا ہونے پر بھی اس کی رگوں میں مشرقی خون کا کوئی قطرہ موجود نہ تھا کچھ غیر ممکن ہی معلوم ہوتی ہے

قدیم کے بقول قلوبطرہ کا مدار حسن اس کی آواز میں تھا اور اُس کا بیک اس کی آواز کے ساتھ مل کر انسان کو مسحور کر لیتا تھا۔ جب وہ بولتی تھی تو اس کی آواز میں ایک شیرینی سی محسوس ہوتی تھی۔

قلوبطرہ کی موت کے ساتھ ایک عہد کا خاتمہ ہو گیا اور اس کے ساتھ سینر اور انطونی کے عظیم الشان زمانوں سے دنیا محروم ہو گئی قلوبطرہ بے حساب بانیس بول سکتی تھی۔ پلوٹارک کہتا ہے کہ وہ یونانیوں عربوں شاہیوں میدیوں اور پادشہوں سے اُن

کی زبان میں بے تعلقت گفتگو کر سکتی تھی اور بہت سی دوسری قوموں کی زبانیں جانتی تھی۔

انطونی کی رہنمائی آکٹیویا کی شخصیت بھی بڑی دلچسپ ہے۔ دانیال آکٹیویا کی نسبت کچھ زیادہ نہیں لکھتا۔ اس کے لئے فیرو کا تذکرہ سیر پڑھنا چاہیے۔ اس کا قول ہے کہ آکٹیویا ایک بے نظیر عورت تھی، بلکہ غالباً وہ کوئی فرشتہ تھی۔ جب انطونی اور قلوبطرہ دونوں نے خوشی کرنی اور آکٹیویا کا بھائی آگسٹس ان کے بچوں کو اور قلوبطرہ کے ایک بٹ کو جس میں ایک سانپ اس کے بازو سے لپٹا ہوا تھا، فتح کے جلوس کے ساتھ لے گیا تو نیک ل آکٹیویا نے قلوبطرہ کے ان دو بچوں کو جن کا باپ اس کا بے دفا شوہر تھا اپنے گھر میں پناہ دی۔ اور پھر ان نئے ہیومنیت پسندوں سے انتہا دلچسپی کی ہر بات کا سلوک کیا، اور ان کی غور و پروخت اپنے بچوں کی طرح کی۔

اگرچہ عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ قلوبطرہ جس نے مسیوں زندگیاں بسر کیں اور مسیوں دعبوت کے منہ سے ہو کر نکلی، آخر ایک سانپ سے اپنے آپ کو دوسرا کر گئی، لیکن یہ زیادہ صحیح معلوم نہیں ہوتا۔ بلکہ معلوم ہوتا ہے کہ اس نے اور اس کی دو دفا دار سیلیوں نے کوئی زہر قاتل کھا کر خوشی کر لی۔ اس کے بازوؤں پر دو چھوٹے چھوٹے داغ زہر پینے کے علاوہ سانپ کے ڈسنے سے لگے ہوں گے۔

مشروہ دانیال قلوبطرہ کی تصویر اس طرح کھینچنا ہے کہ ایک بڑے ہوئے بچے کو وہ اپنے سینے سے لگا کر چپ کر رہی ہے اور تین تار پٹے اس کے آس پاس کھیل رہے ہیں۔ یہی عورت نفس پرست کیے ہوئے ہے؟ لیکن قلوبطرہ کو طبیعتوں کی مالک تھی، وہ بہت جلد بدل جایا کرتی تھی۔ وہ ایک عجیب طوفانی مزاج عورت تھی جس نے کئی لوگوں کو قتل کر دیا، اور جب اس کے پیراں نے یہ راز افشا کر دیا کہ قلوبطرہ نے اپنی جائداد کی فurst میں بعض چیزیں شامل نہیں کیں تو اس نے اسے بالوں سے پکڑ کر خوب چھوڑا اور اس کا منہ اس طرح فوجا کہ اس کی آنکھیں منبھل نہج سکیں۔

علم سے اسے بہت دلچسپی تھی۔ اس نے انطونی سے سکندریہ کی لائبریری کو دو لاکھ کتابیں دلوائیں اور سسرو کو مصر کی نیا کتابیں تحفے میں دیں۔ کہا جاتا ہے کہ اسے علم ہیئت سے بھی شغف تھا اور اس نے سیرز کو اپنے دبا کا مشورہ مندیں اور اہر نکلیات پیش کیا جس نے بعد میں جولیا نوسی تقویم تیار کی۔

خواہ آپ قلوبطرہ کے اخلاق اس کے شہزادوں اور اس کی خود کشی کے تعلق کچھ ہی خیال کریں آپ کو اس کے انجام پر انوس مزور ہوتا ہے۔ قلوبطرہ کی خود کشی سے پہلے انطونی نے اپنی زندگی کا خاتمہ بہت بُری طرح کیا۔ اس نے یکدم اپنے آپ کو قتل نہیں کیا۔ بلکہ آہستہ آہستہ جان دی۔ وہ اس عہد میں بے شک اُن تھا جہاں قلوبطرہ چھپی ہوئی تھی اور قلوبطرہ اور اس کی دو کنیزوں نے قلوبطرہ کے ذریعے سے اسے اور کھینچ لیا۔ قلوبطرہ اسے اپنی آغوش میں تھا۔ یہی اور انطونی کا خون اس کے بازوؤں پر بہتا رہا۔ اس وقت قلوبطرہ کی قدیم عبت عہد کو آئی اور اگرچہ وہ اکٹیم کی جنگ سے بھاگ گیا تھا جس میں اگر وہ اپنی پالی شجاعت کو ہاتھ سے نہ دیتا تو وہ دونوں ایک

دنیا پر بادشاہی کرتے۔ تاہم اس نے انطونی سے مہربانی کا سلوک کیا۔

باوجود اس کے کہ اب وہ بوڑھا اور مٹا ہو گیا تھا اور بہت شراب پیتا تھا تو بطور کو اس سے محبت تھی یا وہ کبھی تھی کہ اسے اس سے محبت ہے چنانچہ خود کسی سے پہلے وہ اس کے لئے روتی بیٹتی اور دوا دلا کرتی رہی۔

تو بطور کی موت پر رنج ہوتا ہے اور اُن دو بہادر عورتوں آنکس اور شارمین کی وفاداری پر منہ تھیں نکلتی ہے جنہوں نے آخر دم تک تو بطور کا ساتھ دیا اور پھر وہی زہر پھر کر لگیں جو تو بطور نے پیا تھا۔ سانپ نے الا انسانہ درست معلوم نہیں ہوتا کیونکہ ایک چوٹا سا سانپ جو انجروں کی ایک ٹوکری میں چھپ کر بیٹھا ہوا تو تین جانوں کو ہلاک کرنے کے برابر زہر بہم نہیں پہنچا سکتا۔ شارمین کے آخری الفاظ جو اس نے رمی انسر سے کہے شہادت کی جان ہیں جب رمی انسر نے اس سے پوچھا۔

”کیا تمہاری ٹیم نے یہ بھی بات کی ہے؟“

تو اس نے ڈوبی ہوئی آوازیں جواب دیا جنت اچھی ایسی جیسی ایک باز شاہ زادی کے شایان شان تھی۔“

ان الفاظ کے ساتھ ہی وہ ملکہ کے پاس گر پڑی اور جان دے دی۔

وسیع الاقدار گسٹس کی بہن اکیٹیو یا جس نے انطونی اور تو بطور کے شے تسمیوں کو اپنے گھر میں جگہ دی ایک ایسی خاتون ہے کہ اس کی ایک نہایت اچھی سوانحی کہی جاتی چاہیے اور اسی طرح کسی کو سکندر اعظم کی بیوی اولپیا کی بھی اچھی سی سوانحی کہنی چاہیے اور پالیطوس کی بیوی ایلیا کی۔ جب پالیطوس کو حکم دیا گیا کہ وہ خود اپنے آپ کو قتل کرے اور ایلیا نے دیکھا کہ اُس میں اس کام کی جرات نہیں ہے تو اُس نے خنجر لیا اور اپنے سینے میں پیرا کر کہا ”پالیطوس اس سے بالکل تکلیف نہیں ہوتی“ اور حقیقت تو یہ ہے کہ دنیا کو ایسی ہزاروں نیک شریف اور بہادر خواتین کی سوانحیوں کی ضرورت ہے جن کا وجود نسل انسانی کے لئے بے ناز ہے۔

منصور احمد

(ترجمہ)

رات اندھیری ہے اور گہری ہے تمہاری نیند میرے وجود کی خاموشی کے اندر۔

جاگ اے دردِ محبت! کہ میں باہر کھڑا ہوں اور نہیں جانتا کہ دردِ اذہ کیوں کر کھولوں۔

گھڑیاں منتظر ہیں، تائے تک ہے میں، ہوا ساکت ہے۔

خاموشی بوجھل ہے میرے دل کے اندر۔

جاگ اے محبت جاگ! میرے خالی پیالے کو بھر دے اور راگ کے ایک سانس سے رات کو دہم برہم کر دے!

گلچیں

حدیثِ محبت

وہ تیرا دل میں رہ کر اُنکھ سے ستور ہو جانا وہ میرا باوجود قرب تجھ سے دور ہو جانا

وہ تیرا میرے ضبطِ غم کی قدت سے چل دینا وہ میرا رنگِ رخسارِ خوشی کا فور ہو جانا
وہ تیرا میرے دل کو داغِ فرقت سے چل دینا وہ میرا داغِ زخم اور زخم سے ناسور ہو جانا

وہ تیرا میری امیدوں کو بید روی سے ٹھکرانا وہ میرا شیشہٴ دل سنگِ غم سے چور ہو جانا
وہ تیرا جو پر تاکیدِ شکر جو فرمانا وہ میرا امتثالِ امر سے محذور ہو جانا

وہ تیرا مجھ کو آخر مژدہٴ پاس و فادینا وہ میری غمِ نصیبِ اُمید کا مسرور ہو جانا
وہ تیرا مجھ کو آخر اپنی منزل کا پتا دینا وہ میری جد و جدِ شوق کا مشکور ہو جانا

وہ تیرا مجھ کو با صد طلعت و لبرِ نظر آنا وہ میرا اندرِ عقل و ہوش پر مجبور ہو جانا
وہ تیرا مجھ کو با صد حُسنِ افسوں گرِ نظر آنا وہ میرا دیکھنا اور دیکھ کر مسحور ہو جانا

وہ تیرا برخلافِ پاسِ ضبطِ راز کھل پڑنا
وہ میرا قصتِ عینِ قصۂ منصور ہو جانا
وہ تیرا ہزاراں برقِ زرا انداز کھل پڑنا
وہ میرا حالِ رشکِ حالِ کوہِ طور ہو جانا

وہ تیرا مجھ کو سپہِ بادۂ لاقطو کوینا
وہ میرا پھر منے اُمید سے مخمور ہو جانا
وہ تیرا مجھ کو ہر دم ساغرِ ہر آرزو دینا
وہ میرا پھر تنہا کے نشے میں چور ہو جانا

وہ تیرا مجھ کو اپنے درو کی دولت عطا کرنا
وہ میرے دامنِ امید کا بھر پور ہو جانا
وہ تیرا مجھ کو اپنی لَحْزِیْنِ اَلْفِ عطا کرنا
وہ میرا سردیِ تسکین سے معمور ہو جانا

وہ تیرا اپنی اَلْفِ کا مجھے کافی صِلادینا
وہ میرا اپنی محنت سے سوا ما جور ہو جانا
وہ تیرا اپنی رحمت سے مجھے کمالِ جزا دینا
وہ میرا زمرۂ عشاق میں محسوس ہو جانا

خوشا! آزاد کا فیضانِ صحبت جس نے سمجھایا
خدا کا قُرب کیا شے ہے خودی سے دور ہو جانا

حکیم آزاد انصاری

ادبی تنقید

لفظی پرانے میں صنّ تخلیق کا نام ادب ہے جس طرح زمین پرانے میں جن تخلیق کو نقاشی کہتے ہیں صوتی پرانے میں جن تخلیق کو موسیقی کہتے ہیں اور نگین پرانے میں جن تخلیق کو سنگ تراشی، اور کچھ سنی الفاظ کو اس طرح ترتیب دینا ہے کہ آدمی کی اس جس کو تشفی پہنچے جس کا تعلق جن سے ہے۔ انسان تخلیق کرتا ہے کیونکہ اس کی تخلیقی قوت اس کو مجبور کرتی ہے جس شخص میں شاعری کا جذبہ ہوتا ہے وہ شاعری کرنے پر مجبور ہے خواہ ہر روز صبح اٹھ کر اسے اپنے اشعار جلا دینے پڑیں۔

تخلیق ادب کی پہلی صفت ہے۔ جو شخص دنیا کے سوائے کوئی ایسی چیز نہیں پیش کر سکتا جس کو وہ اپنا کہ سکے جو اس طرح نئی ہے کہ اس کا سہدم ہو جائے دنیا کے لئے ناقابلِ تلافی نقصان ہے اس کو ادیب کہلانے کا حق نہیں۔ جو شخص دوسروں کے حیات و خیالات کو اپنے طریقے پر دہراتا ہے وہ ادیب نہیں بلکہ مددائے بازگشت ہے۔ اگر دوسری زبانوں کے خیالات اور کارناموں کو اپنی زبان میں عام فہم بنایا جائے تو اس ضروری کام کو بھی ادب نہ کہنا ہی بہتر ہے کیونکہ اس کے لئے ایک زیادہ وزنون لفظ 'ترجمہ' زبان میں موجود ہے۔

ایک قدیم یونانی فلسفی کا قول تھا کہ فنِ نطرت کی نقالی کا نام ہے یہ قولہ 'ان ان گنت بیازوں میں سے ہے جو اپنے وقت میں صحیح تھے مگر جن کا کام آنے والی نسلوں کو گمراہ کرنا ہے۔ تخلیق یعنی کسی نئی چیز کی پیدائش یونانی عناصر سے ممکن نہیں۔ کسی چیز کا پیدا کرنا ایک دعائی شکلہ ہے۔ اس کی ابتداء روح میں ہوتی ہے اور روح ہی میں سرانجام پاتی ہے۔ جب ہم جہنا کے کنا سے سورج کو ڈرتے ہوئے دیکھتے ہیں اور جا کے اپنے دوستوں سے کہتے ہیں 'آج شفق کے سرخ سہرے رنگ دیکھ کر یہ معلوم ہوتا تھا کہ آسمان والے ہوئی کیل رہے ہیں'۔ یہ نطرت کی نقالی نہیں ہے بلکہ ہم اپنے اندرونی تاثرات کو بیان کر رہے ہیں۔ ہم ان تاثرات کو ظاہر کر رہے ہیں جو سرشام ہمارے ذہن پر مستقل ہوئے تھے اور یہی ہمارے بیان کی ادبی صفت ہے جب بھی ہم کوئی رائے ظاہر کرتے ہیں ہم نطرت کو قبول کر ان تاثرات کا اظہار کرتے ہیں جو ہم قبول کر چکے ہیں۔

یونانی حالات میں فلسفی کا بیان صحیح تھا۔ یونانی ڈراما ساز اندھ ہی ہے۔ یونان کے ادیبوں ڈراما نویس اپنے ذاتی خیالات کا اظہار نہ کرتے تھے۔ وہ ان جذبات کو اکسالتے تھے جو ساری قوم میں مشترک تھے۔ وہ عام طور پر سلسلہ حکایتوں کو ادبی شکل دی کرتے تھے۔ یہی تو ہمارے مروجہ پشرویوں کے سامنے پیش کرتے تھے۔ تماشاخیوں کی کثرت اور تماشا گاہ کی وسعت میں یہ ناممکن تھا۔

کوئی ڈراما نویس اپنا اپنے کردار کا نفسیاتی تجزیہ کرے۔ مگر خود یونان میں بعد کے ڈراما نویسوں اور نئے ادیبوں کے ہاتھ میں بر قول ایک جدید نقاد کے یہ کہنا صحیح ہے کہ خود نظرت فن کی نقالی کرتی ہے جب ہم غم زدہ ہو کر غروبِ آفتاب کا منظر دیکھنے جاتے ہیں ہمیں آنے والی تاریکی میں ناامیدی اور ایسی ہی تصویر دکھائی دیتی ہے۔ جب ہم سرور ہو کر ادنیٰ خوشی کی کیفیت میں اپنی دوستوں کے ساتھ دہری منظر دیکھتے ہیں تو ہم جن کے سر میں اپنی تامل فکریں بھول جاتے ہیں۔ نظرت کے کسی قسم کا اثر قبول کرنا اور اس کو اپنے حالات کے مطابق سمجھنا ہمارا کام ہے۔

افلاکِ عظیم کا لازمی جزو ہے ہم صرف اپنے تاثرات اور اپنے خیالات کے مالک ہیں۔ دوسروں کے جذبہ ہائے رنج و غم کا اندازہ ہم صرف اپنے نفس کے اندر کر سکتے ہیں۔ جو کچھ ہم نے خود محسوس کیا ہے، جو اثرات ہم نے قبول کئے ہیں صرف انہی کو بیان کر کے ہم علمی درجے پر پہنچ سکتے ہیں کسی نے کہا ہے کہ شخص کی زندگی سے کم سے کم ایک فنی کتاب تیار ہو سکتی ہے۔

مگر ہمارے سب تاثرات یکساں نہیں ہوتے۔ بعض پروج ہوتے ہیں جن کا اظہار علانیہ کرنا ہم پسند نہیں کرتے۔ بعض بذاتِ خود قیمتی ہوتے ہیں۔ مگر ان کا بیان کرنا محض دوسروں کے بیانات کو دہرانا ہو گا۔ اسی طرح دہرائے سے ہماری شخصیت جلوہ گر نہیں ہوتی۔ ان کے دہرائے سے دنیا کے خزانہ میں کوئی مزید اضافہ نہیں ہوتا۔ اسی دنیا میں حالِ نفسی موتی بازار میں بہت آتے ہیں۔ صرف اصلی موتیوں کی قدر ہو سکتی ہے۔ ہماری زندگی میں بہت سے تجربات ہیں اُسے دن حاصل ہوتے رہتے ہیں۔ ہر لمحہ، ہر ساعت ہمارے دل پر نئے نقوش بنتے ہیں۔ ادیب کا فرض ہے کہ ان میں سے ان نقوش کو انتخاب کرے جن کی قدر دہرائے سے جو اثرات ایسے نہ ہوں وہ فنا ہو جاتے ہیں اور ادبی دنیا ان کی موجودگی سے عرصے تک متاثر نہیں رہ سکتی۔

صرف یہی نہیں بلکہ ادیب کا فرض ہے کہ وہ ان اثرات کو تلاش کرے جو کیا اب ہیں ان کیفیات کو ڈھونڈے جو ہر شخص کو نہیں ملتیں اس کا فرض ہے کہ اپنی روح کو بے انتہا ذکی اُس بنا رکھے تاکہ کوئی نیا تجربہ اُس کی نظروں سے بچنے نہ پائے۔ ادیب اور محرمی اُن میں یہی فرق ہوتا ہے۔ اوسط حیات کے آدمی کو دنیا یکساں اثرات کا سلسلہ معلوم ہوتی ہے۔ اس کے لئے وقتاً فوقتاً برقی لے نہیں آتے جو ایک زندگی بھر کی تاریکی کو منور کر دیں۔ وہ چھوٹوں کو دیکھ کر گزر جاتا ہے، وہ ہر درد دیکھتے ہیں اور مدد دیتے ہیں۔ ظلم رات کو گزرتی ہے اور صبح سو کو جاتی ہے۔ اُنسو اکثر آنکھوں سے بہا کرتے ہیں۔ کبھی بناوٹ کے کبھی واقعی رنج سے مگر یہ دنیا میں عام بات ہے۔ مجرب شاعر یہ بیان کرتا ہے کہ

پھول تو دو دن ہمارا جفا فرما دیکھا گئے
حسرت ان فنجوں پہ ہے جو بن کھیلے بھاگئے

یادِ درد کا سادہ بیان

دل بھی اچھوڑ دھڑکے خوں تھا
آنسوؤں میں کہیں لگا ہو گا۔

اس وقت ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آنکھوں کے سامنے نئی فضا میں مکمل رہی ہیں، نئے افق و بعت کے ساتھ دکھائی دیتے ہیں جس طرح کوئی بھولی ہوئی بات یاد آجائے۔ ان روز کی معمولی باتوں، ان عام غیر اہم مناظر کے ساتھ فروع انسان کی قسمت و اہستہ معلوم ہوتی ہے۔ یہ بہت مستحقِ خیال، یہ وقتِ نظر، جزئیات میں نئے معانی دیکھنے کی قوت، ایسی ادیب کا طغرائے امتیاز پر جو اور اسی شدید جذبہِ حماس کو قوتِ تخلیق کہتے ہیں۔ یہ شخص کلام نہیں بلکہ وہی انجام دے سکتا ہے جس نے زندگی اور دنیا کے ادبیات کا وسیع مطالعہ کیا ہو اور اپنے احساسات کی قدر پچاننے کی صفت حاصل کر لی ہو جس شخص کی نظر زندگی اور ادبیاتِ عالم پر گہری نہیں اس کو ادیب بننے کا حق نہیں۔ چند متشیخصیتوں کے علاوہ اس کے برعکس عمل پیرائی کا نتیجہ ایسی کتابوں کی پیدائش ہے جو ادبیات کی صف میں رکھے جانے کے لائق نہیں اور جن کا ذہنی پلچرپن اُن کو مطالعہ کے قابل نہیں رہنے دیتا۔ ادیب صحیح معنوں میں وہی ہو سکتا ہے جس نے زندگی کو بھی طرح دیکھ کر تمدن پر عبور حاصل کر لیا ہو اور اس کے بعد کتابوں کے مطالعہ سے اپنے ذاتی احساسات کی قد بخوبی پہچان لی ہو۔ مگر احساسِ بذاتِ خود تخلیق نہیں۔ اگر یہ ہوتا کہ محض قوتِ احساس کو شاعری کہتے تو بہت کم ایسے ہوتے جنہیں کہیں نہ کسی شاعر کی کاوہ حاصل نہ ہو جاتا۔ احساس جب تک ہر دنی پیرایہ اختیار نہ کرے۔ ادب نہیں بن سکتا شاعر کے دماغ میں ہزار شکلیں بنتی ہیں اور مدغم ہو جاتی ہیں، ہزار اثرات جو کم کرتے ہیں اور مدغم جاتے ہیں، مگر ان ہزار اثرات میں کوئی ایک اثر ہی اتنا پائدار ہوتا ہے کہ وہ بھیو شکل اختیار کر لیتا ہے اور اس کے نقوشِ ذہن میں صاف نظر آنے لگتے ہیں۔ اس طرح وہ لفظی پیرایہ اختیار کر لیتا ہے جب تک کوئی احساس مستقل نہیں ہوتا وہ لفظ نہیں بنتا لفظ بننے کے ساتھ آدھ کڑی پیرایہ حاصل ہو جاتا ہے جو اسے اب کے نام سے ممتاز کرتا ہے جب جذبات میں حیاں کے بعد کون پیدا ہو جاتا ہے غیر ضروری اثرات منتشر ہو جاتے ہیں، ایک خاص دماغی اثر ذہن پر قائم رہتا ہے اور ہر دنی پیرایہ اختیار کر کے فن کہلاتا ہے۔

ادب میں پیرائے کی دو قسمیں لازمی ہیں، حسن اور لفظ۔ مگر کوئی احساس کوئی تاثر لفظی پیرایہ نہ اختیار کرے بلکہ رنگوں میں منعکس ہو تو اسے ادب نہیں سمجھیں کہتے ہیں۔ مگر لفظی پیرایہ سب سے آسان اور سب سے وسیع پیرایہ ہے۔ سنگتراش سنگین پیرایہ میں کام کرتے ہوئے دو باتوں سے مجبور ہے، وہ حرکت کا اظہار نہیں کر سکتا۔ ہر لمحہ جو بدلتے ہوئے تاثرات ہم قبول کرتے ہیں، ان کو سنگین پیرایہ میں سمجھا لیتا۔ سنگین پیرایہ میں اس سے زیادہ وسعت ہے مگر حرکت اور وقت اور تسلسل کا اظہار اس میں بھی ممکن نہیں۔ الفاظ میں ہم لامتناہی جذبات کو تسلسل کے ساتھ ظاہر کر سکتے ہیں۔ اور الفاظ میں جتنا وسیع ہے کسی اور پیرایہ میں نہیں۔ بعضی حرف آواز نہ ہے اور ان میں الفاظ سے بھی زیادہ وسیع ہو سکتا ہے۔ مگر اس میں جذبات اشاروں کے ذریعہ بیان کئے جاتے ہیں اور اس میں وضاحت نہیں۔ اس طرح ادب دوسرے فنون لطیفہ سے برتر چیز ہے۔ مگر ہر فن لطیف کی یہ خصوصیت ہے کہ اس سے احساسِ حق کی نشی ہوئی ہے۔ اگر لفظی پیرایہ ایسا ہے کہ اس میں تضاد بائیں کھلی کر دی گئی ہیں اگر اس میں تناسب اور جن ترکیب کا التزام نہیں رکھا گیا ہے تو وہ فن لطیف

نہیں بفظی پیرایہ کو ایسی شکل دینا کہ انسان معانی کو بھول کر بھی صرف اس کے پیرائے کے حسن میں مجھ بوجھائے یہ ننان کا کمال ہے۔ مگر معنی اور پیرایہ دو مختلف چیزیں نہیں۔ ہم یہ پہلے کہ چکے ہیں کہ جب تاثرات لفظ کی شکل اختیار کر لیتے ہیں وہی ادب ہے۔ مگر ہر تاثر کئی طرح اور ادب میں ہو سکتا۔ ہر اثر کے انکارنے کے لئے مکمل پیرایہ صرف ایک ہی ہے۔ اگر کسی مضمون کو کئی شہنائے ادا کیا ہے۔ تو ہم بھیجیں گے کہ ہر شخص نے اس مکمل پیرایہ کو حاصل کرنے کی کوشش کی ہے جو واقعی اس خاص تاثر کو ادا کرنے کے لئے موزوں ہے۔ خود شاعر کے دماغ میں ہیجان کے بعد تاثر ایک خاص شکل اختیار کر لیتا ہے۔ وہ شکل وہ پیرایہ کہاں تک اس تاثر کے بیان کرنے کے قابل تھا؟ یہ ادب کی بنیاد ہے۔ اس بحث سے ہم اس نتیجہ پر پہنچے کہ ہر شخص جس کے اندر کسی نئی چیز کے محسوس کرنے کی قوت اور اس کو الفاظ میں خوبصورت طریقے پر ادا کرنے کی اہلیت ہو، اس کو ادب کہتے ہیں اور اس کے کارنامے کو ادب۔ اس کی ادبیت کا معیار صرف اتنا ہے کہ وہ اپنے حیات جذبات کو مکمل طور پر ادا کرنے میں کس حد تک قادر ہوئے۔ ہر پہلو سے اپنے تاثرات پر عمل کر کے شاعر اسے مکمل پیرایہ عطا کرنے کی کوشش کرتا ہے اور جب تک اس کو یاطینان نہیں ہو جاتا کہ ان حالات و تاثرات کے ماتحت مکمل ترین پیرایہ اس کے معانی کو مل گیا ہے۔ اس وقت تک وہ اپنے تاثرات کو شعر نہیں کہتا جب اس کے تاثرات ایسے لفظی لباس میں آجائیں کہ اس خاص ذہنیت کے ماتحت اس سے بہتر پیرایہ ممکن نہ ہو تو وہ اپنے ادبی کارنامے کو مکمل کر کے دنیا کے سامنے پیش کرتا ہے۔

لہذا صحیح طور پر تنقید کرنے کے لئے یہ بھی ممکن نہیں ہے کہ ہم اس شاعر کو یہ شعور دے سکیں کہ اس وقت ہم اپنے تاثرات کو لفظی پیرایہ مکمل پر عطا کر کے قابل نہیں ہوئے۔ جو جن حالات کے ماتحت شاعر کا رازا سے میں مصروف تھا ان کا علم صرف اسی کو ہے۔ صرف وہی اس امر کا بہترین نصف ہو سکتا ہے کہ ان حالات کی موجودگی میں کوئی اور پیرایہ ممکن تھا یا نہیں۔ ہم صرف ادب کے ساتھ اس کے کارنامے کا مطالعہ کر سکتے ہیں۔ ہم اس کے جذبات اور احساسات کا ہر ممکن طریقے سے مطالعہ کر سکتے ہیں۔ اپنے مطالعہ کے نتیجے کو دوسروں کے سامنے نہ شریح کے لئے پیش کر سکتے ہیں اور اس کے غمی معنی حاصل کرنے کی کوشش کرنے کے بعد ہم اپنی تحقیق کے نتائج کو دوسروں کے سامنے پیش کر سکتے ہیں۔

مگر پڑشری کا مقصد نہیں۔ یہ ثانوی کام اسکولوں کے مدرسوں اور پروفیسروں کے لئے مناسب ہے۔ ادبی نقاد کا طرہ نظر اس سے بلند ہے۔ وہ لفظی پیرائے کے پردے کو کھاتا کہ اس فنان کی ذہنیت کا مطالعہ کرنا چاہتا ہے جو الفاظ کے پیرائے میں ظاہر ہوئی ہے۔ اس کے لئے بیڑنی ماحول کے مطالعہ کی ضرورت نہیں سوائے اس حد تک جتنی خود شاعر نے اپنے کلام میں ظاہر کی ہے۔ اس کے لئے شاعر کی سیرت کے مطالعہ کی ضرورت نہیں جس قدر جزو و شاعر اپنی سیرت کا دنیا کے سامنے پیش کرنا چاہتا تھا وہ اس کے ادبی کارنامے میں موجود ہے۔ تاریخی حالات جیسا کہ اور سیرت کے واقعات جمع کرنا یہ بذات خود اہم کام ہے۔ مگر جہاں تک ادبی تنقید کا تعلق ہے اُن کی حیثیت محض ثانوی ہے۔ لہذا ادبی تنقید فنان کی ذہنیت اور اس کے روحانی رجحان کے مطالعہ کا نام ہے۔ ادبی تنقید کے وقت یہ بحث ضروری ہے کہ آیا فنان کے کارنامے اخلاقی دنیا کے نزدیک قابل قبول ہیں یا نہیں۔ اگر ہم اس اخلاقی بحث میں پڑیں گے تو لامتناہی مسائل شروع ہو جائیں گے۔

تخلیقی قوت اخلاقی قوت سے جدا ہے۔ اُس کا تعلق صرف احساسِ حسن سے ہے اور جب تک لفظی پہلو کے جس بُورے اُس کی کسی اور لفظ نظر سے نہ جھپٹی نہیں کی جاسکتی یہ بحث بھی فضول ہے کہ ادب کا مقصد لذتِ رمانی ہے یا منفعتِ سانی کیا ادب کا یہ فرض ہے کہ پڑھنے والی کے معلومات میں اضافہ کرے یا صرف ان کو فاضل فنی خوشی بخشنے؟ کیا یہ شاعر کا فرض ہے کہ وہ ایک خاص پیغام کے لیے اپنے ملک یا قوم کو جھگڑنے کی کوشش کرے؟ یہ بحث فضول اس لئے ہے کہ ادبی تخلیق میں یہ چیزیں ثانوی حیثیت رکھتی ہیں۔ ہر زمان فن کی تخلیقِ محض احساسِ حسن کی کشتی کے لئے کرتا ہے۔ اگر اس نئی تخیل سے احساسِ لذت و متیاب ہو تو بہتر، مگر یہ لازمی نہیں۔ ایک اچھی تصویر دیکھ کر ہمیں بیخ ہو سکتا ہے اگر ہمیں کسی بھولے ہوئے دوست کی یاد آجائے۔ ایک بُرا ناول دیکھ کر ہمیں خوشی ہو سکتی ہے کیونکہ اس میں ہمارے کسی بٹن کا غانا گایا گیا ہے۔ مگر یہ ثانوی چیزیں ہیں۔ پہلی چیز محض فاضل ادبی حُسن کی تخلیق ہے۔ اسی طرح آج کل کی دنیا میں جب ہر طرح کی نئی تحریکیں روز پید ہوتی ہیں جب ذہنی اور اخلاقی دنیا میں انقلاب برپا ہے جب قوم نئی ضروریات کا احساس کر کے بیدار ہو رہی ہے یا ناگہان کے شاعر کا قلب و دماغ بیدار نہ ہو اور اُس کے تاثرات ایسے نہ ہوں جو قوم کے لئے نئے اہم معنی رکھتے ہوں۔ چونکہ اس کا دل و دماغ ہم سے زیادہ ذکی اُس ہے اس لئے ہم اس کے تاثرات کا مطالعہ کر کے اپنے حیات کو تیز کرنا چاہتے ہیں۔ فن برائے فن؟ یہ فردی و سطحی کا لفظ ہے جب جن کی پرستش قومی روح و الم سے جدا گانہ کی جاتی تھی جب جن کی دیوی امرا کے قہروں اور بادشاہوں کے محلوں کے کعبے نیچے اترتی تھی۔ آج کل جب شاعر قومی سیرت اور غربا کی حیثیت میں اپنے تاثرات تلاش کرتا ہے یا ناگہان کے کہ اس کے تخلیقی کارنامے میں اس کا اثر نہ آجائے۔ مگر یہ اُس کی تخلیق کا اصلی مقصد نہیں۔ اصلی مقصد حُسن کی پیدائش ہے اور اگر وہ اس ضروری نظریہ کو چھوڑ دے تو اُس کو صرف رعایتی طور پر شاعر کہہ سکتے ہیں۔

فنان کے رجحانِ روح کے فاضل مطالعہ کا نام تنقید ہے ہمیں یہ حق نہیں کہ کسی شاعر کو برا کہیں یا کسی کو اچھا کہیں۔ جیسا کہ ایک اطالوی فلسفی نے کہا ہے ہر رجحانِ روح انسانی تاریخ میں قیامی ہے اور ہر روح کو انسانی تاریخ میں یکساں وقعت حاصل ہے۔ اپنی رائے کا اظہار کرنا عمومی کام ہے۔ نقاد کا فرض ہے کہ اپنی رائے کو حتی الوسع چھپا کر لہجہ کی نصیب کے فنان کے رجحانِ روح کا مطالعہ کرے اور دیکھے کہ اس نے کس قسم کے تاثرات قبول کئے اور کن کو مسترد کر دیا۔ ادبی تنقید میں اس روحانی مطالعہ کے سوا اور کوئی مطالعہ کارآمد نہیں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ادبیات کو مختلف حصول میں تقسیم کر دینا بے معنی بات ہے۔ شاعری 'افسانہ' ڈراما یا مضمون نگاری سب چیزیں روح کے رجحان کے اظہار کا ذریعہ ہیں۔ ہر صنفِ ادب میں یکساں طور پر تخلیقی قوت کا استعمال کیا جاتا ہے۔ خواہ ہم شاعری کا مطالعہ کر رہے ہوں، خواہ ناول نویسی کا، ہم کسی صنفِ ادب کو کسی مستقل قاعدے کے ماتحت نہیں جانچ سکتے۔ یہ ہمارے ادب کی بد نصیبی ہے کہ ہر صنفِ ادب کے لئے وہ قاعدے مقرر کر دیئے گئے ہیں۔ ان پابندیوں میں انسانی روح کا اظہار کرنا بے مشکل ہے۔ ادبی ہمارے ادبی تہذیب کا اعلیٰ سبب ہے۔ روح کسی سُرئی تہذیب کی پابند نہیں۔ جب وہ الفاظ میں اپنے رجحان کا اظہار کرتی ہے تو اس کے سننے

صرف ایک سطح ہوتا ہے یعنی تخلیقِ صن وادراں کا معیار خود روح معرکہ رکھتی ہے کسی بیڑنی شخص کو صن کا معیار مقرر کرنے کی استطاعت نہیں۔ ایک معیار جن کو کسی کو پسند ہو دوسرے کو ناپسند ہو سکتا ہو اور کسی مقررہ معیار پر جن کو جا پھنسا اس کو جہالت پر قربان کرنا ہے بشنوی اور قصیدہ اور غزل کو الگ خاںوں میں بند کر دینا اتنا تدبیر میں ہے جس کو جلد سے جلد حاد و دنیا ہی بہتر ہے عام انسان کے سطح کے لئے بطور یادداشت یہ برائیاں کہ ادب کو مختلف خاںوں میں تقسیم کیا جائے تاکہ جب کوئی شخص کتاب لکھائے تو اسے علوم ہو جائے کہ اگر کسی قسم کے جذبات سے واسطہ پڑ گیا تو غیر عوام کا معیار رہے نہ کہ نقاد کا! یہ ضرور مناسب ہے کہ ایک خاص اندر فی جذبے کے اظہار کو غزل کہا جائے کسی کی حد نظر کو قصیدہ کہا جائے کسی مرے ہوئے کی یاد میں لکھی ہوئی نظم کو مرثیہ کہا جائے مگر اس کے ساتھ ہی ہر صنفِ نظم کے الگ الگ قواعد اور معیار ذکر کرنا ذرا ذلتِ طباعی اور جدت کا خون کرنا ہے۔ اس سے زیادہ نقصان دہ اور بے معنی بات ممکن نہیں کہ صرف ادب کی تقسیم نظم و نثر ناول اور ڈرامے میں کر دی جائے بلکہ ہر صنفِ ادب کی الگ تقسیم کر دی جائے یہ قرونِ طی کی علیقت کا نمونہ ہے جو اس بیویں صدی میں بھی اپنا بچہ ادبیات کے گلے پر کاٹے ہوئے ہے۔

اسی طرح ادب کی تقسیم عدد و مقام کے لحاظ سے کسی طرح مناسب نہیں اور دو شاعری کی تدبیر تقسیم دہلی اور کھنڈوں اگر کسی نمانہ میں محبت کو بھی بھٹی تھی تو اب اس کی اہمیت معدوم ہو گئی ہے کیا لکھنؤ کے شعراء کے کلام میں ایسے شعراء نہیں جو دہلی کے لئے یا ناز بوں یا دہلی کے شعراء میں لکھنؤ کا رنگ موجود نہیں؟ اب تقسیم صرف مرجھائے ہوئے پھول کا عکس رہ گئی ہے۔ ادبی دنیا آج دہلی اور کھنڈوں کو چھوڑ کر ہندوستان کے ہر گاؤں اور ہر گھر تک پھیل چکی ہے یہ صحیح ہے کہ اس انتشار کا نتیجہ یہ ہے کہ اردو دامنِ طبقے میں اس وقت کوئی شریکِ ذوق ادب نہیں بلکہ ہر زمانہ اپنے طریقہ تخلیق کا زناسوں میں معروف ہے لیکن اگر جن کے کسی خاص معیار کی ضرورت ہے تو وہ بجائے تہود مقرر کرنے کے اس طرح حاصل ہو سکتا ہے کہ سارے ادیب ایک دوسرے سے واقف ہو کر ایک دوسرے کے معیار جن کا اندازہ کریں اور اثر قبول کریں۔ بے شبہی سے اس وقت اردو کی ادبی دنیا میں اس طرح کا کوئی واحد مرکز موجود نہیں جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہر زمانہ اپنے شخصی معیار کے مطابق اپنا کارنامہ انجام دیتا ہے لیکن اس طرزِ کار سے اگر نقصان ہے تو فائدہ بھی ہے مختلف شخصی معیاروں کے الگ الگ ترقی پانے کا لازمی نتیجہ ادب کے ہر شعبہ میں ترقی ہے اور یہ مناسب نہیں ہے کہ کوئی ایسا ذوق جیسا لکھنؤ اور دہلی پر حاوی تھا تمام شخصی اور ذاتی جدت کا خون کرے۔ برخلاف اس کے حیدر آباد اور پنجاب میں جو مرکزی کوششیں اس وقت ہو رہی ہیں وہ وہاں کے ادیبوں کو ایک معیار ہی جو چھل کر رہی ہیں جس میں شخصیت اور عمیمیت دونوں مشترک ہو گئی ہیں۔

اس امر کو مدنظر رکھتے ہوئے کہ ادبیات کی تقسیم زمانے اور مقام دونوں کے لحاظ سے لاجبی ہے کیا ادب کی کوئی مستقل تقسیم ممکن ہے؟ اگر ادب کی کوئی تقسیم ہو سکتی ہے تو وہ بیرونی پیرایہ پر مبنی نہیں ہو سکتی کیونکہ بیرونی پیرایہ صرف اندرونی رجحان کا لباس ہوتا ہے اور اس سے انکسین کیا جاسکتا۔ ادب کی تقسیم صرف ادیبوں کے روحانی رجحان ہی کی بنا پر ممکن ہے۔

اگر اردو ادب کا قیق طور پر مطالعہ کیا جائے تو دو قسم کے ادبی کارنامے متناظر نظر آئیں گے، ایک وہ جو اپنے جذبات اور اثرات کو بیرونی مادی دنیا سے قبول کرتے ہیں اور اپنے تاثرات کو خلوص کے ساتھ لفظی پیرایہ پہنتے ہیں۔ دوسرے وہ جو بیرونی دنیا سے کنارہ کش ہو کر اپنے تاثرات کے لئے تقابلی طور پر اپنے اندرونی ہیجانوں کے محتاج ہیں جو دنیا و مافیہ کے تسکون کا ایک بلند چوٹی سے مطالعہ کرتے ہیں۔ تقسیم کسی طرح مکمل نہیں اور بہت سے اصل نگار وقتاً فوقتاً علویت کی طرف مائل ہو جاتے ہیں اور بہت سے علویت نگار اصلیت کے اثرات کو بھی اپنے ذہن میں قبول کر لینے پر مجبور ہیں۔ یہ طریقہ تقسیم کسی طرح دوسرے طریقے سے واضح اور صاف نہیں مگر میں جس بنا پر اس طریقہ تقسیم کو ترجیح دے رہا ہوں وہ یہ کہ اس سے ان نقصان دہ اثرات کے پیدا ہونے کی توقع نہیں جو منفی تقسیم کے سبب پیدا ہوتے ہیں اور اس کو محدود اور تقسیم پر اس لئے فوقیت حاصل ہے کہ ہم اس کی روشنی میں ادبی ارتقاء کے عہد بہ عہد خاص راستوں پر نشوونما کا مطالعہ کر سکتے ہیں۔ عربی اور لکھنؤ کی بنا پر ہماری موجودہ تقسیم ایک زمانے کو دوسرے زمانے سے تضاد و جزیوں کی طرح الگ کر دیتی ہے۔ مگر انسانی ذہن اور ادبی دنیا کا ایک لازمی اصول تمام رکاوٹوں اور شکلوں کے باوجود متقل ترقی ہے اور یہ ارتقاء دنیا کے تمام ادبیات کی طرح اردو ادب میں بھی موجود ہے۔

اگر ہم اس راستے کو اختیار کر کے اردو ادب میں روحانی رجحانات کے نشوونما کا مطالعہ کریں تو ہمیں یہ معلوم ہو گا کہ اردو ادب کی ابتدا دکن میں اصل بیانی سے ہوئی۔ وادیت اور سادگی عوام الناس کی زبان میں روزمرہ کے تجربات کا بیان دکن کے ادبیات کا جوہر ہیں۔ محمد علی قطب شاہ کا کلام پھلوں اور کاروں اور عوام کے دم درواج اور تیو بادوں کے بیان سے پرہیز نہیں کرتا۔ اس زمانے کے مرثیہ مذہبی جوش کو سادگی کے ساتھ ظاہر کرتے ہیں۔ "سب سے" کے مصنف نے انسانی صفات اور نیکیوں کو بھی شخصیت کا جامہ پہنا کر بحث و چاشنی میں حصہ لینے کا موقع دیا ہے۔ کئی ادب کی تکمیل دلی کسفی کے ساتھ ہوئی۔ اس کے جذبات سلجھے ہوئے اور فطری ہیں۔ وہ اس محصوم بچے کی طرح ہے جس کو نئے جوار مرزے مل گئے ہوں اور وہ ان سے ہر طرح کے گھروندے بنا کر اپنے تصور کے مطابق کھڑے کر رہا ہو۔ مگر دلی کی محصومیت اس لئے چھپ جاتی ہے کہ اگر وہ ایک نئے ادب کی پیدائش کرتا ہے تو ساتھ ہی اسے ایک دوسرے عظیم انسان کی ناسی ادب کی وراثت بھی ملی ہوئی ہے، مگر اس کی شخصیت کے طبع زاد عناصر کھلے پڑتے ہیں اس محصوم جذبہ کے ساتھ وہ اعلان کرتا ہے۔

جادو میں ترے نین غزلاں سے کہوں گا

یہ کشور ایریاں میں سیلماں سے کہوں گا

تجھ لب کی صفت لعل بختاں کی کہنیکا

دی حق نے تجھے بادشہی حسن نگر کی

جب دلی کے اثر سے دہلی میں شاعری شروع ہوئی تو یہ ظلماء جذبہ پسلیوں میں بھی ظاہر ہوا اور آبرو و غیر جنہوں نے دلی کے اثر میں شاعری کی کہ وہ کس طرح کے پیرو رہے۔ مگر وہاں نارسیت کا اثر زیادہ تھا۔ ایک عظیم الشان تمدن کے اثرات ان پر متولی تھے تصوف درجہ کمال کو پہنچ چکا تھا۔ رفتہ رفتہ کس طرح کے خلاف ایک صدائے مخالفت بلند ہوئی اور اختلاف کے باوجود نئے طرز نے برتری حاصل کر لی۔ اس طرز

میں شاعر اپنے جذبات، احساسات میں اتنا غرق ہو کہ میری دنیا کو صرف اتنی دنیا کے حصوں کا ذریعہ سمجھتا ہے عشق مجازی صرف عشق حقیقی تک پہنچانے کا زینہ ہے۔ دہلی کے اکثر شعرا اس غلوئی اصول کے پابند ہیں اور اس کا سلسلہ میر و درویش کے کر غالب تک ملتا ہے۔

مگر شروع ہی سے تصادم کے اجزا موجود تھے۔ اصلیت سے ہمیشہ کے لئے منقطع ہو جانا ممکن نہیں۔ سودا کی شاعری میں علویت کے ساتھ وہ اصلیت کا جو ہر جہی ہے جو عمر و زمانہ کی ہجو میں اور کہیں کہیں غزلوں میں موجود ہے۔ اس طرح سودا کی حیثیت ادبی دنیا میں خاص امتیاز رکھتی ہے۔ مبالغہ ان کی غزلیوں میں شامل تھا، مگر یہ مبالغہ دو طرفہ تلوار کی طرح ہے، وہ جب بھی خیالی دنیا میں مبالغہ کی طرف مائل ہوتے ہیں تو تشبیہوں اور استعاروں کا ظلم باندھ دیتے ہیں اور جب اصل بیانی پر آتے ہیں تو حقیقت اور دہلی کی بربادی کے حسرت بھرے منظر پر اثاب سے کھینچتے ہیں۔ غالب کی شاعری میں یہ دونوں عناصر علویت اور اصلیت جبرت ناک طریقہ پر متحد ہو جاتے ہیں۔ اس نقطہ نظر سے غالب کی تحریروں ادبی ارتقا کی تکمیل میں کر ان میں دونوں عناصر ہمیشہ کے لئے متحد ہو گئے ہیں۔ ان میں اصلیت محض ایک ذریعہ ہے بلند خیالی اور ان کی بلند خیالی کبھی اصلیت سے منقطع نہیں ہوتی۔

مگر غالب کی روایت کی کسی نے پیروی نہیں کی۔ ان سے پہلے ہی جرأت نے معاملہ بندی کی ابتداء کی تھی جو اصل بیانی کا ایک شعبہ ہے لکھنؤ کے شعرا جو اس دنیا میں دوسری دنیا سے زیادہ دلچسپی رکھتے تھے انہوں نے اس اصل بیانی کو درجہ کمال تک پہنچایا۔ وہ شرمناک سے شرمناک مناظر کو، فطری بیانیہ دینے سے غار نہیں کرتے۔ انہوں نے اصلیت کو صحیح لفظوں میں نہانا، ان کی دنیا ایسی تصویر کی طرح ہے جس میں روشنی اور تاریکی فطری طریقہ پر ملی ہوئی ہو۔ مگر اصل نگاری کا ہمیشہ شری نتیجہ ہوتا ہے کہ فنان کر یہ جزئیات کو بھی اپنی شخصیت میں قید کر لیتا ہے۔ اگرچہ بعض اوقات اتنی بے محابا جزئیات نگاری تنفر پیدا کر دیتی ہے، مگر تسلیم کرنا مزین انصاف ہے کہ فن کا تقاضا یہی ہے کہ کسی قسم کی روپوشی نہ اختیار کی جائے اور زندگی کا صحیح عکس بغیر کسی پہلو کو چھپائے پیش کیا جائے اور اس فن کی تکمیل کا سہرا لکھنؤ کے شعرا کے سر ہے۔ اس لحاظ سے اسناد و نسخ اس نئے زمانے میں اصل نگاری کے علمبردار ہیں مصحفی اور نیش کی قدر کو ہونے کی وجہ یہ ہے کہ ان نظریوں کے تصادم میں وہ اپنا توازن قائم نہیں رکھ سکے اور خاص طور پر مصحفی اس عدم توازن کے باعث اویس صف میں جکھم حاصل کرنے سے مجبور رہے لکھنؤ میں اصل نگاری کی ایک نیا دورہ خالص شکل اس لئے کہ وہ پھر دنیا کو چھوڑ کر ایام ہاضمی کی عکاسی کے درپے تھی، اس زمانے کے مرثیہ نگار میں تھی ہے۔ اس میں اصل نگاری سے فخر کا عنصر الگ کر دیا گیا ہے یہ عجیب بات ہے کہ مرثیہ صرف افسانہ اور افسانہ میں پھیلا ہے جہاں ان دنوں اصل نگاری رائج تھی یعنی دکن اور لکھنؤ میں۔ اور مذہبی عنصر کی موجودگی نے اس میں شگ نہیں کہ اس رجحان کو تیز کر دیا۔

اصلیت نگاری میں ایک نقصان یہ بھی ہے کہ انسان کے روحانی جذبات پس پشت جا پڑتے ہیں اور بیرونی بیانیہ اور اندرونی تاثرات میں توازن قائم نہیں رہتا۔ لکھنؤ میں یہی ہوا۔ امانت اور دوسرے درجہ کے دیگر شعرا اندرونی عناصر کو بھول گئے اور انہوں نے

اس کو زن کو تباہ کر دیا جو فن کی اہلی صفت ہے صرف شہنوی میں یہ صفت باقی رہی اور اس میں بھی تنزل کے عناصر سریم کی شہنوی کے سحر ابدان کے ساتھ مقابلہ کرنے سے دریافت ہو سکتے ہیں۔

اس عرصے میں ایک نیا عنصر اپنا کام کر رہا تھا۔ کلکتہ میں انگریزی اثر کے ماتحت نثر اردو کو ترقی دینی جا رہی تھی۔ اس نے اثر کا مقصد صرف افادی تھا اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اہلیت نگاری کو تقویت پہنچی اور اس وقت تک اردو ادب کو جو ترقیاں ہوئی ہیں وہ سب اسی اہلی نگاری پر مبنی ہیں۔

اس مختصر اور تشنہ نظر سے یہ اندازہ ہو سکتا ہے کہ اردو ادب میں ہمیشہ یہ دو عناصر کبھی متضام اور کبھی الگ الگ برستے کار رہے۔ ہیں اور اردو کے ادبی ارتقا کے مطالعہ کا مقصد فی الحال یہ دیکھنا ہے کہ کس طرح نسلاً بعد نسل کبھی اس عنصر اور کبھی اس عنصر کو کامیابی حاصل ہوئی ہے۔ اس کے کسی ایک عنصر کی بڑی خصوصیت نہیں مگر اس میں شک نہیں کہ مطالعہ کا یہ طریقہ اختیار کرنے سے اردو ادب پر ایک نئی روشنی ڈالی جا سکتی ہے اور مستقبل کے نقاد کا فرض ہو گا کہ وہ ادبی ارتقا کے منازل کو خلوص قلب اور احتیاط کے ساتھ دریافت کرے۔ تعریف اور انتقاد کا مقصد نہیں۔ نہجۂ چین نقاد دیک کے کیڑوں کی طرح ہیں جو کتا میں کھا کر کتا میں پیدا نہیں کرتے۔ اہلی تنقید ادبی ارتقا کے بے تعصب مطالعہ کا نام ہے +

ظفر الحسن

ایک ڈاکٹر نے اپنی روتی ہوئی بیوی سے کہا کہ آنسو منسول شے ہیں۔ میں اُن کا تجزیہ کر چکا ہوں۔ اُن میں تھوڑا سا فاسفری چونا تھوڑا سا نمک باقی زرا پانی ہوتا ہے۔

کسی نے کہا ”معلوم نہیں اتنے لوگ سمندر پر کیوں جاتے ہیں جب اتنے دہاں رہ بھی جاتے ہیں۔ اُس کے دوست نے جواب دیا ”لیکن ہمیں معلوم ہو کہ اتنے لوگ ہنتر پر کیوں لیٹتے ہیں جب اتنے لوگ ہنتر ہی پر جان تک دے دیتے ہیں۔“

ایک اخبار نے اعلان کیا کہ ”مطیع زاد نظم“ بھی آئندہ انہیں نثر اور لطیفہ پر درج کریں گے جن پر ہم انتہا ملال متوج کرتے ہیں۔“

کہتے ہیں محبت اندھی ہوتی ہے۔ پھر تعجب ہے کہ اکثر عشاق کو آپ کے معشوق میں وہ کچھ نظر آتا ہے جو باقی دنیا کو نہیں نظر نہیں آتا۔

ہو لے ہو لے

(۱)

مینگھ پریم کا چھایا من میں پریتم بول پیدیا بولے
برکھارت اور رات اندھیری ناؤ پریم کی کھائے جھکولے
پورم پار بھری ہے گنگا کھیون مارے ہو لے ہو لے

(۲)

جل بھرایا نین کنول میں انسوں موتی پر تھوی روٹے
اس ہتی تھارا میں پریمی دھولے اپنے من کو دھولے
پورم پار بھری ہے گنگا کھیون مارے ہو لے ہو لے

(۳)

سنبل سنبل رے پریم کے جوگی من کی گانٹھ نہ کوئی کھولے
دیکھ دیکھ انمول سمے ہے، اپنے من ہی من میں رو لے

پورم پار بھری ہے گنگا کھیون مارے ہوئے ہوئے

(۴)

نہند پریم کی سب سے پیاری دکھ سہ لے پھر جی بھر سولے
ریت یہی ہے اس نگہ کی پہلے من کی مایا کھولے
پورم پار بھری ہے گنگا کھیون مارے ہوئے ہوئے

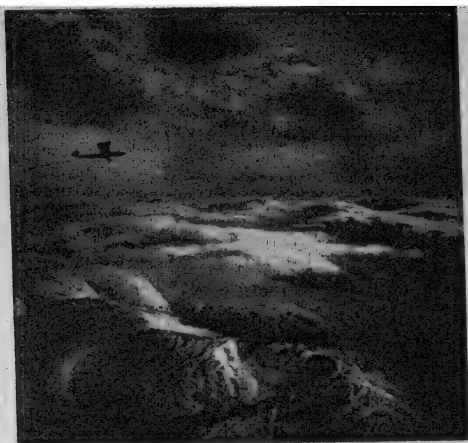
(۵)

آگ برہ کی آنگ جلاوے ہیہہ دھڑکن کے پڑے نہند
تن میں پران رہن نہ چاہیں جلدی جلدی ناٹھی ڈولے
پورم پار بھری ہے گنگا کھیون مارے ہوئے ہوئے

مقبول



اصبی



پرواز



مشهور هوا باز خاتون سلیمی جانسن

فیروزہ۔ (جیسے کسی سوچ میں ہو، ہوں)!

اسلم۔ کیوں یہ ہوں کیسی؟

فیروزہ۔ کچھ نہیں... ار... میں سوچ رہی ہوں کہ ابا اور اماں اس وقت کیا باتیں کر رہے ہوں گے۔

اسلم۔ یہ تو میں نہیں مانتا۔ کوئی اور بات ہوگی۔ یہ جھوٹ برونکب سے لکھا ہے۔ سچ سچ بتاؤ کیا سوچ رہی تھیں؟

فیروزہ۔ بتانے والی بات نہیں۔

اسلم۔ نہیں بھئی فیروزہ ضرور بتاؤ۔ تمہیں قسم ہے جو نہ بتاؤ۔

فیروزہ۔ اچھا پھر بتاؤں گی۔

اسلم۔ نہیں ابھی ابھی

فیروزہ۔ اچھا کل سہی

اسلم۔ (اسے بازو سے پکڑ لیتا ہے) ذرا میری طرف تو دیکھو۔ بتاتی ہو یا نہیں۔ اب منہ کیوں پرے کئے جا رہی ہو۔ بتاؤ۔

فیروزہ۔ چھوڑ دیجئے بازو چڑھانے کی کوشش کرتی ہے۔ اسلم دوسرے بازو سے بھی پکڑ لیتا ہے اٹھا کے واسطے چھوڑ بھی دیجئے۔ اماں

نے دیکھ لیا تو

اسلم۔ تو کیا دیکھ لیں۔ اب اُن سے کیا واسطہ، تم میری ہو اُن کی؟

فیروزہ۔ اچھا۔ باتیں تو پھر کر لیجئے اب چھوڑ دو دیجئے

اسلم۔ پہلے بتاؤ نہیں تو میں نہیں چھوڑوں گا خواہ صبح ہی ہو جائے۔

فیروزہ۔ تو آپ زبردستی پوچھتے ہیں اس طرح تو میں نہیں بتاتی۔

اسلم۔ زبردستی! بازو چھوڑ دیتا ہے! اچھا یہ لونہ بتاؤ (پہلے کو قدم اٹھاتا ہے)

فیروزہ۔ (رہنتے ہوئے) دیکھنا یوں چڑھاتے ہیں!

اسلم۔ اچھا! (رٹکے)

فیروزہ۔ (ایک قدم ہٹتے ہوئے) اب نہ پھڑنا، دیکھو نا اماں کتنی درد چلی گئی ہیں۔ وہ نہ ہوکل سے سیر رہی بند ہو۔

اسلم۔ تو پھر بتاتی کیوں نہیں ہوتی بھی، شک کیا، پھر کتنی ہوتھاری کرکسی، بات نہیں مانی!

فیروزہ۔ تو میں آپ کی کس بات سے، سکار کرتی ہوں!

اسلم۔ میں تم سے کہتا ہی کس چیز کو ہوں۔

فیروزہ - تو بہ! تو بہ! آپ کسی چیز کو کتے ہی نہیں! واہ!

اسلم - تو پھر یہ کیوں نہیں بتاؤ تیں؟

فیروزہ - تو ہے ہی کوئی بات - یوں ہی خیال آیا تھا۔

اسلم - کیا!!

فیروزہ - دُشمن کے، یہی کہ اب تو آپ کے اصرار سے بھائی اسلم کہہ لیتی ہوں، پھر کیا کہا کروں گی؟

اسلم - بس!!

فیروزہ - یہ بس ہی ہوا!

اسلم - (پچھے سے اس کی کمر میں ہاتھ ڈال کے، تو اچھا بتاؤ نہیں مجھ سے محبت ہے؟

فیروزہ - دیکھئے تو سہی کوئی دیکھ لے گا۔

اسلم - اس وقت کون کون کھت یہاں بٹکتا ہوگا! (پچھے دیکھ کے، یہاں تو آدم ہے نہ آدم زاد

فیروزہ - تو اس وقت اس سوال کی ضرورت ہی کیا پیش آگئی؟

اسلم - تو پھر تانے میں لمبی کیا حاج ہے!

فیروزہ - دُشمنی سے، مگر مجھے کیا معلوم!

اسلم - اچھا! اب معلوم ہی نہیں لوزا بتاؤ تو سہی۔

فیروزہ - کہہ تو دیا مجھے پتہ نہیں

اسلم (مذاق سے دونوں ہاتھ اٹھا کر گھڑنے کے انداز میں) خدا یا میرا اس خوبصورت اور شیریں لیکن نہایت شوخ و دُشمنی مٹا دے کیسے

گزارا ہوگا جو اپنے تانیا زادا بھائی کی منگوہ ہو کر بھی اُس سے یوں منکر کرتی ہے۔

فیروزہ - ہنستے ہوئے خدا کے واسطے آمین آمین

اسلم - دُشمن آمین آمین خدا یا مجھے اس حسین قنفذ سے بچاؤ۔

فیروزہ - بھائی اسلم خدا کے لئے ہر بات میں مذاق نہ کیا کیجئے

اسلم - تو بتاتی کیوں نہیں جو - بتاؤ نہ ہے کہ نہیں!

فیروزہ - اچھا ہے۔

اسلم ہے! آخر شکر ہے! اب بتاؤ کتنی ہے!

فیروزہ یہیں کیسے بتاؤں؟

اسلم کچھ تو کوشش کرو۔

فیروزہ۔ اچھا اتنی (دونوں ہاتھ پھیلا کے بتاتی ہے)

اسلم۔ کُل!

فیروزہ۔ ہاں تو اور آپ کو کتنی چاہیئے؟

اسلم۔ (سکراتے ہوئے) کُل تو اس سے زیادہ کتنی

فیروزہ۔ کُل کا دن کُل تھا!

اسلم۔ (یہ خوب کہتی ہوئی فیروزہ کی کمر کو بھیجیتے ہوئے) روز اسی نبت سے گھٹاتی گئیں تو دسمبر تک صفایا ہو جائے گا۔

فیروزہ۔ (جسم کو چمک دے کر اسلم کے بازو کی گرفت سے نکلنے کی کوشش کرتے ہوئے) اچھا یہ تو اب چھوڑ دیجئے، کوئی دیکھ لے گا

تو کیا کہے گا۔ آپ اباجان کا لمبی لحاظ نہیں کرتے۔

اسلم۔ تو دیکھتا کون ہے۔ پیچھے کوئی ہے نہیں اور پھر میرے بازو پر تمہارا برقع پھیلا ہوا ہے۔

فیروزہ۔ پھر بھی دیکھئے ناہم کتنی دور رہ گئے ہیں، ذرا جلدی جلدی ہی چلیئے۔

اسلم۔ (دکھ دیڑپ رہنے کے بعد) میں کتنا ہوں فیروزہ کاش تمہاری کوئی تصویر ہی ہوتی۔

فیروزہ۔ کیوں؟

اسلم۔ میں اپنے پاس ہی رکھتا۔ ابھی تین مہینے اور ہوں گے۔

فیروزہ۔ ماشاء اللہ اب آپ سے تین مہینے کا ہے کو کھٹے ہیں، خواہ پتہ بھی نہ چلے کب گزر گئے، میں جانتی ہوں آپ کو! بھولے

سے بھی کبھی یاد نہیں کرتے اور دن کاٹنے کو تصویریں مانگتے ہیں!

اسلم۔ (بھی تمہیں اتو شکی دنیا میں کوئی آدمی نہ ہوگا۔ تمہیں کبھی یقین بھی آئے گا کہ نہیں.... (جہلی طرافت غالب آتی ہے)

میں پہرہوں تمہاری یاد میں رویا کرتا ہوں اور موتیوں کی لڑیاں پر دیا کرتا ہوں۔

فیروزہ۔ جی! ایکوں نہ ہو، وہ کون ہے س لال آپ کی ہم جماعت چھوٹے بھائی بتایا کرتے ہیں، اُسے موتیوں کی لڑیاں پڑ

پرو کے دیا کرتے ہوں گے۔

اسلم۔ تو بہت عوز بالندہ تم نے دیکھی نہیں، خدا نہ دکھائے۔

فیروزہ۔ جی میں کیوں دیکھوں! آپ کی قلمی کُل جائے نا۔ چھوٹے بھائی تو کہا کرتے ہیں کہ بہت خوبصورت ہے۔

اسلم بعث بھیج اس پر۔ چھوٹے بھائی کی جگھے کسی نہ کسی دن مزد و مرمت کرنی پڑے گی۔

فیروزہ دہشتے ہوئے، کیا اس لال کی یاد میں؟

اسلم خود بھی ہنسنے ہوئے، اچھا اب نفع بھی کرو گس کا ذکر لے بیٹھا کرتی ہو، تم بتاؤ تمہاری کوئی تصویر بھی ہوگی فیروزہ۔ کیوں میں کہیں نہ تو بیکھر چاتی پھر ہی ہوں۔

اسلم۔ میں کہتا ہوں فیروزہ میرا جی چاہتا ہے کہ تمہاری

فیروزہ۔ کیوں رُک کیوں گئے؟ کیا جی چاہتا ہے آپ کا؟

اسلم۔ کچھ نہیں جانے دو۔

فیروزہ۔ نہیں بھئی ہم مزدور پوچھیں گے؛ آپ کو بتانا ہو گا۔

اسلم۔ نہیں نہیں کوئی خاص بات نہیں۔

فیروزہ۔ تو بتا دیجئے نا، کیا آپ سیری ضد کا بدلہ لینا چاہتے ہیں۔

اسلم۔ نہیں تو، مگر وہ بات ہو ہی نہیں سکتی۔

فیروزہ۔ کیا نہیں ہو سکتا؟ میری ذات کے متعلق ہے کیا؟ آپ بتائیں تو کسی؟ کوئی نامکن بات ہے؟

اسلم۔ اہل میں فیروزہ، میں سرتا ہوں کہ جو کچھ بھی میں اندازہ لگا سکا ہوں تمہارا جہم بہت ہی سڈول اور خوبصورت و لطیف ہے۔

فیروزہ۔ (سکھاتے ہوئے) میرے جہم کو آپ رہنے دیں، اپنی بات بتائیں۔

اسلم۔ یہی تو بات ہے۔

فیروزہ۔ کیا!!

اسلم۔ تمہیں تو معلوم ہی نہیں مگر مجھ سے پوچھو جب تم مگر میں چلتی ہو تو بعض دفعہ مجھ سے دیکھ نہیں جاتا۔

فیروزہ دھڑکتے ہوئے، بات ٹالنے کی خاطر تو کیا میں اتنی ہی بد صورت ہوں!

اسلم۔ راب کی تو فیروزہ کی کمر کو بھیج کے اپنے سے نبل گیر کرتے ہوئے، اس کا جواب تو یہی ہے۔

فیروزہ۔ (اپنے آپ کو چڑھاتے ہوئے) اٹھ کے لئے وہ دیکھو! باجان کھڑے ہو گئے ہیں، کہیں دیکھ ہی نہ لیا ہو۔

اسلم۔ بھئی بالوں سے بھی زیادہ بعض دفعہ کوئی تکلیف دہ چیز نہیں ہوتی۔

فیروزہ۔ تو یہ کد تو بہ۔

اسلم۔ میں نے کوئی کفر کا کلمہ تو نہیں کہا۔ اب تم ہی دیکھو کہ چا جان میں کہ ٹر ٹر کے دیکھنے کی کوشش کریں گے۔ بھئی کیوں؟

فیروزہ - رہتے ہوئے، آپ کو جانتے ہوں گے کہ ذرا آنکھ بھیجی اور

اسلم - اور کیا؟

فیروزہ - کچھ نہیں، آخر انہیں کسی تو پیچھے دیکھنا ہی چاہیے کہ ہم ہیں مٹی کی مٹاؤ ہو گئے ہیں اور اگر نہ دیکھیں تو ایسے علوم ہونے لگتا ہے گویا دانستہ طور پر پلٹ کے دیکھنے سے پرہیز کر رہے ہیں۔ مجھے تو سخت شرم سی آئے لگتی ہے۔

دوسرا بین

(شام کا وقت ہے۔ ایک جوان آدمی سوٹ پہنے ہوئے، چھڑی لئے اور ایک خاتون ساڑھی میں لباس پہنے دوپٹے پٹس میں باتیں کرتے ہوئے چلے جا رہے ہیں۔ سورج غروب ہو رہا ہے مغرب کی جانب افق پر سنہری، گلابی، اورغابی رنگ بکھرے ہوئے ہیں، کہیں سے زرد گلاب کی کیف اور خوشبو ہوا کو ہسکا رہی ہے سڑک کے ایک طرف سفیدے کے راست قامت، بلند و زنت، دھندلے میں چمک رہے ہیں۔ نزدیک کوئی اور بشر دکھائی نہیں دیتا۔ خیال ہوتا ہے جیسے یہ ولید یہ رسال محبت کرنے کے لئے پیدا ہوا ہے)

جوان آدمی (چھڑی گھماتے ہوئے) فیروزہ! تم برا نہ مانو تو میں ضرور کہوں گا کہ یہ جو تم نے باورچن رکھی ہے مجھے بہت پسند ہے۔
فیروزہ - پر کیوں؟

جوان - بکھیتی نہیں ہونی لگتی ہے اور پھر میں نہیں جانتا اگر کسی کو دعوت دینی پڑ جائے تو یہ کیا پکا سکتی ہے۔

فیروزہ - نہیں تو بالکل ہی بُری نہیں، اور پھر آپ جانتے ہیں باورچن میں کتنی شکل ہیں۔ باورچی اور دکھ دیتے ہیں۔ پہلے خانہ ماں کو آپ ہی نے نکالا تھا۔

جوان - اصل میں وہ آتا ہوا تو نہ تھا۔ مگر اس کا نام بھی اسلم تھا اور بعض دفعہ بہت مشکل پیش آجاتی تھی، کوئی ددرت اُسکے مجھے پکارے تو میں اسلم کا بھنگڑا اور دھماکے اُٹاؤں تو میں کئی دفعہ اپنے کمرے سے لہا لگا لگا گیا ہوں کہ کیوں خفا ہو رہے ہیں۔

فیروزہ - (ہنستے ہوئے) ہاں آپ کو یہ بھجن ضرور تھی۔ مگر وہ سوئے سلف اور دوسری چیزوں میں سے بہت کاٹا کھانا تھا۔ اب یہ باورچن کتنا چراتی ہو گی۔

جوان - خیر تمہاری بیٹی جانتی ہو میں تمہارے خانگی معاملات میں کوئی دخل نہیں دیتا مگر مجھے تو رخصت کیں کسی دن شرمندہ نہ کرانے فیروزہ - نہیں تو میں خود اس کی نگرانی کرتی ہوں امید ہے بہت کچھ لکھ جائے گی۔

جوان - مگر کب تک امیاں صغیر و بزرگ ہی کہہ رہے تھے کہ کبھی تم نے بہت مدت ہوئی ہماری دعوت نہیں کی، ہماری بیوی تمہاری میم صاحبہ سے ملنا چاہتی ہیں۔

فیروزہ کون ہے یہ آپ کے صغیر صاحب کی بیوی؟

جوان کون ہے؟ عورت ہے اور جہاں تمکین نے سنا ہے چندے آفتاب چندے

فیروزہ۔ ہاں ہاں دو تو میں سب کچھ جانتی ہوں، مگر ہے کہاں کی، اور کیسی ہے کن کی لڑکی ہے؟ جنتے ہو میں شخص کی چادر میں بٹی میں تو ان کی شادی پر نہ جا سکتی تھی۔

جوان دفعی کا نام سن کر، آج دفعی کو عبداللہ ابھی ہوا خودی سے واپس نہیں لایا تھا۔

فیروزہ میں نے ہی کہہ دیا تھا کہ باغ میں اسے رکھے ہم اسے وہیں ملیں گے۔

جوان تو پھر کب کرتی ہو میرا صغیر کی دعوت۔ آخر دعوت تو دینی ہی ہو گی۔ یہاں آئے ہوئے انہیں دیر تو نہیں ہوئی مگر آخر

صغیر جانتی ہو میرا

فیروزہ۔ ہاں ہاں وہ تو میں کئی دفعہ سن چکی ہوں۔ آپ یہ بتائیے کہ کب انہیں بلانا چاہتے ہیں۔

جوان۔ اس ہفتہ میں تو مشکل ہے، کل مجھے ایک جگہ چائے پر جانا ہے اور پرسوں دفتر میں کام ہو گا۔ یہ دو تین دن اور ہاں

ہفتہ کے دن شیخ صاحب کے ہاں کھانا ہے صغیر کو بھی ملا کھا ہے، یہ ہفتہ تو پورا ہو گیا۔

فیروزہ۔ تو چلو اتوار کو سہی، مگر اتوار کو بھی نہیں، اس دن تو مجھے صغیر کے ساتھ بازار جانا ہے کچھ کپڑا، کچھ اور چیزیں خریدنی ہیں۔

جوان۔ دسکرتے ہوئے، اگلی اتوار تک جناب کو کہیں ملنے جانا ہو گا۔ اور اس سے اگلی اتوار کو شاید اور سیلی آ رہی ہو گی۔

فیروزہ۔ جی! جیسے کل آپ کی چادر پرسوں آپ کے شیخ کی دعوت اور اتوار میں

جوان (دند بول کر) تو میں دعوت سے انکار کر دیتا ہوں، یا لوں کہ تو پرسوں دفتر نہیں جاتا جیسے تم کہو۔

فیروزہ۔ اب آپ ناحق مجھ سے تو ناراض ہیں ہوں نہیں، کیونکہ میں نے صغیر سے 'شانگ' کا فیصلہ تو بہت دنوں سے کر رکھا ہے

اور لڑکوں کی تمیصوں کے لئے کپڑا ملا ضروری ہے اپنے لئے میں گرگابی لاؤں گی، دفعی کے لئے سویرا اور

جوان۔ ہاں، ہاں، بالکل! میں بھول گیا تھا یہ چیزیں بھلا کیسے رک سکتی ہیں ان کا لانا تو سخت ضروری ہے۔

فیروزہ۔ آپ ناحق الجھتے ہیں، آپ ہی جانتے ہیں آپ کی سچ صغیر صاحبہ جانتے ہیں تو اچھا رہے کہ رکاوٹوں کی تمیصیں پرانی ہوں اور نہ

اُن کی جہیں ہوں اور نہ میرے پاؤں میں کوئی کام کی گرگابی ہو۔

جوان۔ آج جناب کی اس وقت کتنی گرگابیاں گھریں ہو گی۔

فیروزہ۔ بس یہی تین چار ہوں گی، ایسی کونسی زیادہ ہیں اور سبھی دس دس میں ہیں دفعہ پہنی جا چکی ہیں

جوان! ٹھیک! بالکل! لے آئیے میں غلطی پر تھا۔

نار سے احتیاط کر لے کر کہتے ہیں۔

فیروزہ۔ آپ واقعی بڑا مانتے ہیں تو میں نہیں جاؤں گی، صغیر کو آج شام ہی کھلا بھیجتی ہوں کہ کام پڑ گیا ہے۔ اس اتوار کو فرصت نہیں ہوگی۔ تو پھر آپ کل چائے سے واپس آتے ہوئے تنہی کا سوئیٹر اور لڑکوں کے لئے کپڑا اور چرخیے کے عمدہ سے گلاس اور کچھ چینی کی اچھے ڈیزائن کی پلیٹیں اور چائے کا

جوان۔ ہنس کر، بڑی چالاک ہو، جانتی ہو کہ یہ عذاب مجھ سے نہیں ہو سکے گا بس چیزیں گنتی شروع کر دیں۔
فیروزہ۔ نہیں کچھ ایسی زیادہ تو نہیں چاہتی اور تو لیے اور صابن اور تھوڑا سا عطر
جوان۔ بجسی مجھے صاف کر دو میں بازار آیا۔ تم خود بازار جاؤ اور صبح سے شام تک شاپنگ کرو، دعوت پر کو کر دیں گے۔
فیروزہ۔ آخر آپ کو چیزیں خریدنے سے کیوں نفرت ہے۔ اپنے بوٹ سوٹ معلوم نہیں کیسے خرید لیتے ہیں۔
جوان۔ ان میں ٹر تو نہیں ہوتا کہ جناب کی منظوری یعنی ہوگی جیسی پسند آئی لے لی۔ تمہاری اور گھر کی چیزیں کون خریدے۔
کون مصیبت مول لے۔ نوکر تک کی لائی ہوئی چیزیں تمہیں پسند نہیں آتیں خواہ وہ بوٹ پالش ہی کیوں نہ ہو۔

فیروزہ۔ تو آپ جانتے ہی ہیں وہ کتنا جاہل ہے لاکھ ہدایتیں کر دو، لاکھ تدابیر بتاؤ بازار میں سب سے بری چیز خرید لانے میں اسے وہ کمال ہے کہ مثال نہیں مل سکتی۔ اسے تو بس مخفی دے دو اور شام کو پیریم میں اسے سیر کرالائے اور معلوم نہیں کہاں کہاں کی۔
جوان۔ مجھے کبھی خیال ہوتا ہے کہ میں مخفی کو بیٹھا چھوڑ ادھر ادھر نہ ہو جاتا ہو۔

فیروزہ۔ نہیں باکل ہی تو ایسا نہیں ہو گا اور اب دیکھ ہی لیتے ہیں باغ بھی آہی گیا ہے۔

جوان۔ یہ احمد بھی ساتھ چلا جایا کرے۔ یہ بھی کھیل ویل آیا کرے۔

فیروزہ۔ مگر وہ تو بڑے جہائی کے ساتھ یوں چٹا رہتا ہے کہ پل کو جدا نہ ہو اور اکیلا تو کبھی سیر کو نہ جا۔

جوان۔ دیکھ چڑکے دیکھتے ہوئے اپنے لڑکوں سے، حمید اور احمد کیا باتیں ہو رہی ہیں؟

حمید۔ رہا پ کی اس توجہ سے گھر کے کچھ نہیں دھی!

جوان۔ کچھ نہیں! اور ابھی تو گرم گفتگو ہو رہی تھی۔

حمید۔ یوں ہی تھی جی۔

فیروزہ۔ آپ چھوڑیں انہیں نہیں اپنی ہی ام کہانیاں کہنے دیجئے۔

راتنے میں باغ میں داخل ہوتے ہوئے زبان کچھ چرا ہے میں جانتے ہیں۔ یہاں نرم گھاس پر بہت سے بچے اور ان کی آیامیں

اور نوکر ہیں۔ بچے کھیل رہے ہیں پاس کئی ایک پیریم کھڑے ہیں)

جوان۔ یہاں عبدالمند تو دکھائی نہیں دیتا۔

فیروزہ۔ (تجسس نظروں سے بچوں کی طرف دیکھتی ہوئی) وہ رہا نخی کا پریم۔ سو رہی ہے کیا؟
جوان۔ (دُریب جاتے ہوئے) نہیں تو لیٹی ہوئی ہے اور یونی ٹانگیں ہوا میں چلا رہی ہے۔

فیروزہ۔ (نخی کو اٹھا کر چستے ہوئے) کہاں ہے عبدالمد؟

جوان۔ (دیکھتے ہوئے) وہ تو نہیں وہ اُس آیا کے پاس باتیں کرتا ہے ہنس ہنس کے اس کے ساتھ
فیروزہ (گھوڑ کے دیکھتے ہوئے) وہی ہے۔ آپ اُدازیں۔

جوان۔ عبدالمد! عبدالمد!!

عبدالمد۔ (بہت گھبرا کر اٹھتے ہوئے) جی۔

جوان۔ کیوں بھئی اچھا انتظار ہو رہا ہے ہمارا؟

عبدالمد۔ نہیں جی ابھی ابھی تھی کے پاس سے گیا ہوں یہاں کوئی ڈر تو نہیں ہے اتنے واقف نوکر ہیں۔

جوان۔ خیر اب تو تم جاتے ہیں تم حمید اور احمد کو بھی اپنے ساتھ ہمیں رکھو! اُدھ گھٹے ٹنگ لے آنا۔

عبدالمد۔ اچھا جی!

جوان۔ (دوایں آتے ہوئے) یہ تو یہاں اپنا وقت آیا دل کے ساتھ گزرتا ہے۔

فیروزہ۔ دیکھی ہے وہ آیا آپ نے؟

جوان۔ یونہی سرسری نظریں تو پتلی سی موٹی موٹی آنکھوں والی دکھائی دے رہی تھی، مگر شام کا وقت ہے۔

فیروزہ۔ اگر روزی بھی کچھ ہوتا ہے۔ تو ٹھیک نہیں۔

جوان۔ یہ آج ثابت ہوا کہ نوکر دل پر بھی نظر کھنی پڑتی ہے۔

فیروزہ۔ ایسی عادتوں والے آدمی کا گزارہ میرے گھر میں مشکل ہے

جوان۔ ہاں ہاں سخت بُری بات ہے۔

فیروزہ۔ اور اگر یہ نخی کی یونہی بے چارائی سے نگہداشت کرتا ہے تو خواہ اسے کوئی اٹھا ہی کے لے جائے۔ اپنیس پڑھتے

آج اس کا بچہ کھو گیا اور کل میر کرتے ہوئے کوئی لڑکی پریم سے اٹھا کے گیا۔

جوان۔ بالکل یہ بہت بُری بات ہے۔ اس کا بندوبست کرنا چاہیئے۔

تفسیر اسین

نوم بہاد کی ایک غنیریں شام ہوسوا کی کچی کچی تھوڑی تھوڑی سرودی ہوا کی نرم اور عشق چٹکیوں میں مل ملا کر سیر کرنے والوں کے لئے باعث تفریح و انبساط ہو رہی ہے۔ سورج غروب ہو چکا ہے آسمان پر ہلکا سا نازک اور نرگین غبار چھایا ہوا ہے خوشبوئیں آس پاس کے باغیچوں سے آ کر طرکوں پر مست ہوئی پھرتی ہیں۔ درخت اپنے متین اور پراسرار انداز میں ہلکے ہلکے سڑن میں جھوم جھوم کر ایک دم اور موہوم مگر سرد و بکھر نغمہ گار ہے ہیں۔ ساری فطرت سُن رہی ہے اسی غمور سے میں چند افرا و سیر کرتے ہوئے جا رہے ہیں۔ سبک آگے ایک محرق شخص ہے جس کی عمر کا پاس برس کے لگ بھگ ہوگی، اُس کے ساتھ ایک خاتون ہے جو اگرچہ سیم کے لحاظ سے بہت عمر کی معلوم نہیں ہوتی، مگر چہرے سے پتا چلتا ہے کہ اس کی عمر بیسالیس سال کے قریب ہوگی۔ یہ اسلم صاحب اور فیروزہ ہیں۔ ان کے پانچ ایک گڑ پیچھے فوجوان لڑکے لڑکیوں کا ایک چھوٹا سا گروہ ہے۔ مگر ان سے بھی پیچھے دو شخص (ایک فوجوان اور ایک لڑکی) چپ چاپ چلے آ رہے ہیں۔

خاتون (پیچھے دیکھتے ہوئے، اتنی جلدی تو نہ چلے، لڑکیاں پیچھے رہ جاتی ہیں اور مجھے فکر لگا رہتا ہے۔

اسلم صاحب۔ بیگم تمہیں تو یونہی کوئی نہ کوئی دھڑکا لگا رہتا ہے۔ اب کس بات کا فکر کر رہی ہو۔

بیگم۔ آپ کو تو کسی چیز کا خیال ہی نہیں ہوتا تو کیا میں بھی اندھی بنی رہوں

اسلم صاحب۔ مگر خفی کا کیا ہوتا ہے؟

بیگم۔ آپ کی بے پروائی بھی تو بے موقع ہی ہوتی ہے۔

اسلم صاحب (کچھ دیر چپ رہنے کے بعد) میں تو نہیں سمجھ سکا کہ اس وقت میں کوئی بے پروائی کر رہا ہوں

بیگم۔ پروائی لڑکی ہے آپ کو کیوں پروا ہو!

اسلم صاحب۔ مگر کون؟

بیگم۔ ممتاز اور کون!

اسلم صاحب۔ مگر ممتاز کب سے پرائی ہو گئی۔ تمہاری بھانجی ہے اور مجھے پروائی لگے! کیوں؟

بیگم۔ آپ کہیں جان بوجھ کے تو تجاہس نہیں کر رہے۔

اسلم صاحب (کچھ میں جبیں ہوئے مگر میں تو یہ سمجھ نہیں سمجھ سکتا۔

بیگم چپ ہو جاتی ہیں۔ پیچھے سے قہقہے کی آواز آتی ہے)

بیگم۔ میں نے آپ سے کہا بھی تھا کہ حمید سے کہہ دیجئے۔

اسلم صاحب۔ کیا؟

بیگم۔ تو بآپ کے حافظہ کو کیا ہو گیا ہے؟
اسلم صاحب۔ مجھے کونسا ہو تو گھر بیٹھ کے کوس لیا کرو، یہاں آدمی سیر کو آتا ہے نہ اپنا سر کھپانے کو۔ اور پھر حمید سے جو کچھ
کہنا ہو تم خود نہیں کہہ سکتیں، میرا زیادہ حق ہے اس پر؟
دیکھ دیرو دونوں چپ رہتے ہیں۔ اتنے میں سڑک دائیں طرف کو مڑتی ہے۔ بیگم مڑتے وقت پھر ایک نظر پیچھے ڈال لیتی ہیں۔

دوسرے لوگ ان سے دور رہ گئے ہیں۔ وہ دونوں جو سبکے پیچھے تھے اب بھی پیچھے ہیں۔
بیگم۔ آتنا بڑا ہو گیا ہے اسے شرم نہیں آتی کہ اور بھائی بہنیں میں کیا کہیں گی، ہر وقت ممتاز کے ساتھ ساتھ.....

اسلم صاحب۔ کون؟ حمید!

بیگم۔ اور کون!

اسلم صاحب۔ اچھا اب یاد آیا۔ وہ کہتی تھیں حمید سے کہنے کو۔

بیگم۔ شکر ہے آپ کو یاد تو آ گیا۔

اسلم صاحب۔ بیگم کی طرف دیکھ کے، یہ آج کیوں تم صلی کٹی باتیں کر رہی ہو؟

بیگم۔ جواب نہیں دیتی۔ میں عین گزرتی فائوش پلے جاتے ہیں،

اسلم صاحب۔ میں کہوں بھی اسے کیا پیس سال کا ہو گیا ہے، نوکر ہے مگر کتنی ٹھیک ہو یہ طریقہ اچھا نہیں۔

بیگم۔ میں خود اسے کتنی بھجکتی ہوں۔ منہ پھٹے، بدمیز تو نہیں مگر نہ جانے آج کل کے لوگ زبان کے اتنے آزاد

کیوں ہیں۔

اسلم صاحب۔ اور ابھی تو ان کی سنگینی ہی ہوئی ہے!

بیگم۔ پھر یہ خیال بھی ہوتا ہے کہ پیچھے سے اکٹھے پڑے ہیں، برسوں ایک جگہ رہے ہیں، اموں کی لڑکی ہے اور اب تو بھائی یو

نے بھیج بھی ہیں دی ہے۔

اسلم صاحب۔ مگر کیا کر رہے ہیں وہ، کیا کچھ بے نگہانی کر رہے ہیں؟

بیگم۔ اب میں سڑک کے تو دیکھنے سے رہی۔ آخر اسے شرم نہیں تو مجھے تو اس کا اور اس کے بھائی بہنوں کا لحاظ ہے۔

اسلم صاحب۔ مگر وہ ہمارے ساتھ ہی کیوں نہیں چلتا

بیگم۔ یہ آپ اس سے پوچھیے۔ مجھے تو کسی وقت ممتاز ہی بڑی لگتی ہے، گھر میں کہیں بیٹھے ہو حمید کی آنکھیں تو

ممتاز کے چہرے پر گڑھی ہوں گی۔

اسلم صاحب۔ تو ان کی شادی ہی جلد کر دو۔

بیگم۔ بس ہاتھ سے ہی جائے گا!

اسلم صاحب (دسوچ کے) اگر یہ پریشانی اور یہ ذمہ داری جو محسوس کر رہی ہو، اس سے تو نجات پاؤ گی۔
(چند لمحوں تک پھر دونوں خاموش رہتے ہیں۔) (لہنتہ ان کے پیچھے چوڑے لڑکیاں ہیں، وہ ہنستے کھیلنے ایک دوسرے کا ہاتھ

اڑاتے چلے آ رہے ہیں۔ اب حمید اور ممتاز بھی ان میں شامل ہیں)

اسلم صاحب (مظہر مظہر کے بات کرتے ہوئے) آؤ۔۔۔۔۔ پھر۔۔۔۔۔ کیا علاج تجویز کرتی ہو۔

بیگم۔ میں کیا کہوں کم از کم جب سیر کو آیا کریں تو ایک دوسرے کو چھوڑ دیا کریں۔

اسلم صاحب (آہستہ سے اور رک رک کے) مگر۔۔۔۔۔ اے۔۔۔۔۔ شاید ان کو آپس میں۔۔۔۔۔ کچھ۔۔۔۔۔

رغبت ہو۔

بیگم۔ (زیوریں چڑھا کے) رغبت نہیں خاک ہو۔

(اس پر دونوں ایک عرصے تک چپ رہتے ہیں)۔۔۔۔۔

فیاض محمود

”خدا جانے میرا بھائی مجھے تنہا چھوڑ کر کدھر چلا گیا؟ اکیلا کھیلنے کو دل نہیں چاہتا۔ بہار آنے والی ہے۔ باغوں میں ہر روز صبح کو کلیاں کھلیں گی اور بھونرے ان کے ارد گرد جمع ہوں گے۔ انگوٹھی پکے ہوئے ہیں۔ لیکن مجھ سے اکیلے نہیں کھائے جاتے۔ خدا کے لئے مجھے بتاؤ۔ میرا بھائی کہاں ہے؟ آہ! مجھے تنہائی کو ڈر لگتا ہے۔ میرے بھائی کو دل ہلاؤ۔“

”ابھی تم کہیں ہو تم نے ان کی نیڑتوں سے ناواقف ہو۔ تمہاری آواز تمہارے بھائی کے کانوں تک نہیں پہنچ سکتی۔ اُس کا چمکتا ہوا چہرہ تم دوبارہ اس دنیا میں کبھی نہیں دیکھ سکتے۔ اس کی زندگی گلاب کے پھول کی طرح مختصر تھی۔ میرے پیارے! تم اکیلے ہی کھیلو۔ تمہارا بھائی بہشت میں ہے۔“

”میرے بھائی کو پرندوں اور پھولوں سے بہت محبت تھی۔ اب وہی موسم آ رہا ہے جب ہر طرف پھول ہی پھول نظر آتے ہیں۔ کیا میرا بھائی اُس وقت بھی وہیں نہ آئے گا؟ اُس کی جدائی میں میرا یہ حال ہو رہا ہے کہ وہ جگہ جہاں ہم دونوں بیٹھ کر کھیلا کرتے تھے، وہاں اب ایک پل بھی عین نہیں آتا! میرے اللہ! مجھ پر رحم کر! میرے بھائی کو واپس بھیج!“

محمد یعقوب

(ترجمہ)

دل می رود ز دستم

لے لیا دل اک مٹ شربانے کان شوخی، جان جیانے

آفت جانے، فتنہ شہرے جان بھانے، روح دروانے

جس کتے تبسم کے دامن میں برق کی ریوچلی کے خزانے

وقت غم ناز جلموں میں صبح چین کے تازہ ترانے

بکھری، ابھی زلف سیہ میں شام طرب کے لاکھ فسانے

جنش لعل عہد شکن میں کتنے حیلے، کتنے بہانے

رقصاں تاب چشم سیہ میں کیف کے دن شوش کے زمانے

رخ پر کا زلف کی لہریں لمحے جیسے شرب کے سہانے

گاہ بلبِ حدیثِ نوشیں گاہ بگردنِ تیغِ روانے

گاہِ جہلوتِ سیاہِ خموشے گاہِ جہلوتِ شعلہ زانے

گاہِ بختِ آریہِ رحمت گاہِ بہ زقارِ آبِ روانے

گاہِ تہلطفِ نرمِ نیسے گاہِ بہ تختِ کمانے

گاہِ بہ نورِ صبحِ یقینے گاہِ بہ ایرِ شامِ گمانے

گاہِ بہ شوخیِ مستِ غزالے گاہِ بہ مستیِ خوابِ گرانے

گاہِ بہ سنگِ گفتِ حدیثے گاہِ بہ پہلوِ رازِ نہانے

شکر، کہ بختِ جوشِ کے عقدے

کھول دیئے پھر فضلِ خدا نے

جوشِ ملیح آبادی

بتانِ پشاور

ہماری زبان میں میثار شاعرانہ اصطلاحات کچھ اس طرح گھل مل گئی ہیں، کہ ان کے اصل مفہوم کو لغوی معنوں سے کوئی تعلق ہی نہیں رہا ہے، جیسے ”نام خدا سے خدا کا نام مراد نہیں ہوتا“ بلکہ ہم اس لفظ کو ”کم سن“ کے معنی سے تعبیر کرتے ہیں، یا لفظ ”دھان“ پان کی جھنک پڑتے ہی کسی نازک اندام محبوب کا تصور ذہن میں کھینچ جاتا ہے۔

اس دہرے سوچتا ہوں، کہ کہیں میرے مضمون کا ترجمین عنوان ”بتانِ پشاور“ دیکھ کر اہل دل دھوکا نہ کھا جائیں اور ضائع ہو جائیں۔ گو ناگوں قصورات کی بھول بھلیاں میں پڑ کر کہیں کے کہیں نہ جا نکلیں، اور اصل بھید کھٹنے پر اپنی غلط فہمی نظر انداز کر کے مجھ غریب کو معتبوب ٹھہرائیں۔

لہذا پہلے ہی کیوں نہ عرض کر دوں کہ یہاں ”بتانِ پشاور“ سے جڑتی جاگتی تصویریں مراد نہیں، جو قصہ خوانی بازار میں چلتی پھرتی ہنستی بولتی نظر آتی ہیں، خطا معاف میرا مقصد کچھ اور ہی ہے:-

وہ یہ کہ سالہ ۱۹۱۲ء میں جبکہ ہجرت و خلافت کی ہنگامہ آرائیاں فرو ہو کر سرحد کی فضا پر ایک ہولناک کھوت طاری ہو گیا، تو مجھے سوچھی کہ کبھی یہ وجود تو اچھا نہیں اور کچھ نہ بھی آؤ وہاں چل کر علمی و ادبی ہی سلسلہ جنبانی کریں، ایسے میں سرحد سے کوئی اخبار یا رسالہ بھی نہیں شائع ہو رہا ہے، ہم خرماد و ثواب کا مضمون ہو جائیگا سچا نچہ اس منصب العین کے تحت میں اور عزیز می ملک جمال الدین جٹن بھٹی پشاور گئے، اور جس طرح بھی ہو سکا ایک ماہوار رسالہ ”ماطف“ نکالا۔

میں نے پرورش پائی ہے گویا میں جہاں کے پہاڑی قلعہ میں لگے وقتوں کے صبی حکمران ہوتا ہوا بدعہ کے بیشمار رُبت، انواع و اقسام دیوبی دیوتا، مانتی گھوڑے عجیب غریب اشکال، دنیا سے زالے و جوش و طیلور کے سنگی مجسمے اور نہ جانے کیا کیا آلا بٹا بنا گئے ہیں۔

کیونکہ وہ قلعہ میرا گھر انگن تھا، اس لئے کہہ سکتا ہوں کہ میں توں کے پڑوس میں پڑاں چڑھا، اور شاید یہی سبب ہے کہ مسلمان ہونے کے باوجود توں سے اس درجہ مانوس ہوں کہ جہاں کہیں بھی ان کے تعلق کچھ سن گن پاؤں انہیں دیکھنے کو جی چاہنے لگتا ہے، ان کے عقیدت مند زمروں کی تو نہ جانے ان روشنوں سے کون کون سی آرزوئیں وابستہ ہوتی ہوں گی، مگر یہاں نہیں دیکھ کر وطن کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔ ان کے سبب سے بھولی سرجیبتیں آنکھوں میں پھر کر صیبا لطف آتا ہے کیا کہوں۔

پشاور پیچھے ابھی کچھ زیادہ دن ہوئے تھے، مانتا کیا ہوں، کہ لیجئے صاحب مبارک ہو وہ ہوتا یہاں بھی براجمان ہیں۔

خوب! کہاں پشاور کہاں ہما تابدہ، ان کی زاد ولوم تو کپل دستو بنتا ہے، جو یہاں سے کالے کو سول دُور نیپال کی ایک بستی تھی، بُرا دھوا مارا، اس قدر لمبی مسافت طے کر کے کابل کے ڈانڈے تک پہنچے، پشاور میں جو ایک اسلامی شہر ہے، ہما تاجی منگل چاکر رہے ہیں، پھر خیال آیا نہیں نہیں۔

”آج کعبہ بن گیا، کل تک یہی بُت فاند تھا“

ٹھیک ہے ہما تابدہ کا راج پاٹ تو چین جاپان تک ہے، اس لحاظ سے پشاور کیا دور ہوا، بیشک کسی زمانہ میں یہ علاقہ ان کا حلقہ موثر رہا ہوگا۔

بہر حال کوہ کوہ وطن چھوٹے ایکے مانہ گز گز کیا تھا، اس خبر سے مجھے حیرت ہوئی، ناگیا کرنا لڑنے سے علاقہ سرحدیں محکمہ تدارت دیر تائم ہے۔ جب محکمہ تائم ہوا تو اس نے تھائی تاریخ عینہ سببہ زبانیات اور دیگر قرآن و آثار کے مطابق شاہجی کی ٹھیکری جمال گڑھی بالا حصار تخت باہی اور سری ہول وغیرہ مقامات پر کھدائی کا کام شروع کر دیا، مطلب ملوک بڑی چیز ہے۔ بہت جلد اور گیتی نے میٹھ بھاڑنے لگنے شروع کر دیے۔

جا بجا نہ خانے پائے گئے جن سے مٹی پتھر چونا، لولہ، تانبا، کانسا اور پتیل کی مختلف اشیاء، فلارتن، بھانڈے، بُت، کتے، مہرین زیورات اور انواع و اقسام کی اشیاء برآمد ہوئیں، پھر تاریخی علمی تحقیقات اور سخت چھان بین سے ثابت ہوا کہ یہ وہ عجائبات ہیں، جو اب سے قرونِ پہلے حکومت گندھارا کے فرماں رواؤں نے ان تھانوں میں محفوظ کئے تھے اور جن پر انقلابِ زمانہ اور مخلوق کی لاعلمی نے گہرے پردے ڈال دیئے تھے۔

جنہوں نے مجھے یہ خبر دی تھی، میں نے اُن سے سوال کیا:-

کیوں جناب! اس وقت وہ اشیاء میں کہاں؟

جواب ملا۔ صدر ٹیشن کو جلتے وقت اٹے مٹھ پر ایک عمارت بلتی ہے، ”وکتور یا میوریل ہال“ وہاں!

میں۔ کیا وہ یہاں کا عجائب خانہ ہے؟

فرمایا۔ بات یہ ہے کہ ان اشیاء کو قریب سے رکھنے کا پہلے سے کوئی خاص انتظام تو تھا نہیں، اور نئی عمارت تعمیر کرنے میں دقت معلوم ہوئی، اس واسطے سال ۱۹۱۷ء میں محکمہ آثار قدیمہ نے گورنٹ سے اجازت لے کر وکتور یا میوریل ہال میں برآمد شدہ اشیاء سجادیں، جب سے یہ ہال منتقل تو عجب سجانے ہی کام دیتا ہے، لیکن کبھی کبھی اس میں طرح طرح کے جلے، سرکاری دربار اور مختلف امتحانات بھی ہوا کرتے ہیں میں نے پوچھا:-

کیوں جناب! کیا وہ عجائبات میں بھی دیکھ سکتا ہوں؟

جواب دیا۔ کیا ہوا، جس کا جی پتا ہے دیکھو، کچھ ممانعت تھوڑی ہی ہے۔

اب میں نے سوچا کہ بمبئی یوں جانے میں نہ تو کچھ لطف آ سکتا ہے، اور نہ ضروری معلومات حاصل ہونے کی امید کیا ہی اچھا ہوگا

مقامی مہربانوں میں سے کوئی خوش مذاق اور علم و دست کرم فرما اس سیر میں شرکت فرمائیں جب میں نے پشاور کے احباب پر نظر ڈالی اور عرض کیا تو مخلص بندہ حضرت میاں محمد صاحب خالص مکی ثم پشاور سی ایک ایسے صاحب سمجھ میں آئے جن سے اس معاملہ میں امداد کی توقع کی جاسکتی تھی۔

گو اس وقت اُن سے نئے نئے تعلقات قائم ہوئے تھے، تاہم یک نگی شرط ہے، رابطہ اتحاد استوار ہوتے اور مراہم ہڑتے دینیں لگتی، چنانچہ دو ایک ہی نشستوں میں ہم اچھے خاصے بے تکلف ہو گئے تھے، جب میرے کہول میں عجائب خانہ کا تذکرہ چھڑا اور خالص صاحب سے استدعا کی گئی تو انہوں نے بلا تاؤل تا سید فرمائی اور ساتھ چلنے کی صلاح بھی ہو گئی۔

حُسن اتفاق سے خالص صاحب کے ایک دوست جناب دلاور خان صاحب کی نگرانی میں عجائب خانہ تھا اس طرح گویا مجھے نزدیک کر لی کی امید بندھ گئی، خالص صاحب کے ہمراہ عجائب خانہ پہنچا، تو دُعاں کیا دیکھا:-

عمارت میں داخل ہوتے ہی برآمدے کے اسی بازو میں دفتر کا کمرہ ہے، ہم وہاں گئے، خالص صاحب نے میرا اور ملک صاحب کا دلاور خالص صاحب تعارف کرایا، خالص صاحب موصوف جو کہ خلق مجسم ہیں نہایت تپاک سے ملے، خاطر تواضع آؤ بھگت اور پراز معلوٹا گفتگو کے بعد چاہتے تھے کہ تکلیف فرما کر خود ایک ایک چیز دکھائیں، لیکن میں نے شکریہ ادا کر کے گزارش کی، بندہ نواز زیادہ زیر بار نہ آئیے، آپ نے بوت کچھ بتا دیا، اب میں اپنے آپ دیکھ لوں گا، البتہ ذرا ایک فیئہ ہو تو عنایت کر دیجئے تاکہ اگر کہیں کچھ ناچنے کی ضرورت پیش آئے تو وقت نہ ہو۔

کمرہ سے نکل کر عجائب خانہ میں داخل ہوئے وقت سنگ سیاہ کے دُبت دھڑا دھڑا استادہ نظر آئے، یہ بدھ ستو مورتیں ہیں جو ۱۹۰۹ء میں سہری بھلول سے برآمد ہوئی تھیں، ان میں سیدھے ہاتھ والے صاحب ۱۲۳۶ء کی لمبائی آٹھ فٹ چھ انچ، سینہ کی چوڑائی دو فٹ سات انچ، نعلی اور دوسرے ہاتھ والے ہاتھ تا نو فٹ آٹھ انچ لمبے، دو فٹ پونے چار انچ چوڑے تھے۔

یہ حضرات گویا ریا بعض دیگر مقامات کی بدھ مورتوں کی طرح بالکل برہنہ نہیں، بلکہ کندھوں سے لے کر پنڈلیوں تک سنگینا کے لباس پر ایک ایک چادر اوڑھے، غلط کرنے کا سا انداز بنانے پابریہ نہ کھڑے ہیں سر سے انگشت پائے کے ناخون تک کچھ عجیب ہی تناسب ہے، دلدادہ کاری کرنے ہاتھ پیر کے انگوٹھوں اور انگلیوں کے ناخون تک اس خوبی سے ظاہر کئے جنہیں دیکھ کر انسان انجنت بدنداں رہ جائے۔

سبحان اللہ جب اس کٹی بھار اور اجڑے وقار پر کمال صحت سے غلبہ ہو جلتے ہیں تو خیال فرمائیے اس وقت ان صنوی معبودوں میں کیسی بے پناہ کشش ہوگی جب اُن کے پرستار وادہی کی نیت سے اُن کے قدموں میں سر ڈال کر اپنا دکھڑا روتے ہوں گے، یا یہ نوبت پہنچی کہ اُن تبوں پر جو حاجت روائے عالم مانے جاتے تھے، ایک عبرت ناک سناٹا طاری ہے اور بیچارے مجبور

انسانوں کی طرح اپنی معذرتی پر خاموشی سے غور کرتے معلوم ہوتے ہیں۔

اگر ان کے بندے خدا کی قدرت سے اسی مذہب تک پہنچائی ہوئی دھواں زندہ ہو جائیں اور انہیں ایسی کس پرسی میں پھنسیں تو نشانیہ

انہیں جھٹلائیں اور جھگڑیں کہ نہیں نہیں تم ہمارے خدا مرگے نہیں ہو۔

کیونکہ جس وقت یہ ظن اند پر خدائی کہے تھے تو ایسی کس پرسی نہ تھی، مہندو تو صرف گہی میں سینہ در ملا کر اپنے دیوی دیوتاؤں پر چلا چڑھاتے ہیں لیکن جیسا کہ خدا اور مشائے ظاہر ہوتا ہے، ان کے پجاریوں نے ان کو نہری رو پہلی آبا و درنگا رنگ بوتلوں سے آراستہ کیا تھا، اس وقت سرکا لالہ جو انوار و تجلیات کا منظر مانا جاتا ہے ٹوٹ گیا، ماتھ کٹ گئے، چہرہ کا رنگ اڑ گیا، آہ کئی ماہ میں ان کی بارگاہ تک نہ کہیں و ناکس کی رسائی نہ تھی، ان کا جم بخور و عطیات سے مسطر رہتا تھا، ان پر پھولوں اور جواہرات کی بارش ہو کر تھی تھی، اب نلاکت زدوں کو رونے کے لئے مزدور نہیں ملتے، بیچاروں پر وہ مصیبت نازل ہوتی جس کے ماتم میں آج سیاہ پوش نظر آتے ہیں۔

ان عجائبات میں سب سے زیادہ عجیب چیز جو واقعی پیش بہا نوادرات میں شمار کی جانی چاہیے کنشٹنٹینا سے ۱۹۰۹ء میں ڈاکٹر ڈی۔ جی اسپنر کے ذریعہ سے برآمد ہوئی، یہ کالنے کی ایک عجیب و غریب تاج نما ڈبہ تھی جس کے اوپر طرح طرح کی ابھری ہوئی شکلیں بنی ہوئی تھیں۔ جب اسے کھول کر دیکھا گیا تو اندر ایک چھوٹے سے بلوری شیشہ میں ہاتھابدھ کے پھول لے، تحقیقات سے معلوم ہوا کہ یہ وہ پھول ہیں جو نہ جلنے کن کن وقتوں سے وائی ٹیلہ نے کہیں سے دستیاب کر کے اس مقام پر دفنا کر یہاں پر ایک عالیشان مندر بنوایا تھا جس کو کہ اب شاہ جی کی ڈھیری کہتے ہیں۔

گو اب وہ پھول تو یہاں نہیں، برما کے کسی بدھ مندر میں بیچ دیئے گئے تھے لیکن ان دو تیلوں کے درمیان ایک اسٹینڈ پر دیسی بڑا ڈبیا ضرور رکھی ہوئی ہے اور یہیں تو خانوں سے نکلے ہوئے بہت سے سٹے بھی ایک شوکیں میں موجود ہیں، ان سکوں اور بعض اشیاء پر خود کشی زبان لکھی ہوئی ہے، یہ زبان چار سو سال قبل از مسیح میں لاشاویہ ایران نے علاقہ گندھارا میں راج کی تھی جو سنہ ۱۸۰۰ء تک قائم رہ کر قبول ہو گئی۔

اس میں شک نہیں کہ ان سکوں اور درنگا شیا کی تحریروں میں بہت کچھ تاریخی دسپیاں ہیں، لیکن اس قسم کے عجائبات کی دوسرے عجائب خانوں میں بھی کمی نہیں، نیز یہاں کی قلمی کتب قدیم، اسلحہ، نقاویر، زبورات، برتن اور مہروں وغیرہ کو بھی کوئی خاص اہمیت نہ دی جائے، لیکن یہ مزدور مانا پڑے گا کہ علاقہ گندھارا سے برآمد شدہ ہاتھابدھ کے کثیر التعداد بت ایسی چیز ہیں، کہ ہندوستان، برما،

لے اس مقام کو اہل پشاور شاہ جی کی ڈھیری اور محبوہ کا قلعہ بھی کہتے ہیں، سہ جلی ہوئی ڈیاں سہ خود بخشی زبان سرائی اور سنسکرت الفاظ کی آمیزش سے صورت پذیر ہوئی تھی، اندر سے نرم اعظ فارسی کی طرح سیدھی طرف سے اٹے رخ کو کھٹا جاتا تھا۔

تبت اور چین وغیرہ کا کوئی مندر، تہ خانہ، قلعہ، کھنڈر، پرانی عمارت یا دنیا کا کوئی عجائب خانہ جن کی مثال پیش نہ کر سکے گا۔ اس سید تابر درہل تو میں ان تہوں کے تعلق ہی کچھ گزارش کرنا چاہتا ہوں، تاہم ہر سبیل تذکرہ ان کے ساتھ دستیاب ہو سکتی ہے۔

مغفلہ دیگر اشیاء کے ان تہ خانوں سے کچھ مٹی کے برتن، کھلونے اور چراغ وغیرہ بھی برآمد ہوئے ہیں، ان چراغوں میں تو بے جذب کرتے والی ایک بات پائی گئی، کہ یہ گول نہیں ہیں، بتی کی جگہ ان کی ساخت ڈراپنگ فائل کی طرح ہے، گویا موجودہ طریقہ نو ایجاد سے بچھنا چاہیے، بلکہ یہ اس ہی وقت سے رائج پیلا آئل ہے، اس امر سے بھی سمجھے کہ جب ہوا، کہ آتما زنا تہ گزر جانے کے باوجود بعض چراغوں میں ابھی تک اس کا لوچ کا نشان باقی ہے، جو تیل اور دھوئیں کے اثر سے پیلا ہو جایا کرتی ہے۔

یہ چراغ صرف مٹی کے ہی نہیں بہت سے رنگ سیاہ کے بھی ہیں، اور حرارت کے لحاظ سے عام چراغوں سے کہیں زیادہ بڑے، چنانچہ ۱۱ پاؤں کی سٹی ٹکل کا ایک دو فٹ لمبا اور تانبا کوئی ڈیڑھ فٹ چڑا سٹی چراغ بھی دیکھنے میں آیا۔

اچھا صاحب! آمد بر سر مطلب، تو جب ہم نیچے کا مکہ چھوڑ کر سیدھے اٹاک کی جانب نظر ڈالتے ہوئے زینہ کی طرف بڑھیں، تو راستے میں کتنے ہی بت ملتے ہیں، جن میں کسی غریب کا سر قاب کسی کا دھڑلا پتہ کسی کا ہاتھ نہار اور کسی کا پاؤں مفقود، اخیر اب باقی ماندہ حصے دیکھ کر تو تہ متصورہ کے زور سے ان کے مکمل جسم کی کچھ ٹوٹی پھوٹی سی تصویر بھیجی جاسکتی ہے۔ اس بنا پر چند تہوں کے رہے سے افعلا کا ذکر کرتا ہوں:-

ان میں سے بت ۱۱ برآمد تخت باہی ۱۹۰۸ء کا چہرہ کسی تدنیت ہے، اس کے سر کا بالہ تو سیدھے رخسے سے نکلتا ہو گیا، باقی سر پر ایک مسطح تاج، جس میں ٹانگ کی سیدھ پر خوشنما چٹاؤ بھول اس کے اوپر طرہ تاج کے دائیں بائیں عجیب الخلقہ پرندہ اُبھرے ہوئے، دھوتی باندھے، چپلی پہنے، منہ میں دیوانے ٹکا دیکھنے والوں کو نیم مارا آنکھوں سے دیکھ رہا ہے۔

اس کے بائیں پہلو پر دوسرا بت ۱۱ برآمد ہماری بھول ۱۹۰۸ء ہے جس کا سر نہ جانے کون لے گیا، ہاتھ اور پاؤں کا اگلا حصہ بھی باقی نہیں، دھوتی کیفیت ملاحظہ فرمائے، گون میں ایک قسم کی سنہلی اس کے اوپر لگے ہوئے تاؤں کی گنج، جو کوڑی تک آتی ہے، کوڑی پر آکر اس میں دوشیر دالنے بنے ہوئے ہیں، ان کے درمیان ایک موتی پڑا ہے، اٹے کا مذہب ہے، یہ سیدھی کوک تک بجائے جینو کے ایک ایسا زیور پہنے ہوئے ہے، جس میں مسلسل بہت سی چھوٹی چھوٹی ڈھلکیاں اور نیچے نیچے سے تعزید ہیں، سیدھے بازو پر کوئی چار انچ چوڑا اچھا نکل لمبا ایک بازو بند چراوہیشتے سے ایسا باندھا ہے کہ آج تک انہیں کھلا، اگر گون سے ناف سے چوراگل نیچے تک کا جسم رہنہ ہے، اور وہ بھی چھڑکا، اس کے نیچے سنہلی کے درمیان ایک خفیف سی نالی شروع کی ہے، پھر کس خوبصورتی سے چپڑ راسر سیدھ اُبھارتے اُبھارتے مردانگی کی حد تک پہنچا کر کیسے باقا عدہ اتار کے بعد پسلیاں نمایاں کی ہیں کہ وہاں، آگے چل کر زنی، کوک، ناف اور

پیڑوں وغیرہ کے حصے نہایت صفائی سے واضح کر کے 'ناف' اور کوڑی کے درمیان ایک شکن ایسی ڈالی ہے کہ انہی توہ کیونکر تصدیق کر دے کہ وہ اسلام کا معاملہ حائل ہے۔

اس پر بھی صبر نہ آیا خاتم صناع نے اُسے دھوتی بندھوا دی، جس میں کم از کم دو سو مچھل ڈلے ہیں جس طرح ہم ازار بند باندھے ہیں نا! بس اسی طرح دھوتی کھینے کا شبہ دور کرنے کے خیال سے اس کی کمر میں ایک ڈوری لپیٹ کر اس کے دونوں پھندوں دار سر سے نیچے لٹکا دیئے ہیں ہندو ایسی کر دھوتی نہیں ڈالتے نہ ہم نے کبھی خوش تند پارسیوں یا نازک اندام پارسیوں کو اس قسم کا زنا ڈالے کھیا۔ یہ تو کچھ زانی ہی! وہاں ہے کہ کسی غارت گردین و ایمان نے پتھر کے بُت کو پتھر کی دھوتی بندھوائی اور پتھر کی دھوتی میں سلیقہ سے ایک گرہ دے کر قریباً قرن بعد خدایتوں سے جبراً خراج شمس و آفریں وصول کرنے میں کامیابی حاصل کی۔

ان پر اسرار بتوں کی عیثیت کدانی سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ اودان کے دوسرے ہن لکھائی دیوی دیوتا جو آج کل میوہریل ٹال یا عجائب خانہ پشاور میں جاگزیں ہیں ہندوستانی صنعت کا نمونہ نہیں، یونانی بت تراشوں کے کمال کے مجھے ہیں اس وجہ سے کہ ان میں ہندوستانی عقائد کے ساتھ یونانی جذبات و معاشرت کی علامات کا اظہار نمایاں ہے گویا یوں کہنا چاہیے کہ چابک دست کاری نے ہندوستانی بتوں کو یونانی لباس زینت اور دیگر لوازم سے آراستہ کر کے اہل نظر کے سامنے پیش کیا ہے جب ہی تو محققین اس صنعت کو "انڈو گریک آرٹ" کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔

اہل غور و فکر کو بت جلد یقین آجائے گا کہ واقعی ان میں دیگر ممالک کے بُت بھی آئے ہیں کیونکہ یونانی معاشرت کا رنگ اس درجہ پڑا گیا ہے کہ ہم ان کو خالص ہندوستانی تسلیم کرنے کی کوئی معقول وجہ نہیں پاتے۔

مثلاً ۱۷۷۳ء کو ہی لیجئے یہ ایک چار ہاتھ والی دیوی ہے جس کے اوپر کے دائیں ہاتھ میں یونانی وضع کا ترسول ہے بیدھے میں شریک جام نیچے کے اٹے ہاتھ میں ڈوچی لٹکائے، بیدھے ہاتھ میں آدمی کا بچہ کا نزل میں بندھے گئے میں تعویذ اور چنچن دار کئی خاص وضع کا گھاگر پہنے کمر میں پڑکا پیٹھ پیروں کے چپ و راست آدمی کے پٹھے اب مجھ میں نہیں آتا کہ ہندوستان کی ایسی کوئی دیوی ہے۔ ۱۸۸۶ء ایک پرودار ٹیس جس کا مثل سوانے عاقہ گندہ مارا کہ یقیناً ہندوستان کی کسی قدیمی عمارت یا مندر میں ملنا ناممکن ہے۔

۲۲۳ چرنے کا بنا ہوا انڈو گریک کاپتہ جو دراصل ہندوستان کا ہیوہ نہیں، نیز بہت سے ایسے عجیب الخلق جانوروں کے چہرے جو یونانی آثار قدیمہ کے سوانے ہندوستان میں نہیں پائے جاتے۔

۱۳۱ چرنے کا ایک رُند، سر تو خیر اس کا اڑھی گیا، باقی اٹے ہاتھ میں یونانی وضع کی ڈھال، پیروں میں ایک قسم کا بوٹ جو تہ پٹیلیوں تک موزے رانوں تک رُہ اس جھمکے کو دیکھ کر تعجب ہوتا ہے کہ یہ سچا لڑتا بھڑتا، گرتا پڑتا یہاں کہاں آگیا، پرانے قحط

سے ملائیے صاف عمدہ سکندری کا سپاہی معلوم ہوتا ہے ہندوستان میں یہ وضع کبھی نہیں رہی۔
الغرض ایسے کتنے ہی ثبوت موجود ہیں، جن کی بنا پر یقین کیا جاسکتا ہے کہ یونانی حملہ کے بعد ہندوستان کے حکمرانوں نے یہ عجائبات یونانی صناعوں سے تیار کر لئے ہوں گے، اس واسطے ان میں فرمائش کنندہ اور کارگر دونوں ہی کے عقائد اور جذبات و فحاشی کی جھلک پائی جاتی ہے۔

مجھے خوف ہے کہیں قارئین اس عجائب خانہ کی سیر سے اکتانہ جائیں، مجبوراً مضمون مختصر کرنا ہوں، ورنہ یہاں تو بدھ مذہب اور ہندوستان کی قدیم تاریخ کے متعلق اس قدر سامان ہے کہ برسوں لکھے جائیے اور اختتام کو نہ پہنچے، بدھ کی زندگی اور بدھ مت کی تعلیم کے متعلق ان سنگریزوں پر طرح طرح سے سبق آموز مرتبے پیش کئے گئے ہیں، اور عینی عمدہ کی وہ تصاویر کھینچی گئی ہیں، جن کی تحقیقات مدتوں جاری رہ سکتی ہے۔

کہیں مہاتما بدھ کی پیدائش سے پہلے کی حالتیں ہیں، کہیں پیدائش کا منظر ہے، کہیں انی مایا کا خواب، کہیں پڑھنے سیکھنے کی حالت، کہیں سیر و شکار کی زندگی، کہیں ہمتی کا زیر کرنا اور مار ڈالنا، کہیں آزمائش اور شیطان مار کا حملہ، کہیں محل سے نکلنا، کہیں ٹھک کی دفاع، کہیں اندر کی ملاقات، کہیں کاشیابا شدہ اور دوا اور سانپ کی کرامت، کہیں سفید کتے کا بھونکنا، کہیں چھ سال کا مجاہدہ، کہیں برہمنی کی اصلاح، کہیں گھاس اور چراغوں کا چڑھاوا، کہیں پہلا غلط، کہیں بدھی دشت تک جانا، کہیں سوداگروں کا چڑھاوا، کہیں جاہلی زندگی، کہیں بدھ کی اہلی، کہیں شمشان بھومی درگھٹ، کا منظر اور کہیں تبرکات کی تقسیم وغیرہ وغیرہ۔

تقریباً ۱۶۰۴۰۴ اعداد موجود ہیں، ان مفصل بحث کی جائے تو دفتر کے دفتر سیاہ ہو جائیں، جس کے لئے ایک مہینہ وقت کی ضرورت ہے، اس مضمون میں مجھے صرف اہل ذوق کو اس طرف متوجہ کرنا تھا، جنہیں ان باتوں کا شوق ہو، پشاور جاکر ہر چیز پر چشم خود ملاحظہ فرمائیں اور میرے بیان سے فائدہ اٹھائیں۔

میں امید کرتا ہوں کہ سرحد کا حکمہ آثار قدیمہ ایک وزنگ لائے والا ہے، اور اس کی سرگرم تحقیقات تاریخ ہند پر حیرت انگیز حاشیے چڑھائے بغیر نہ رہے گی۔

میرزا فہیم بیگ فہیم ختانی

ہمیں چاہیے کہ ہم سبق لیکھیں نہ صرف مہنسی سے بلکہ آنسوؤں اور خطوں سے بھی۔ ہمیں چاہیے کہ ہم فطرت کی تلاش میں چل نکلیں۔ جابلوں کا مہنسی ٹھٹھا اور عقلمندوں اور شاعروں کا علم و ادب ہم پر بکھیرے کچھ نکھیں نہیں اور آرام و تفریح پائیں جو زندگی کی کشاکش کے بعد نصیب ہوتا ہے۔

لہ ہر تہی ایک عورت تھی جس کے پانچونچے بتائے جاتے ہیں۔

روح جذبات

بجاز کیسا؟ کہاں حقیقت؟ ابھی تجھے کچھ خبر نہیں ہے،
 یہ سب اک خواب کی سی حالت جو دیکھتا ہے سحر نہیں ہے
 میں سر ہانک ہوں مے پستی تمام شورش تمام مستی
 کھلا ہے مجھ پر یہ راز ہستی، کہ مجھ کو کچھ بھی خبر نہیں ہے
 چمک مک پر مٹا ہوا ہے، یہ باغباں تجھ کو کیا ہوا ہے؟
 فریبِ بنم میں مبتلا ہے چمن کی اب تک خبر نہیں ہے
 یہ مجھ سے سن لے تو رازِ پنہاں، سلامتی خود ہے دامنِ جاں
 کہاں سے رہو میں زندگی ہو کہ راہ جب پر خطر نہیں ہے
 نظر میں وہ گل سما گیا ہے، تمام ہستی پہ چھا گیا ہے
 چمن میں ہوں یا قفس میں توں میں، مجھے اب اس کی خبر نہیں ہے
 شمیم گلشن نسیم صحرا، شعاعِ خورشید و موجِ دریا،
 ہر ایک گرم سفر ہے ان میں، مرا کوئی ہم سفر نہیں ہے
 ہوا کو موجِ شراب کرے، فضا کو مست و خراب کر دے
 یہ زندگی کو شباب کر دے، نظرِ تمہاری نظر نہیں ہے
 پڑا ہے کیا اُس کے در پہ ہنغر وہ شوخ مائل ہر اتھاں پر
 ثبوتِ بے زندگی کا مرکزِ نیاز اب کار گر نہیں ہے
 اصغر گوٹدی

کیا اب بھی نہ آؤ گے

یہ حالت ہو گئی ہے آہ! کیا اب بھی نہ آؤ گے

۱
نکوں گی میں کہاں تک آہ! کیا اب بھی نہ آؤ گے
مرے سرتاج عالی جاہ! کیا اب بھی نہ آؤ گے
اب اک کانس ہی جا نگاہ! کیا اب بھی نہ آؤ گے

یہ حالت ہو گئی ہے آہ! کیا اب بھی نہ آؤ گے

۲
نصو میں تمہارے جب کبھی آرزو پاتی ہیں
مجھے چاروں طرف سے دے کے گھیر بیٹھ جاتی ہیں
کہوں کیا آہ پھر کیا کیا مجھے سکھیاں بناتی ہیں

یہ حالت ہو گئی ہے آہ! کیا اب بھی نہ آؤ گے

۳
گوارا ہو کہاں تک بیٹھ رہنا پاس نندوں کے
کہ اس باسے میں مروہ میں ابھی احساس نندوں کے
دل سے اب ہوتے جاتے ہیں طعنے ساس نندوں کے

یہ حالت ہو گئی ہے آہ! کیا اب بھی نہ آؤ گے

۴
مجھے اب کاٹتے کو دوڑتا ہے گھر بھی زیور بھی
بگڑتے جا رہے مجھ سے گھر والوں کے تیور بھی
اڑتے ہیں مجھے باتوں میں اب تو صبیحہ دیور بھی

۵

نہیں میکے میں کچھ۔ میکے کی عشرت لوٹ لی تم نے
وہ بے فکر سی و موصومی وہ راحت لوٹ لی تم نے
وہ دل اُس کی مسرت۔ اُس کی طاقٹ لوٹ لی تم نے

۶

یہ حالت ہو گئی ہے آہ! کیا اب بھی نہ آؤ گے

بہا جاتا ہے دل امواج بے تابی کے ریلے میں
رہوں گی تابہ کے زندہ مصائب کے بھکیلے میں
پڑی رہتی ہوں اکثر منہ لپیٹے میں اکیلے میں

یہ حالت ہو گئی ہے آہ! کیا اب بھی نہ آؤ گے

۷

جو دن کا طائر پنپنے میں گزار سی رات رونے میں
کٹے کڑھنے میں جاٹے رگرمیاں بہات رونے میں
گنوا یا میں نے اپنا روپ بھی ہیہات رونے میں

یہ حالت ہو گئی ہے آہ! کیا اب بھی نہ آؤ گے

۸

محبت کی مروت کی وہ رسمیں سب بھلا بیٹھے
وہ وعدے وہ دلائل اُف، وہ قہیں سب بھلا بیٹھے
خدا جانے کیا ہے کس نے بس میں؟ سب بھلا بیٹھے

یہ حالت ہو گئی ہے آہ! کیا اب بھی نہ آؤ گے

۹

جدائی کے مصائب حد سے گزے سہ نہیں سکتی
گزر تھی ہے جو کچھ دل پر کسی سے کہہ نہیں سکتی
رہی ہوں منتظر اب تک نگراں رہ نہیں سکتی

یہ حالت ہو گئی ہے آہ! کیا اب بھی نہ آؤ گے

(دقار انبالوی)

۵

نہیں میکے میں کچھ۔ میکے کی عشرت لوٹ لی تم نے
وہ بے فکر ہی وہ محسوس وہ راحت لوٹ لی تم نے
وہ دل اس کی مسرت۔ اس کی طاقٹ لوٹ لی تم نے

۶

بہا جاتا ہے دل امواج بے تابانی کے ریلے میں
رہوں گی تاب کے زندہ مصائب کے بھییلے میں
پڑی رہتی ہوں اکثر منہ لپیٹے میں اکیلے میں

۷

جو دن کا ٹارٹ پنے میں گزاری رات رونے میں
کٹے کڑھنے میں جاٹے رگرمیاں بہت رونے میں
گنوا یا میں نے اپنا روپ بھی ہیہات رونے میں

۸

محبت کی مروت کی وہ زمیں سب بھلا بیٹھے
وہ وعدے وہ دلاسے اُن قسمیں سب بھلا بیٹھے
خدا جانے کیا کہنے نے بس میں سب بھلا بیٹھے

۹

جدائی کے مصائب حد سے گزے سہ نہیں سکتی
گزرتی ہے جو کچھ دل پر کسی سے کہہ نہیں سکتی
رہی ہوں منتظر اب تک نگراں رہ نہیں سکتی

یہ حالت ہوگئی ہے آہ! کیا اب بھی نہ آوگے

یہ حالت ہوگئی ہے آہ! کیا اب بھی نہ آوگے

یہ حالت ہوگئی ہے آہ! کیا اب بھی نہ آوگے

یہ حالت ہوگئی ہے آہ! کیا اب بھی نہ آوگے

یہ حالت ہوگئی ہے آہ! کیا اب بھی نہ آوگے

(دوقار انبالوی)

نومین سیدان جنگیں



غم خوار دشمن

ڈاکٹر کریگ اپنے دوست چیئر مین کے ساتھ بیٹھا چائے پی رہا تھا۔ اور شام کو کسی تھیسٹریاٹرمیا میں جانے کے متعلق گفتگو ہو رہی تھی کہ ٹیلیفون کی گھنٹی بجی۔ اس نے آلہ کان سے لگایا۔ چند الفاظ سنے۔ ہونٹوں سے مسکراہٹ جاتی رہی اور صرف یہ جواب دے کر کہ ”میں ابھی آیا“ آلہ کو رکھ کر کھڑا ہو گیا۔

”چیئر مین دوست آج کا پروگرام تو خراب ہونا دکھائی دیتا ہے۔“

”کیوں خیر تو ہے؟“

”ہسپتال سے ٹیلیفون آیا ہے کہ ایک شخص موٹر سے دب کر بہت نازک حالت میں ہے۔ غالباً ابھی آپریشن کی ضرورت ہو گی۔“

”تو پھر؟“

”میر فرماؤ! جاننا ضروری ہے۔ ابھی تم بھی میرے ساتھ چلو۔ اُسے دیکھنے کے بعد فیصلہ کریں گے کہ کیا کرنا ہے۔“

”بہت اچھا۔“

دونوں موٹر میں سوار ہو کر روانہ ہو گئے۔ ڈاکٹر کریگ ٹریفک لائٹ ہسپتال کا انچارج تھا اور دماغ کے نازک آپریشن میں کمال کھتا تھا۔ چیئر مین چھٹ کا لمبا تھلا کا طاقتور جوان تھا۔ عمر تقریباً پینتیس سال نہایت جنگ میں ہوا بازی میں نام پیدا کر چکا تھا۔ دونوں بچپن سے ایک جگہ تعلیم پائی تھی اور آپس میں گہرے دوست تھے۔

ہسپتال پہنچ کر معلوم ہوا کہ ایک لاری اور موٹر کے ٹکرائے میں ایک شخص لاری اور دیوار کے درمیان آکر دب گیا تھا اور چونکہ دہر تک نکالنا نہ جاسکا تھا زخموں بہت ساخون بہ جانے کی وجہ سے نہایت کمزور حالت میں بے ہوش پڑا ہے۔ تمام جسم پر اور سر میں چوٹیں آئی ہیں۔ ڈاکٹر یہ باتیں اپنے ماتحت ڈاکٹر سے سنتا جا رہا تھا اور ساتھ ہی ساتھ کام کر رہا تھا۔ چنانچہ بات ختم ہونے تک اس نے اپنا کوٹ اتارا ہاتھ دھوئے اور آپریشن کرنے کا خاص لباس پہن کر تیار ہو گیا۔

چلتے چلتے اس نے چیئر مین کی طرف دیکھ کر کہا ”آؤ تم بھی ایک نظر دیکھ لو۔ اگر مجھے زیادہ عرصہ ٹھہرنے کی ضرورت ہوئی تو

چلے جانا۔“

آپریشن کے کمرے کی تیز روشنی میں۔ جہاں داخل ہوتے ہی چیئر مین کے بدن میں ایک کپکپی سی محسوس ہوئی۔ میرا ہیکل بے حس

حرکت انسانی جسم بڑا ہوا تھا جس کی ناگہان ایک بازو اور سرخون آلودہ پیٹیموں سے بندھے ہوئے تھے۔ چیئر مین کے دل میں خیال آ رہا تھا کہ خدا جانے اس شخص کی وہ چیز جسے جان کہتے ہیں اس وقت کہاں اور کس حالت میں ہوگی۔ اور کیا وہ تھوڑے عرصے میں کسی بے وفادوست کی طرح اس کے شکستہ وہاں جسم کو چھوڑ کر اپنی خفیہ دہرا سراجائے قیام کی طرف روانہ ہو جائے گی یا —؟

اتنے میں۔ چونکہ وہ قریب آگیا تھا۔ اس کی نظر جسم کے دوسرے حصوں سے گزر کر چہرے پر پڑی اور ان خیالات کا سلسلہ یکایک منقطع ہو گیا۔

یہ چوڑا چھلکا چہرہ مضبوط ٹھوڑی۔ اور ہنٹ جن کے کنارے اوپر کواٹھے ہوئے تھے اور بے ہوشی میں بھی مسکراتے ہوئے معلوم ہوتے تھے۔ اس نے کہیں دیکھے تھے۔ لیکن کہاں — کہاں —؟

ایسا معلوم ہوتا تھا کہ یاد اس کے دماغ کے دروازے پر دستک دے رہی ہے۔ اور فراموشی دھندلے سے پردے کی طرح کسی کی پہچانی ہوتی نظموں کو چھپاتے ہوئے ہے۔

ڈاکٹر اپنے ماتحت سے کہہ رہا تھا ”مجھے خون کی ضرورت ہے۔ تقریباً آدھ سیر تازہ انسانی خون کی، جو اس شخص کے جسم میں داخل کر دیا جائے۔ اور بہت جلد اور نہ دماغ کا آپریشن نہیں ہو سکتا۔ اسے ہوش میں لانے کے لئے دماغ میں سے ٹوٹی ہوئی ہڈی علیحدہ کرنا ہوگی۔ نقابہ سے چند گھنٹے میں یہ مرحلے کا نام جاکر براڈ کاسٹنگ کمپنی (Broad Casting Company) ٹیلیفون پر کہو کہ ریڈیو کے ذریعے سے اس کمزور مشہور کریں کہ اگر کوئی طاقتور جوان آدمی جو پوری صحت میں ہو ایک جان بچانے کے لئے اپنا آدھ سیرخون دے سکتا ہو تو ہمیں مطلع کر کے فوراً یہاں پہنچ جائے۔“

ایکایک چیئر مین کے دماغ میں ایک بجلی سی کوند گئی۔ وہ چونکا۔ اور ڈاکٹر کے شانے کو اپنے طاقتور ہاتھ کے ساتھ سختی سے

جھنجھڑ کر بھڑائی ہوئی آواز میں بولا۔

”ڈاکٹر کیا میں اپنا خون دے سکتا ہوں؟“

ڈاکٹر ایک قدم پیچھے ہٹ گیا اور اپنے شانے کو ہاتھ سے سہلاتے ہوئے کہنے لگا ”بھئی اس کمزور بھی دنیا میں بہت کچھ کام کرنا ہے۔ اسے توڑے کیوں ڈالتے ہو؟“

”میں نے پوچھا تھا کہ کیا میرا خون کارآمد ہو سکتا ہے؟“

”سناؤ میں نے بھی تھا۔ لیکن تمہارے سر پر بھوت کیوں سوار ہے؟“

”یہ پھر دیکھا جائے گا۔ تم بتاؤ کہ میرا خون لے سکتے ہو؟ یعنی کیا میں اس قابل ہوں۔ صحت وغیرہ کے لحاظ سے؟“

”کیوں نہیں تمہارے جیسا سنڈا مجھے کہاں ملے گا۔ لیکن ابھی غالباً بنسیرے لوگ آجائیں گے۔“

چیرٹن نے منت کے انداز میں کہا "نہیں تمہارا مجھ پر احسان ہوگا" ڈاکٹر نے اس کے غیر معمولی طور پر سنجیدہ ہنسنے کی طرف دیکھا "بہت اچھا" کہا۔ اور غن بتقل کرنے کا سامان تیار کرنے لگا۔ اس لمحے میں جس وقت بھوے ہوئے زمانے کی یاد نے شاید ڈاکٹر کے الفاظ کی مدد سے سورج کی کرن کی طرح چیرٹن کے خیالات کے غبار میں داخل ہو کر میز پر کے بے حس حرکت چہرے کو گویا روشن کر دیا چیرٹن کے دماغ میں دور روز کے واقعات بجلی کی سرعت کے ساتھ گزر گئے جو بارہ سال کے عرصے میں کسی حد تک فراموش ہو چکے تھے۔

جنگ عظیم - سکپا فلور (Scapflor) ۲۳ جنوری - ان سالوں میں سے ایک سال جن کے حالات سے تاریخ کے متعدد صفحے سیاہ ہیں۔ اور ہر سطر کے نیچے سرخی کی جھلک نظر آتی ہے۔ سکپا فلور - جہاں سمندر آسمان چٹانیں سب سلیٹ کے رنگ کے ہیں۔ جہاں اسی رنگ کی بڑی بڑی ہیبیٹ شکلیں آہستہ آہستہ سمندر کے راستے سے اندر داخل ہوتی۔ اور توپوں کے منہ کھولے ہوئے کمال خوشی کے ساتھ باہر نکل جاتی ہیں۔ جہاں بڑے بڑے بہت بڑے - اسی سلیٹ کے رنگ کے بھونسنے آسمان سے اترتے اور خاموش ہو جاتے ہیں۔ یا ہوا میں چڑھتے اور کسی نامعلوم منزل مقصود کی جانب روانہ ہو کر نظروں سے غائب ہو جاتے ہیں۔ صبح کا وقت لیکن ایسی صبح جب آفتاب تک کو دنیا کے چہرے پر کبھر کے آنچل کی وجہ سے گستاخانہ نگاہیں ڈالنے کی اجازت نہیں۔

انسان کے مزاج کی حالت بھی ایسی ہی تھی۔ خصوصاً اس چھوٹے سے گروہ کی جو سکپا فلور میں مقیم ہوائی بیڑے کے افسر ونگ کمانڈر نینورٹھ کے گرد جمع تھا۔ کچھ مدت سے اس گروہ پر اعتراضات کی بوجھاڑ ہو رہی تھی اور ہر طرف سے نینورٹھ کے جارہے تھے۔ کیونکہ بڑی اور بحسری ذرا اپنے ہوائی بازوؤں سے ایک دوسرے کے خون کے طالب ہو رہے تھے جو کسی طرح قابو میں نہیں آتا تھا۔

جزائر برطانیہ کے شمالی گوشے ڈکنلسی ہیڈ (Dunkensby Head) سے لے کر تقریباً تین چوتھائی مشرقی ساحل کی حدود تک کئی ہفتوں سے یہ بے فکر اچکرا رہا تھا اور کوئی برطانوی جہاز اس کی حدنگاہ میں آکر اس کے بے پناہ تارپیڈو کی زد سے بچ کر نہ جاسکتا تھا کہاں؟ کب؟ اور کس طرح اسے سامان حرب - خوراک تیل اور ضروریات ہیا ہو جاتی تھیں ایک سمٹا تھا۔ اس کا پتا بھی نہ چلتا تھا کہ اسے برطانوی جنگی جہازوں کی نقل و حرکت اور آب و ہوا دو منترجوں کی بائے و توغ کا علم کیسے ہو جاتا تھا۔

لے سکپا فلور - سکاٹ لینڈ کے شمالی گوشے پر چھوٹے چھوٹے جزیروں کے گروہ میں یہ ایک جگہ ہے جہاں جنگ عظیم کے زمانے میں جنگی اور ہوائی جہازوں کا ہیڈ کوارٹر تھا۔

جس کی مدد سے یہ تمام بحیرہ شمالی میں آزادی سے پھرتا اور رات دن پہرہ دینے والے جنگی جہازوں سے بچا رہتا تھا۔
 پانچ مختلف جہازوں کے سپہاندوں سے اس کے ٹبر کی خبر ملی تھی۔ آغاز دسمبر سے اس کے کانڈر کی بیباکی کے ساتھ اس کے
 کشتگان جنگی تعداد و زبردستی جی جی جی جی۔ پنٹلینڈ فرم (Pentland Firth) یعنی ایک طرح برطانوی جنگی بیڑے
 کے منہ میں جا کر بھی یہ اپنے تباہ کن ارادوں میں کامیاب ہو جاتا۔ یہاں تک کہ بیڑے والے آنکھیں مل کر رہ جاتے اور ایک
 دوسرے سے پوچھتے ”کیا یہ سچ ہے؟“۔ اس کا جواب اکثر اوقات گھنٹہ بھر بعد ہی کسی اور جہاز کے لاسکی پیغام کی صورت میں ملتا
 کہ ”ہم ڈوب رہے ہیں خدا کے لئے دعا کرو!“ اب جب برطانوی تباہ کن جہاز پوری رفتار سے دہاں پہنچتے جہاں سے خبر آتی تھی
 تو چند سپہاندہ کشتیوں کے علاوہ جن میں خوفزدہ کانپتے ہوئے آدمی بھرے ہوتے۔ اور شاید تیل کی مقدار سطح بحر پر پھیلی ہوئی کچھ دکھائی
 نہ دیتا۔ افسرانِ کمان اعلیٰ بار بار دریا بابت کر رہے تھے کہ جنگی بیڑے کی آنکھوں یعنی ان تباہ کن فولادی پہرہ داروں کو کیا ہو گیا
 جن کا کام ہر وقت سمندر پر دشمن کی آبدوز کشتیوں اور جہازوں کی تلاش میں پھرتے رہنا ہے۔ اور کیوں یہ ایک آبدوز کشتی ان کے
 اپنے گھر میں بسے لقمے اڑا کر لے جاتی ہے اور انہیں خبر نہیں ہوتی۔

یہ وجہ تھیں جن کی بنا پر سکینا فلو کے ہوائی بیڑے والے آج خاص طور پر پریشان نظر آتے تھے۔ ان کا کانڈر اپنے دفتر میں
 ہل رہا تھا اور اپنے ماتحت افسروں سے کہ رہا تھا۔

”بحری بیڑے والوں کو یقین نہیں آتا۔ اور وہ کسی حد تک سچے بھی ہیں۔ ہماری آبدوز سرنگیں اپنی جگہ قائم ہیں تمام سمندر
 میں بھاگی بھاگی نہیں پھرتیں کہ جہازوں کو ڈوبو دیں۔ ناروے کے جہاز کے کپتان اور اس کے ملاحوں کے دیکھتے دیکھتے ہمارا جہاں
 ہیرن (Heron) دو ٹکڑے ہو کر سمندر میں غائب ہو گیا۔ اور وہ تھیں کھاتے ہیں کہ آبدوز کشتی یا اس کی پیرکوپ (Periscope)
 کا نشان تک سمندر پر نہ تھا۔“

ایک افسر بولا ”ہیرن تمہاری تو بالکل نیا۔ اس کا پہلا رومن بھی ابھی میلانا ہوا ہو گا۔ کیا اس پر جو لوگ سوار تھے وہ سب ڈوب
 گئے؟ ان میں سے کسی نے نہ بتایا کہ کیا واقعہ ہوا تھا؟“

کانڈر نے جواب دیا۔ ”یہی تو آفت ہے“ جب ناروے کا جہاز اس جگہ پہنچا تو ایک بہتا ہوا تختہ تک نظر نہ آتا تھا۔
 ہیرن اتنی جلدی ڈوب گیا کہ اس کی سواریوں کو جان بچانے کی بھی ہمدت نہیں ملی۔ بیڑے والے کہتے ہیں کہ آبدوز کشتی ہیرن کی
 دوسری جانب ہو گی اور تار پید پلاتے ہی غوطہ لگا کر بھاگ گئی ہو گی۔ اب ہمیں پہلے سے بھی زیادہ ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے
 ایک آبدوز کشتی کا اس قدر نقصان کر دینا ہمارے لئے شرم کی بات ہے۔“

کانڈر ٹپٹے ٹپٹے ٹھہر گیا۔ اور اس نے اپنے ماتحت افسروں کی طرف مخاطب ہو کر پوچھا ”تم میں سے ایک رخصت پر

جارم تھا؟“

”جی ہاں“ بیڑے کے سب سے کم عمر ہوا باز چیٹرٹن نے جواب دیا ”میں جا رہا ہوں۔ آج میری ڈبلٹی کا آخری دن ہے۔“
کمانڈر نے کہا ”تو ہم اور بھی کم رہ جائیں گے لیکن کل تک شاید دو افسر ڈاک لے کر آجائیں۔ اس صورت میں اگر اس جہاز کے
نے کہیں مسز کلا تو اسے کل دینے میں کوئی کسر نہ رہ جائی چاہئے۔ ورنہ —

میز پر ٹیلیفون کی گھنٹی بجی۔ ایک افسر نے آگے اٹھایا اور تھوڑی دیر میں کمانڈر سے کہا ”امیرالبحر کا دفتر ہے جناب۔ آپ کے لئے
کوئی ضروری پیغام ہے۔“

سب افسر کمانڈر کے چہرے کی طرف غور سے دیکھ رہے تھے کہ کیا نتیجہ ظاہر ہوتا ہے۔ اس نے بات کرتے ہوئے جلدی سے گاند
کا پیٹ اپنی طرف سرکایا اور پرسل اٹھا کر آگے لے گیا ”مہربانی کر کے دروازہ کھول دیجئے۔“ ہاں میں سمجھ گیا۔ موسم کی رپورٹ بھیج دو۔ میں
تیار ہوں۔“ اور آکر کھڑکھٹنے لگا۔

”یو۔ ۳۷ کو ایک غیر جانبدار جہاز کے انگریز کپتان نے ابھی کوئی آدمہ گھنٹہ ہوا دیکھا ہے۔ برطانوی ساحل سے تھوڑے ہی فاصلے
پر اس کے غوطہ لگ جانے کے بعد اس نے لاسکی سے اطلاع دی ہے۔ میں ابھی دومنٹ میں موسم کی رپورٹ لے کر آتا ہوں۔ تین سی پلین
(Sea-plane) تیار کرو۔ بم کافی تعداد میں رکھ لو۔ اور چونکہ ہمارے پاس آدمی تھوڑے ہیں ایڈورڈ۔ سپازنگ۔
اور چیٹرٹن تمہا ایک ایک مشین لے جائیں۔ یہ لو یہ سمندر میں اس جگہ کا پتا ہے جہاں آبدوز کشتی ڈیجھی گئی ہے۔“

پندرہ منٹ بعد تین سی پلین سمندر میں اتار دیئے گئے اور کئی آدمی کمرنگ پانی میں جا کر ان کے تیرنے والے حصوں کو پکڑ
کر کھڑے ہو گئے۔ ہوا باز کمانڈر سے آخری ہدایات حاصل کر رہے تھے۔ وہ کہہ رہا تھا ”اب تو سب سمجھ گئے نا؟ اگرچہ جہاز میں سمندر
کی تیز میں نہ بیچ رہا ہو تو تم میں سے کسی ایک کو کہیں نہ کہیں ضرور نظر آئے گا۔ اس حالت میں یاد رکھو کہ جانے نہ پائے۔ خواہ کہیں
اپنے جہاز کی ناک ہی سے اس کی فولادی پشت میں چھید کیوں نہ کر نہ بنا پڑے۔ فی الحال سمندر پر ہوا کہیں نہیں ہے۔ اور موسم
تمہیں نہایت اچھا لے گا۔ بعد میں برف گرنے کے سوا نا رہیں گویہ امریقینی نہیں ہے۔“

سب ہوا باز اپنے اپنے جہاز کی طرف روانہ ہوئے۔ ایک آدمی نے چیٹرٹن کو اپنے کندھوں پر اٹھا کر پانی میں سے جہاز
تک پہنچا دیا۔ اس نے اپنی جگہ پر بیٹھ کر انجن کو چلایا۔ اور جونہی پروپیلر کے گھومنے سے پانی کی ہلکی سی پھوڑا اس کے چہرے پر محسوس
ہوئی۔ آواز دی۔ ”چھوڑ دو!“ جہاز تھوڑی دیر تک پانی پر نہیز کشتی کی طرح دوڑا اور پھر آہستہ آہستہ ہوا میں اٹھنا شروع ہوا۔
چیٹرٹن نے اس کا رخ کھلے سمندر کی طرف پھیر دیا اور تینوں جہاز اپنی اپنی مقصد سمت میں بھری رہزن کی سرخ ستانی کے لئے پوری
رفتار سے روانہ ہو گئے۔

اسے ہوا میں اڑتے ہوئے دو گھنٹے سے زیادہ ہو چکے تھے کہ پٹرول کی سوئی نے تینا بکا رب واپس جانے کی ضرورت ہے کیونکہ صرف تقریباً دو سو میل کے لئے پٹرول باقی رہ گیا تھا اور قیامگاہ سے فاصلہ اس سے کچھ ہی کم تھا۔ اس دو گھنٹے کے عرصے میں اس نے ہر طرف نگاہ دوڑائی تھی کئی جگہ اوپر چڑھ کر پشہ ہونے سے رک کر دیکھ بھی کا نے تھے۔ اور اپنے مفوضہ علاقے سے باہر بھی اِدھر اُدھر دوڑنا تک گھوما تھا لیکن یو بوٹ سے کا کہیں تینا نہ چلا تھا۔ لہذا مجبور ہو کر اس نے اپنے جہاز کا منہ واپس شمال کی طرف گھمادیا لیکن رُخ درست ہو جانے پر آنکھیں اٹھا کر دیکھا تو حیران رہ گیا۔ سامنے چند میل کے فاصلے پر سمندر ختم ہوتا ہوا معلوم ہوتا تھا۔ گہری دھند کی ایک سفید دیواری سمندر اور آسمان کے درمیان حائل ہو گئی تھی اور مشرق و مغرب کی جانب جہاں تک نگاہ کام کرتی تھی اس کا اختتام کہیں نظر نہ آتا تھا۔ اس گہرے بادل کے درمیان سے گزرنالازم تھا اس لئے وہ تھوڑے ہی عرصے میں اس کے اندر داخل ہو گیا اور جہاز کا منہ اوپر کی طرف اٹھایا تاکہ شاید زیادہ بلندی پر ہوا صاف ملے۔ اس میں بھی کامیابی نہ ہوئی تو سوچنے لگا کہ اب کیا کرنا چاہئے۔ دھند اس قدر گہری تھی کہ اپنے جہاز کے کچھ حصے دکھائی نہ دیتے تھے۔ رفتہ رفتہ یہ حالت ہو گئی کہ گزبھر کے فاصلے تک دیکھنا بھی ناممکن تھا چونکہ عینک کے شیشے رطوبت جم جانے سے بے کار ہو گئے اس نے عینک اتار دی۔ اب ٹھنڈی ہوا الگ کر آنکھوں میں سے آئینہ بنے لگے۔ اس لئے مجبور ہو کر اس خوف سے کہ جہاز کسی چر سے ٹکرائے جائے اس نے ارادہ کیا کہ خود اترے اور جب تک دھند کم نہ ہو جائے سمندر پر نہیں تیار ہے۔

لیکن ایسی حالت میں ازنا بھی آسان کام نہ تھا جب نیچے کی طرف کچھ نظری نہ آتا ہو۔ خدا جانے وہ ابھی سمندر ہی پر تھا یا ساحل پر آگیا تھا۔ ان بول کا بھی خیال تھا تو جہاز کے زیریں حصے میں لٹک ہے تھی اور تصادم سے جن کے چل جانے کا اندیشہ تھا بس حال اس نے توکل پر خدا آہستہ آہستہ ازنا شروع کیا اور تھوڑی دیر میں جب بند کی کامیٹ مسافر پر آگیا تو جہاز کا منہ سیدھا رک کے انعطاف کرنے لگا۔

ایک فٹہ ————— دو فٹہ اور دو رکے جھٹکے گئے۔ جہاز کے تیرانے والے فلوٹ (Float) لہروں کی چوٹیوں میں کودا اگر گھسند کی طرح اچھلے۔ زور کی آواز آئی۔ جہاز کو گویا کسی نے پکڑ کر بھجھوڑا۔ اور جیٹریٹن کے ہوش بجا ہوئے تو جہاز غالباً سمندر کی سطح پر تیر رہا تھا۔ اور سمندر ہی تھا زمین نہ تھی۔ کیونکہ وہ خود اور جہاز صحیح و سالم تھے۔

اعصاب کے اتنے سخت امتحان کے بعد اپنی اہلی حالت پر آنے سے چیر مٹن کو کچھ غمو دگی سی محسوس ہونے لگی جو اکثر ہوا یا زخمو صبا دمعند میں محسوس کیا کرتے ہیں۔ اور وہ اونگھنے لگا۔ لیکن تھوڑے ہی عرصہ میں — معلوم نہیں کس قدر — یکلیخت پر نکلا اور ہوشیار ہو گیا۔ ایک آواز کہیں قریب سے آتی تھی جس طرح کوئی دھات کی چیز دھات پر گرتی ہے۔ وہ دونوں ہاتھوں سے منہ کے آگے پر لے سبنا کر دو تین دفعہ اس طرح پکارا جیسے کسی جہاز کو منوج کیا جاتا ہے۔ شاید کوئی جہاز ہو جس سے امداد مل سکے۔ لیکن کوئی جواب نہ ملا۔ — کچھ نظر آیا —

اس نے دوبارہ آواز دینے کو اٹھ اٹھائے ہی تھے کہ ہوا کے ایک جھونکے سے سامنے کے سفید پردے میں تھوڑی سی جگہ کھلی اور کوئی سیاہی جیسے مسند پر تیرتی نظر آئی۔ لیکن فوراً ہی دھند بھر گئی اور معلوم نہ ہو سکا کہ کیا ہے۔ اس اثنا میں ہوائی جہاز آہستہ آہستہ تیرتا ہوا خود بخود اس چوڑی طرف ہوا اٹھا تھوڑی دیر میں ایک فلوٹ کسی شے کے ساتھ لکڑیا۔ چیرٹن کھڑا ہو گیا اور جیب میں سے پستول نکال لیا۔ اتنے میں یکا یک پھر ہوا کا جھونکا آیا۔ سامنے سے دھند صاف ہو گئی۔ ایک آبدورستی کا فولادی پیٹ جس پر موٹے حروف میں بومے لکھا ہوا تھا چند ہی فٹ کے فاصلے پر تھا۔ اس پر دو تین آدمی کھڑے ہوئے چیرٹن کی طرف دیکھ رہے تھے۔ اس نے پستول کا منہ ناکر کرنے کے لئے اٹھا کر ایک سر کی طرف سیدھا کیا۔ لیکن جب وہ مصروف نظر آیا تو ہاتھ بلیبی پر رک گیا۔ بحری فوج کی جھجے دار ٹوپی کے نیچے ایک چوڑا چھلا خوش رنگ چہرہ تھا جس کے خوبصورت ہونٹ مسکراہٹ سے کھلے ہوئے تھے، دانتوں میں مگارد بایا ہوا تھا۔ دونوں کمبیاں لوہے کے جھگے پر سہارا لئے ہوئے تھیں۔ اور ہاتھ خالی تھے۔ اس طرح نہتے اور ہنس کر خوب مقدم کرنے والے دشمن کے بے خوف چہرے میں گولی سے سوراخ کر دینے کی چیرٹن کا دل اجازت نہ دیتا تھا۔ اس نے اس نے اپنا ہاتھ نیچے کر لیا۔ ان مسکراتے ہوئے ہونٹوں نے انگریزی میں کہا۔

”خوش آمدید میرے پیارے دشمن۔ ہم تو سمجھے تھے کہ آج ملاقات نہ ہوگی۔ اب اس توپچی نہ کو جیب میں رکھ لو۔ اور ڈشربٹ لے آؤ نا۔ آخری الفاظ کے بعد میں ہلکی سی حکم کی جھلک تھی۔

چیرٹن رکالین صرف ایک لمحہ کے لئے۔ اس لمحہ میں اپنے بچاؤ کے کل ممکنات کا خیال کر کے وہ اس نتیجہ پر پہنچا کہ کوشش بے کار ہے۔ اور آہستہ آہستہ پستول کو جیب میں ڈال کر اس دعوت نامہ حکم کی تعمیل کے ذرائع کی تلاش میں اوجھڑا دم دیکھنے لگا۔

”کوڈ جاؤ اور اس جھگے کو کچل دو“

آبدور کی چھت چیرٹن سے نیچے تھی۔ اس نے چھلانگ ماری اور جھگے کے سہارے سے اس پر پہنچ گیا۔ ایک ملاج جس کے ہاتھ میں پستول تھا آگے بڑھ کر اس کا بازو کچل لیا۔ لیکن انسر نے اپنی زبان میں کچھ حکم دیا تو جھجور کچھے پٹ گیا اور پستول کو چھپا لیا۔ اس طرف ”انسر نے کہا اور آہستہ ہی بیڑی کی طرف اشارہ کیا جو چھت سے اوپر اس اونچے حصے کی طرف جاتی تھی جیسے کہتے ہیں اور جہاں وہ کھڑا تھا۔

”آپ نے بہت ممنون فرمایا۔ اب اسے اپنا ہی گھر تصور کیجئے“ کہ کر مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھایا۔ لیکن چیرٹن نے اس ہاتھ کی طرف توجہ نہ کی کیونکہ وہ تازہ تازہ کالج سے نکل کر فوج میں ملازم ہوا تھا۔ اور اس کے خیال میں اس ہاتھ کی پاکیزگی جس نے اس کے سینکڑوں ہموطنوں کو ڈوبو دیا تھا کچھ شکوک ہی تھی۔

جرمن کمانڈر نے غالباً اس حرکت کو بد اخلاق پر محمول کیا۔ اور اپنے افسردہ دم کو جو پیچھے کھڑا تھا کچھ احکام دے کر چیرٹن سے

کہا "اب آپ ان کے ساتھ نیچے چلے جائیے۔ لیکن میرے آنے تک براہ کرم ذرا خاموش رہیے۔"
چیرٹن نے پوچھا۔ "میری مشین کا کیا ہوگا؟"

"اس کی آپ کو ضرورت نہ ہوگی۔ ابھی اس کے فلوٹ چند گولیوں سے چھیدنے کے بعد وہ بجا فلت سمندر کی تیس پہنچا دی جائے گی۔"

چیرٹن کی زبان پر تھا کہ مہرائی جہاز کے زیریں حصے میں بم باندھے ہوئے ہیں۔ لیکن خیال آیا کہ اگر ان بموں سے کچھ نقصان ہو جائے تو زیادہ برائی نہ ہوگی اس لئے خاموش رہا۔

وہ فولادی زینے کے ذریعے سے آبدوز کے پیٹ میں اتر گیا۔ وہاں تین اور جرمن کھڑے اس کی طرف حیرت زدہ نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ انسر نے نشتی کے عقبی حصہ میں دروازہ کھولا۔ چیرٹن کو اشارہ سے اس کے اندر جاتے کا حکم دیا اور دروازہ بند کر کے چلا گیا۔

چیرٹن نے کمرے میں داخل ہو کر اپنے چاروں طرف نظر دوڑائی۔ یہ ایک چھوٹا سا مربع کمرہ تھا جو بعد میں معلوم ہوا خود کمانڈ کے رہنے کی جگہ تھی۔ چھت میں دو بجی کے مقعے درخشاں تھے اور اس انسان کے عجیب طرز زندگی پر روشنی ڈال رہے تھے جس نے تمام بحیرہ شمالی میں تہلکہ مہا کر رکھا تھا اور جس کا خیال تک بھی سخت نفرت و خوارت اور خوف کے جذبات سے عالمی نہ تھا۔ دوران جنگ میں ایک آبدوز کشتی کے اندر اس تذرساں اس آتش کا جہجہ ہوتا تھا۔ فزٹ پر دو عمدہ قالین ایک چھوٹی سی آہنی میز کے دونوں طرف جو فزٹ کے ساتھ پچھوں سے لگی ہوئی تھی۔ بچے تھے۔ میز پر فزٹ نفیس باناٹ کا تھا۔ ایک عمدہ چھوٹا بکس ہمارا موفون مع اس کی بیٹریوں کے جو الہم میں تعین دیوار میں لگی ہوئی الماری میں رکھا تھا۔ اور اس کے قریب ایک فوٹو کا میسجی کیمرا اور تین چار کتا میں پڑی تعین جن کے مضامین کا جنگی یا سیاسی امور سے کچھ تعلق نہ تھا۔ ان تمام اشیاء کی نسبت یہ شبہ بھی نہ ہو سکتا تھا کہ جرمن صیغہ بحری عین دوران جنگ میں اپنی آبدوزوں کے کمانڈروں کو مہیا کرتا ہوگا۔ لیکن سب سے زیادہ حیرت انگیز یہ بات تھی کہ کمانڈر کے چھت سے نکلے ہوئے کمرے کے پلنگ (hammock) پر چند قرینے رکھے ہوئے مختلف اخبارات کے اوپر ایک ماہ دسمبر کا تازہ انگریزی ماہوار رسالہ پڑھا تھا۔ حالانکہ چیرٹن کے ہسٹ کو اور ٹر سکپا فلوئس اس رسالہ کا ماہ نومبر کا پرچہ ابھی تک بار بار پڑھا جا رہا تھا۔ اس وقت تین چار انفل کے فائر ہونے لگی لیکن نہایت مدہم آواز نہ تھی دی اور وہ ابھی رسالے کو حیرت سے اٹ پٹ کر دیکھ ہی رہا تھا کہ کمانڈر دروازہ کھول کر اندر آیا۔ چیرٹن کھڑا ہو گیا۔

"کبہ دوست ہوا باز۔ ارے مجھے کوٹ دیوہ انار دونا۔ اور آرام سے بیٹھو۔ تمہیں بھوک بھی تو لگ رہی ہوگی۔ میں نے سنا ہے کہ مہا بازوں کو بھوک بہت لگتی ہے۔"

اس کے بعد تقریباً چھنیس گھنٹے تک چیئرٹن کو اس عجیب شخص کی صحبت میں رہنا پڑا جو حکومت برطانیہ کی تمام بحری طاقت کے مقابلے میں سینہ سپر کئے اُس کے جہازوں کے لئے موت کا پیغام لے کر زیر آب سرنگوں سے بھرے ہوئے طوفانی بحیرہ شمالی میں گھومتا پھرتا تھا اور اس کے باوجود ہینٹوں پر دائمی مسکراہٹ لئے ہوئے اس فولا دی کرے میں قائلین بچھا کر گرامونوں سے تفریح کرتا تھا۔ جس کے قبر بن جانے کا نہ لحاظ احتمال تھا۔

کمانڈر نے صفحہ پوری دیر کے بعد کہا ”ایک اور بات میں آپ سے پوچھنا چاہتا ہوں۔ وہ یہ کہ آپ لوگوں کو کیس طرح علم ہوا کہ میں اس وقت اس علاقہ میں پھر رہا ہوں؟“

اس دفعہ چیئرٹن ہوشیار تھا۔ اس نے جواب دیا ”میں نہیں بتا سکتا۔“

”لیکن آپ کو معلوم تو ہے؟“

چیئرٹن خاموش رہا۔

”اس دفعہ اندازہ لگانے کی بھی ضرورت نہیں۔ آج مجھے صرف تین جہازوں نے دیکھا ہے جن میں سے ایک تو بھاگ کھڑا ہوا اس لئے سمندر کی تیر میں پہنچا دیا گیا۔ مجھے بزدلوں سے نفرت ہے۔ باقی دو غیر جانبدار تھے اور چپ چاپ کان بیٹھے ہوئے چلے گئے۔ لیکن اگر مجھے معلوم ہو جائے کہ ان دونوں میں سے کس نے لاسکی سے آپ کو اطلاع دی تو خواہ مجھے دنیا کے دوسرے سرے تک جانا پڑے۔ جانبدار مویا غیر جانبدار۔ ایک دفعہ اس سے تو بھگت لوں۔“

”ہاں۔ اور اس انسان میں اگر خود کسی کے ہتے چڑھ جاؤ تو؟“

کمانڈر حسبِ معمول مسکرایا ”تو پھر کیا ہے۔ موت کو آخر آنا ہی ہے۔ اگر احسان کا بدلہ اتارنے کے دوران میں آجائے تو اور بھی اچھا ہے۔“

اس وقت دروازہ کھلا اور ایک ملاح ایک باریک سا کاغذ لئے ہوئے داخل ہوا۔ افسر دوم نے اسے لے کر دیکھا اور کمانڈر کو دے دیا۔ وہ اسے ایک نظر دیکھ کر پھر چیئرٹن سے مخاطب ہوا۔

”لیکن ایک بات ہے۔ جب تک مجھے یہ کاغذ مل جاتے ہیں اس وقت تک کوئی برطانوی جنگی جہاز مجھے اٹھ نہیں لگا سکتی“

چیئرٹن نے خیال کیا کہ لاسکی رپورٹ ہوگی۔ سلاح چلا گیا۔ دونوں افسروں نے آپس میں کچھ گنگوکی۔ اس کے بعد کمانڈر نے چیئرٹن سے کہا۔ ”کھانا کھانے سے پہلے آپ براؤنوازش ذرا بائٹرشرفین لے جائیں۔ ڈریسلر دیکھ دیکھ آپ کے ہمراہ جائیں گے۔“

— مگر میں۔ امید ہے آپ معاف فرمائیں گے۔ لیکن میں مشکور ہوں گا اگر آپ پہلے اپنی جیبوں میں سے تمام اشیاء معائنہ کے لئے عنایت فرمادیں گے۔“

چیرٹرن نے فوراً جیب میں ہاتھ ڈالا جو پستول پر پڑا۔ اور وہ حیران رہ گیا کہ مجھے ابھی تک سلع رہنے دیا گیا ہے۔ اس نے اسے نکال کر دیکھا۔ کمانڈر کے چہرے کی طرف نگاہ اٹھائی۔ اس پر وہی سکرابٹ تھی۔ بدگمانی یا خوف کا نشان تک نہ تھا۔ اس نے پستول سامنے میز پر رکھ دیا۔ پھر کوٹ کے بٹن کھول کر ہاتھ اٹھا دیئے اور کہا ”بہتر ہو گا کہ آپ خود میری تلاشی لے لیں کمانڈر صاحب۔ اس صورت میں آپ کو یقین ہو جائے گا کہ باقی کچھ رہ نہیں گیا ہے۔“

”نہیں نہیں نفٹنٹ“ جواب ملا ”آپ کا صرف یہ کہ دینا کافی ہو گا کہ اور کچھ نہیں ہے۔ میں یہ بھی نہ کرتا لیکن قانوناً مجھ پر ہوں۔ ممکن ہے کوئی ایسی چیز نکل آئے جس سے ہمارے معلومات میں اضافہ ہو سکے۔ ہماری سلامتی۔ اور اب تو ہمارے ساتھ آپ کی بھی۔ ان ہی معلومات پر منحصر ہے۔“

ایک ایک کر کے چیرٹرن نے ہر ایک جیب میں جو کچھ تھا نکال کر میز پر رکھ دیا۔ اور جیبوں کے استرو کو باہر الٹ دیا۔

”ایک سوال اور ہے۔ کیا آپ جرمن زبان سمجھتے ہیں؟“

چیرٹرن نے کہا ”نہیں“

”میں آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ اب براؤکرم چند منٹ کے لئے بائزٹرسٹیف لے جائیے۔“

چند ہی منٹ گزرے تھے کہ وہ واپس کمرے میں بلا لیا گیا۔ میز پر سادہ قسم کا لیکن عمدہ کھانا کافی مقدار میں چُنا ہوا تھا۔ تینوں انفسر بیٹھ گئے اور چیرٹرن نے کہا۔

”میں نے تو سنا تھا کہ جرمنی میں سامانِ خوراک دستیاب نہیں ہوتا کمانڈر۔ اور فوج والے روز بروز اپنی پٹیاں کٹتے جا رہے ہیں۔“

کمانڈر نے سنجیدگی سے جواب دیا ”بے شک دوست۔ وہاں لوگ بھوکے مر رہے ہیں۔ لیکن جرمنی کا یہ چھوٹا سا حصہ۔ جس میں آپ بیٹھے ہیں انگلستان کی ناکہ بندی سے آزاد ہے۔“

”تو کیا ہمارے بحری بیڑے کی آپ کچھ حقیقت ہی نہیں سمجھتے؟“

”حقیقت؟“ صرف اسی قدر کہ ہمارے تجارتی جہازوں کا راستہ بند ہے۔ ورنہ دنیا بھر کے دور دور کے سمندروں تک میرا انگریزی جہازوں کے افسروں اور مسافروں کے دل ہر وقت اس طرح دھڑکتے رہتے ہیں جس طرح ان جہازوں کے انجن والے کمرے۔ آپ کا بیڑا بہت ہوشیار ہے۔ لیکن اس نے آج تک میرا کیا بگاڑ لیا۔ اگر میں چاہوں تو آپ کے ملک کے کم از کم تین مختلف ساحلی شہروں میں اپنے کھانے پینے کے سامان کا انگریز دکانداروں سے حساب کھول سکتا ہوں۔ اور تو اور آپ کی تمام بحری طاقت میرے اغراض تک کو تو بند نہیں کر سکتی“ اور اس نے انگریزی رسالہ کی طرف اشارہ کیا جو بینک پر رکھا تھا۔

”نہی سہی۔ لیکن ہمیں روکھا سوکھا کھانے کو مل تو جاتا ہے۔ آپ کا ملک کب تک فاقہ مستی کر سکے گا؟“

”یہ مجبوری صرف اس وقت تک ہے جب تک میرے جیسے چند اور۔ اور پھر چند ایک اور تیار نہیں ہو جاتے۔ وہ وقت آجانے دو۔ ہم انگلستان کو بھی دکھا دیں گے کہ فاقہ مستی میں کیا مزا ہوتا ہے“

”یہ وہ خوشگوار خواب ہے کمانڈر جو حقیقت کبھی نہ ہوگا۔ آپ کی آبدوزیو بوٹ اس تعداد میں بن بھی گئیں تو کھلے سمندر میں

نفلیں لگی کیسے؟“

”جس طرح میں نکل آیا۔ مانا کہ ہمارا بیڑا باہر نہیں آسکتا۔ لیکن کافی تعداد میں چیڑنیاں بھی ہوں تو شہر کا ناک میں دم کر سکتی ہیں۔ مگر چیڑنیاں کمانڈر نے اپنی خالی لمپیٹ ایک طرف کو سرک کر کھونٹی سے لٹکے ہوئے اوور کوٹ کی جیب میں سے سگا کس نکالتے ہوئے کہا۔ آپ انگریز ہیں اور نوجوان۔ میں جرمن ہوں اور آپ سے عمر میں کچھ زیادہ۔ ہم دونوں اپنے اپنے ملک کو خن بجا سمجھتے ہیں۔ آپ اور آپ کے موطن مجھے ایک بے رحم قاتل جانتے ہیں۔ آپ کے بے گناہ سپاہیوں اور تجارتی ملاحوں کا بے دریغ خون بہانے والا خیال کرتے ہیں۔ ہم جرمن آپ کے بھری بیڑے کی نسبت یہی حسن ظن رکھتے ہیں۔ صرف ہمارے آپ کے طریق کار میں فرق ہے۔ آپ ہمارے بے شمار ہم وطنوں کو آہستہ آہستہ فاقے سے مار رہے ہیں۔ ہم ٹھوڑے ٹھوڑے کر کے جلدی جلدی تارپیڈو کے ذریعے سے مار ڈالتے ہیں۔ آپ چاہتے ہیں کہ ناکہ بندی سے جرمنی کے فوجی اور غیر فوجی باشندوں کو بڑھوں عورتوں بچوں کی خوراک بند کر دیں۔ ہم سے جو کچھ اس کے جواب میں ہو سکتا ہے ہم کرتے ہیں اور آپ کے بھٹے جہاز ممکن ہو ڈبو دیتے ہیں تاکہ آپ کو سامان اور رسید ہم پہنچ سکے۔ میرے لئے ہر ایک تجارتی جہاز سوانہ روح کی حیثیت رکھتا ہے کیونکہ اس میں وہ سامان بار ہوتا ہے جس سے انگلستان کی زندگی میں اضافہ اور جرمنی کی زندگی میں کمی ہوتی ہے۔ مجھے جہاز کی ہوا یوں کا خیال نہیں آتا۔ میں اس سامان کو ڈبوئے کے لئے فائر کرتا ہوں۔ سواریاں بیچ جائیں تو مجھے افسوس نہیں ہوتا۔ نہ بچس تو ان کی قسمت۔ جنگ جنگ ہے میرے دوست۔ اس میں تمام معیار خواہ اخلاقی ہوں یا معاشرتی محض تنگی ہو کر رہ جاتے ہیں“ کمانڈر نے یہ کہہ کر سگا کس چیڑنیاں کی طرف بڑھادیا۔ اور خود بھی سگا کھلا کر پینے لگا۔

”اچھا ایک بات تو بتاؤ کمانڈر“ چیڑن نے پوچھا۔ ”آپ نے میرے کبھی پتہ میں کر لیا کہ میں جرمن زبان نہیں جانتا۔ اگر میں نے جھوٹ کہا ہو۔؟“

کمانڈر نے سیگا رکا ایک لمبا کش لے کر جواب دیا ”مہربان من میری عمر کے کئی سال انگلستان میں گزرے ہیں۔ اور میں آپ کے سینکڑوں ہم وطنوں کو بہت اچھی طرح جانتا ہوں۔ اس لئے جب میں کسی انگریز سے کوئی سوال کرتا ہوں تو اس کی پچھلی سمجھ خود بخود بتا دیتی ہیں کہ وہ سچ کہہ رہا ہے یا نہیں۔ آپ کی قوم کو دکھاری نہیں آتی۔ اسی لئے آپ کا بیڑا ہمارا کچھ نہیں

بگاڑ سکتا۔“

افسر دوم جواب تک خاموش بیٹھا تھا اور غالباً انگریزی زبان سے ناواقف تھا۔ اب اٹھ کر ٹیلیفون کے پاس گیا جس کی گھنٹی بجنے لگی تھی۔ اور پیغام سن کر کمانڈر سے کچھ کہنے کے بعد دروازہ کھول کر باہر چلا گیا۔ کمانڈر کے چہرے پر ایک تبدیلی سی آگئی گوا سے نرمی سے تبسیر نہیں کیا جاسکتا تھا تاہم کچھ ایسی قسم کا اثر تھا جو چیئر مین کی آنکھوں نے محسوس کیا۔ اور جب کمانڈر نے گفتگو شروع کی تو آواز اور لہجے میں بھی پہلے کی نسبت کچھ فرق معلوم ہوتا تھا۔

”خدا جانے اسے اتفاق کہا جاسکتا ہے یا کیا۔ لیکن ہے معاملہ عجیب۔“

چیئر مین نے پوچھا ”کیا بات ہے کمانڈر؟“

”یہ تصویر۔“ اس نے ایک چمڑے کے تہ ہونے والے کیس کو جیب سے نکال کر کھولا اور کہا ”کیا یہ آپ کی والدہ کی ہے؟“

چیئر مین سن ہو گیا۔ اس کی والدہ — اور اس کی شخصیت — گذشتہ چند گھنٹے کے واقعات میں اسے اپنے

ذاتی حالات پر غور کرنے کا موقع ہی نہ ملا تھا۔ اس کی والدہ انگلستان میں مرنے کے قریب تھی اور ڈاکٹر نے جس کے وہ زیر علاج تھی حکم بھری میں خاص طور پر کوشش کر کے چیئر مین کو چھٹی دلائی تھی جس سے وہ مستفید ہونے والا تھا۔ اور اب — اس نے صرف سہا کر جواب اثبات میں دیا —

کمانڈر نے کہا ”ٹھہر لفٹنٹ — میں آپ کو ایک چیز دکھاؤں“

چیئر مین کا سر گھوم رہا تھا اور دماغ میں خیالات کا ہیجان برپا تھا۔ کمانڈر نے ایک جس کھول کر اس میں سے ایک اور تصویر نکالی اور دوسری تصویر کے برابر میر پر کھدی — میر پر کلی کے لمبوں کی پوری روشنی پڑ رہی تھی۔ دونوں تصاویر کے چہروں میں کافی مشابہت پائی جاتی تھی۔ وہی سفید بال — وہی ایک خاص وقار — وہی شرافت اور مروت بھری آنکھیں۔ اسی قسم کا بادہ لباس — گویا جو شخص اصل کو نہ جانتا تصادیر کو الگ الگ دیکھ کر یہی سمجھتا کہ دونوں ایک ہی عورت کی ہیں صرف بیٹھے کا طریقہ مختلف ہے۔

”کیا یہ — آپ کی والدہ ہیں کمانڈر؟“

”ہاں لفٹنٹ — تمہیں۔“

”تو کیا تمھوڑا ہی عرصہ ہوا۔“

کمانڈر کی انگریزی زبان اس دفعہ پہلے کی طرح صاف نہ تھی جس سے اس کے دل کی حالت کا اندازہ ہوتا تھا۔ اُس نے کہا ”ہاں — وہی ایک موقع تھا۔ جب برطانوی پیٹر امیر سے لے واقعی طاقتور ثابت ہوا۔“ فقرے کے آخری حصے میں آواز قدر

بھرائی ہوئی معلوم ہوتی تھی۔ اور کانڈرنے منہ پھیر لیا تھا۔ لیکن ایک لمحہ کے بعد جب اس نے پھر چیئرٹن کی طرف دیکھا تو چہرے پر کوئی غیر معمولی اثر نہ تھا۔

”یہ واقعہ آپ کو مفصل سنانے کو دل چاہتا ہے نفٹنٹ۔ شاید اس لئے کہ تصاویر کی مشابہت کی وجہ سے آپ صحیح اندازہ کر سکیں گے۔“ یہ کہتے ہوئے کانڈرنے چیئرٹن کی مجلسوں سے جو ایشیا اٹلی تھیں، سوائے پستول کے۔ اپنی جیب سے نکال کر اُسے واپس دے دیں۔ اس نے بغیر دیکھے انہیں اپنے کوٹ میں رکھ لیا۔ کانڈرنے پھر کہنا شروع کیا۔

”اس واقعہ کو تین مہینے کا عمر ہوا ہے۔ اس پوٹ کو لے کر بحیرہ شمالی میں نکلنے سے پہلے میں نے ایک معزز دوست سے جو محکمہ بحری کے اعلیٰ افسروں میں سے ہے وعدہ لے لیا تھا کہ اگر میری والدہ کی جو بہن تھیں حالت بستر ہو جائے تو مجھے۔ جس طرح بھی ممکن ہو سکے۔ اطلاع دیدے۔ ان کو مجھ سے بہت محبت تھی اور میں جانتا تھا کہ ان کی یہ خواہش ہوگی کہ بس آخری وقت میں ان کے پاس ہوں۔“

”آپ کے بحری سرنگ اندازہ ہر رات کو میرے راستے پر تمام سمندر میں سرنگیں بچھا کر اسے ناقابل عبور کر دیتے تھے۔ صبح کے قوت ہمارے زیپلن ہوائی جہازوں کے آنے پر وہ بھاگ جاتے تھے۔ اور اپنے سرنگ ہٹانے والے جہازوں کے عقب میں مجھے اپنے محفوظ علاقہ میں پہنچنے یا وہاں سے نکل آنے کا موقع مل جاتا تھا۔ ایک روز سمندر میں سخت طوفان ہونے کی وجہ سے میں اپنے صدر مقام سے بہت دور نکل گیا اور دیر تک تہیں پڑا انتظار کرتا رہا۔ جب واپس چلا اور پہلا لاکھی پیغام ملا تو وہ یہ تھا کہ مجھے اپنی والدہ کے پاس جانا چاہئے۔ میں پوری رفتار سے روانہ ہوا تا کہ دوسرے روز شام ہونے سے پہلے منزل مقصود تک رسائی ہو جائے لیکن تقدیر میرے خلاف تھی۔ سپر کے قریب جب یہ امید ہونے لگی کہ محنت بیکار نہ جائے گی میں نے پانی میں سے سر اٹھایا تو کھینٹ کیا دیکھتا ہوں کہ برطانیہ کا شاید نصف بحری بیڑا منہ کھولے کھڑا ہے۔ چنانچہ غوطہ لگا کر بھاگ نکلا۔ دو چار نے نقاب کیا اور گہرے پانی میں چلنے والے بم بھی پھینکے لیکن صرف اس وجہ سے کہ میں نے انہیں پہلے دیکھا تھا میں ان کی زد سے بچ کر نکل گیا۔ اور دور کا پکڑ لے کر پھر لوٹا۔ اب مجھے ایک غیر جانبدار جہاز نے دیکھ لیا جسے میں نے محض اس لئے ڈوبو دیا کہ ایسا نہ ہو کہ میرے متعلق ایسی کسی کو خبر دیدے لیکن شام مجھے تک میں نہ پہنچ سکا اور سرنگ اندازوں نے راستہ بند کر دیا۔ رات مجھے ہی سمندر کی تہ میں پڑا اور پیغام ملنے سے تیسرے دن صبح کو جب صدر مقام پر پہنچا تو معلوم ہوا کہ جس سانحہ کا خوف تھا وہ وقوع پذیر ہو چکا ہے۔ یہ گویا برطانیہ بیڑے کی ایک عظیم الشان فتح تھی۔“

کانڈرنے کہہ کر سانس دیا لیکن غلاف معمول اس سہی میں مسرت نہ تھی۔ اور گفتگو کو جاری رکھا۔ ”لیکن ایسی فتح جس کی قیمت بھی اُسے بہت گراں دینا پڑے گی۔“

چیئرٹن خاموش تھا۔ وہ ایک ایسے دشمن کو کیا جواب دے سکتا تھا جس کی کہانی واقعی بے حد دردناک تھی لیکن جس کے آخری

الفاظ میں اس کے ملک کے خلاف زبردست دھمکی نے اس کے منہ پر ہمہ رسکوت لگا دی تھی۔

آخر اس مجر العقول جرم شخصیت نے چیئرٹن کے اعصاب میں ایک ایسی بے چینی سی پیدا کر دی کہ اس نے گھبرا کر سوال کیا ”آپ نے یہ واقعہ مجھے کیوں سنایا کیا نڈر؟“

”صرف اس لئے کہ آپ کی اور میری حالت میں اس قدر شا بہت ہے۔ میں چاہتا ہوں آپ یہ اندازہ کرنے میں کہ میرے دل پر کیا گزری یہ اچھی طرح محسوس کر سکیں کہ آپ کے ساتھ کیا ہونے والا ہے۔“

”یعنی؟“

”مشر چیئرٹن“۔ کمانڈرنے آگے کوچک کر کہا۔ اس کے چہرے کے کسی قسم کے احساس کا اظہار نہ ہوتا تھا ”اپنے فرض منصبی کے سلسلہ میں میں نے آپ کی جیبوں سے نکلے ہوئے تمام کاغذات دیکھے ہیں۔ اگر نصیبی — اور میں — آپ کے راستے میں حائل نہ ہو جاتے تو آپ آج رخصت پر ہوتے۔“

”دیکھئے کمانڈر صاحب“ چیئرٹن کے دل کا جوش ابکی طاقت منہ بظہر غالب آگیا اور اس نے کمانڈر کی بات ختم نہ ہونے دی۔ ”میں آپ کے اختیار میں ہوں اور آپ میرے ساتھ جو چاہیں کر سکتے ہیں لیکن اگر آپ کا مطلب یہ ہے کہ میرے دل کو وہی اذیت پہنچا کر جو آپ کے دل کو پہنچی ہے آپ کو برطانیہ سے کا حقہ بدلہ لینے کی طمانیت حاصل ہوگی تو میں یہ کیسے بغیر نہیں رہ سکتا کہ مجھے آپ سے یہی امید تھی — آپ جرم ہیں۔“

کمانڈر کا چہرہ ان الفاظ کو سن کر سُرخ ہو گیا لیکن وہ جسمانی نقصا دم جس کا چیئرٹن اس توہمی تحفیر کی سرائیں متوقع تھا۔ اور جس کا دُبدو جواب دینے کے لئے وہ تیار تھا خواہ نتیجہ کچھ بھی ہو۔ واقعہ نہ ہوا — کمانڈرنے منہ پھیر لیا اور صرف یہ کہہ کر دو اونٹوں سے باہر چلا گیا کہ اب بہتر ہو گا کہ آپ میرے بستر پر آرام کر لیں۔ اس کی آپ کو ضرورت ہوگی۔ چار بجے ڈیوٹی ختم ہونے پر میں خود آکر آپ کے کچا بکنا لیکن چیئرٹن کو جگانے والا کمانڈر نہ تھا۔ بلکہ ایک زور کا دھماکا تھا جس سے وہ چونک کر اٹھا۔ بجلی کے ٹپٹے ٹپٹا رہے تھے۔ ہوا بھاری اور تیل کی بدبو سے بسی ہوئی تھی۔ چیئرٹن کے سر میں گرانی محسوس ہو رہی تھی۔ اور یہ دل چاہتا تھا کہ پھر ہو جائے۔ اس نے اٹھنے کے ارادہ سے ایک ٹانگہ پٹنگ سے نیچے اتارنا چاہی لیکن لکھنٹ ایک جھٹکے سے خود بخود فرش پر جا پڑا۔ اب بائیں ہاتھ کی نو لادی دیوار چھت بن گئی اور فرش جس پر وہ پڑا تھا دیوار کی جگہ کھرا ہو گیا۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے سیر کی ٹانگوں کو زور سے پکڑ لیا تاکہ گر نہ جائے۔ فرش پر بدھا ہو کر دوسری طرف کو اٹھنے لگا۔ آبدوز کی حرکت اس طرح سختی جیسے پھلی کبھی دائیں طرف اور کبھی بائیں جانب مڑتی ہوئی کبھی پانی کی سطح سے قریب اور کبھی دور نہایت تیز رفتار سے جاری ہو۔ چیئرٹن نے فرش پر پیٹا رہنا مناسب سمجھا — ایک اور دھماکا ہوا لیکن پہلے سے زیادہ فاصلے پر کشتی پھر لٹی سی جی ہوئی لیکن پہلے سے کم — پھر ایک اور ہوا۔ اس سے بھی

اس دفعہ آبدوز کی حرکت کچھ نمایاں اثر نہ ہوا — چیئر مین نے کلائی پر کی گھڑی میں وقت دیکھا۔ ساڑھے پانچ بج چکے تھے۔ کمانڈر نے چار بجے آنے کو کہا تھا —

اس نے اٹھ کر کھڑا ہونے کی کوشش کی لیکن ٹانگیں لڑکھڑانے لگیں۔ کمرہ چاروں طرف گھومنے لگا۔ مجبوراً سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔ غنودگی کے بادل میں تمام احساسات غائب ہو گئے۔

کچھ عرصہ بعد آنکھیں کھلیں تو کمانڈر دروازے میں کھڑا تھا۔ لیکن یہ وہ خوش مزاج تبے نکر مسکراتا ہوا کمانڈر نہ تھا بلکہ وہ نڈرا اور بہادر بیجو تھا جس کے خیال سے اس کے دشمن کا نپیتے تھے۔ چہرے پر پسینہ بہا تھا اور آنکھوں سے خون ٹپکتا معلوم ہوتا تھا۔ چیئر مین کے حواس فوراً درست ہو گئے اور وہ کھڑا ہو گیا۔ کمانڈر نے کہا —

”کہئے ہوا باز صاحب آپ نے ہمدردی باحوالہ سنا؟“ بات کرنے کے دوران میں اس کے چہرے کی حالت بتدریج تبدیل ہوتی جا رہی تھی یہاں تک کہ چند ثانیہ میں چہرہ اپنی پہلی خوشگوار حالت پر آ گیا۔

چیئر مین نے پوچھا کیا آبدوز کسی تنگی نقل و حرکت میں مصروف تھی؟

”صرف اس حد تک کہ ہم بھاگ رہے تھے اور برطانوی بحفاظت جنگی جہاز اپنی بارود دھونک رہے تھے۔“

”تو نتیجہ کیا ہوا؟ ہم کہاں ہیں؟“

”ابھی اسی دنیا کے سمندر کی گہرائیوں میں محفوظ ہیں۔ بات یہ ہوئی کہ درآمد لینے اور چاند دیکھنے کے لئے باہر نکلے تھے۔ دیکھا تو دو آہن پوش ہمارے دونوں طرف آنکھیں پھاڑے کھڑے ہیں۔ ہم غوطہ لگا کر دوڑے لیکن ان میں سے ایک یا شاید دو توں ہمیں دیکھ چکے تھے۔ اسس پہلے عیق پانی کے ہم نے تو ہمیں لے ہی لیا ہوتا لیکن قسمت یا دوستی۔ غالباً وہی آپ کی نیند میں سبھی نفل انداز ہوا۔“

باقی دو ہم جب سمجھے ہم ان کی زد سے دوڑ کر نکل چکے تھے۔ یہ کہ کمانڈر باہر چلا گیا اور چیئر مین کو خراب ہوا کا سمجھا احساس ہونے لگا لیکن تھوڑی دیر میں کمانڈر نے واپس آ کر کہا۔

یہاں ہوا ذرا خراب سی ہو گئی ہے لیکن اب ہم تعاقب کرنے والوں سے بہت فاصلہ پر ہیں۔ اور ابھی صبح کی تنازہ ہوا کھانے کے لئے باہر نکلیں گے۔

یہ سن کر چیئر مین کو کچھ اطمینان ہوا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ خدا جانے باہر جانے کی اجازت بھی ملے گی یا نہیں۔ آخر کمانڈر نے سوال کیا ”آپ کا میری نسبت کیا ارادہ ہے کمانڈر۔ مجھے کہاں لئے جا رہے ہو؟“

اس نے کچھ سوچ کر جواب دیا ”ہم ایک خاص مقام کی طرف جا رہے ہیں۔ مجھے آپ کو خطی پریتا کر اور لوگوں کے حوالے کرنا ہے۔ یہ میں آپ کو نہیں بتا سکتا کہ کہاں۔“ کمانڈر کا بوجہ سنجیدہ تھا۔ وہ دباؤ پر کھٹے ہوئے ایک نقشے میں غور سے کچھ دیکھنے لگا۔

چیئر مین کے دل میں اپنی بیار والدہ کا خیال آنے سے سخت بے چینی محسوس ہونے لگی۔ اگر اس کی زندگی کی امید ہوتی تو ڈاکٹر کبھی رخصت کے لئے کوشش نہ کرتا۔ اب وہ بے چاری بستہ بزرگ پر پڑی ضعف و نقاہت بھری آنکھوں سے دروازے کی طرف دیکھ رہی ہوگی کہ کہ میرا تخت جگڑاتا ہے۔ اسی انتظار میں زندہ ہوگی کہ آخری دفعہ اس کے پیارے چہرے پر نگاہ پڑ جائے۔ ہر آہٹ پر چونک اٹھتی ہوگی۔ ہر آنے والے کی طرف امید بھری نگاہوں سے دیکھتی ہوگی کہ شاید اس کے آنے کی خبر لایا ہو۔ لیکن آنے کی تو کیا اب یہ بھی کسی کو خبر نہ تھی کہ وہ کہاں ہے۔ اس سے تو یہی کہیں گے کہ نہیں آ سکتا۔ ملازمت کے فرائض سے مجبور ہے۔ وہ مایوس ہو جائے گی۔

دروازہ کھلا۔ تازہ ہوا کے ایک جھونکے کے ساتھ اندر آ کر کمانڈر سے کچھ کہا۔ اس نے چیئر مین کو بھی آنے کا اشارہ کیا اور خود باہر چلا گیا۔

چیئر مین آہنی زینہ پر چڑھ کر باہر نکلا تو سہا نہایت خوشگوار معلوم ہوئی۔ آسمان ستاروں سے بھرا ہوا تھا اور صاف کھلے سمندر پر چاندنی بہاؤ دکھائی دیتی تھی۔ تین چار سایہ نانا نشیمنیں لگا کر چاروں طرف افق کی جانب غور سے دیکھ رہی تھیں۔ چند منٹ تک خاموشی رہی۔ اس کے بعد کمانڈر نے کچھ حکم دیا اور دو آدمی فوراً نیچے چلے گئے۔ آبدوز کے بخن کی آواز بند ہو گئی اور رفتاً راستہ دھیمی ہو گئی کہ محسوس نہ ہوتی۔ کمانڈر نے چیئر مین سے کہا۔

”ایک جہاز آ رہی ہے اور تھوڑی دیر میں ہمارے سامنے سے گزرے گا۔ آپ چاہیں تو ہمیں رہ کر متا دیکھیں۔“
”تو کیا آپ غلط نہیں لگائیں گے؟“

”یہ حالات پر منحصر ہے۔ چاند باندی پر اور ہماری پشت کی جانب ہے اس لئے ہم اسے پہلے دیکھیں گے۔ اگر غیر جانبدار ہو تو چپ چاپ چلا جائے گا۔ اور اگر اس نے تین پانچ کی توہم اس کا رخ بدل دیں گے۔ سمندر کی تہ کی طرف۔“ کمانڈر نے پانی کی طرف اشارہ کیا۔
”اگر برطانوی ہوا تو؟“

”آپ کی خاطر سے میں خاموش رہوں گا۔ لیکن یہ جانتا ہوں کہ اس کا تو پختہ نہیں دیکھتے ہی گفتگو شروع کر دیگا۔ اس حالت میں جواب دینا لازم ہوگا۔ یا بھاگ جانا۔ کہیں آپ میری جگہ ہوتے تو کیا کرتے؟“

چیئر مین خاموش ہو گیا۔ غور ٹی پیڑوں اور افق کی دھندلی گہرائیوں میں ایک سبز روشنی نظر آئی۔ چند منٹ کے بعد اس کے برابر ایک سرخ روشنی دکھائی دی۔ اب جہاز کے انجنوں کی خفیف سی آواز بھی سنائی دینے لگی جو غلط بظہر مستی چلی جاتی تھی۔ آبدوز کا رخ بدل گیا تھا اور جہاز سیدھا اس کی طرف آتا معلوم ہوتا تھا۔ کمانڈر نے کہا۔

”ناروے کا تجارتی جہاز ہے۔“ اور دور بین چیئرٹن کے ہاتھ میں دے دی۔ اس میں سے جہاز کے پہلو پر اس کے ملک کا نشان پہچانا جاسکتا تھا۔ جہاز آبدوز سی چند سو گز کے فاصلے پر گزر رہا تھا اور اب اس کی بائیں جانب پوری دکھائی دیتی تھی۔ سلطنت اس کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک بہت سے بجلی کے لمپ روشن ہو گئے جو جہاز کے کناروں سے ہٹا کر لمبی لمبی آہنی لمبوں پر آدیاں کئے گئے تھے۔ تاکہ ان کی روشنی ملکی نشان کو صاف ظاہر کر سکے۔ گویا جہاز والوں نے سمندر پر ملک الموت کے اس چھوٹے سے سیاہ فام سیاہر کو تیرے دیکھ لیا تھا اس لئے نہایت چھری سے اپنا پاسپورٹ نکال کر پیش کر دیا کہ مبادا کوئی غلط فہمی ہو جائے۔ صبح ہونے کو تھی۔ دونوں نیچے اپنے اپنے کمرے میں چلے آئے۔ کچھ ناشتہ کرنے کے بعد کمانڈر چیئرٹن سے اس کے سامنے آرام کرنے کے لئے معذرت کر کے پٹنگ پرسونگیا۔ چیئرٹن تو ہونے والی فوٹری آرام کر سی پر لیٹ کر انگریزی رسالے اور اپنے خیالات میں غور ہو گیا۔ دوپہر کے قریب آبدوز کی مستقل مہوار حرکت میں فرق آنے لگا۔ رفتار لمبی ہو گئی۔ جن کی آواز آہستہ ہوتے ہوتے بند ہو گئی اور ایسا معلوم ہوا گویا آبدوز کسی ٹھوس جگہ پر بیٹھ گئی ہے۔ افسردہ بہت سے کاغذاتھ میں لے کر اندر آیا۔ کمانڈر نے اٹھ کر انہیں دیکھا اور واپس کر دیا۔ پھر چیئرٹن سے کہا۔

”آئیے آپ کچھ دکھاؤں!“ اور اسے لے جا کر پیرسکوپ (Periscope) کے سامنے کھڑا کر دیا۔ جس کے آئینوں میں سے سمندر کی سطح دکھائی دیتی تھی۔

چیئرٹن نے اسے چاروں طرف گھا کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ ان کے ایک طرف سمندر ہے لیکن بڑی بڑی لہریں کچھ فاصلے پر ہیں۔ گویا جہاں آبدوز رشتی ہے اس جگہ پانی کچھ زیادہ نہیں۔ دوسری طرف تقریباً پچاس گز کے فاصلے پر اونچی فلک شگاف چٹانیں یوں کی طرح کھڑی ہیں۔ چیئرٹن نے حیران ہو کر پوچھا۔

”کمانڈر ہم کہاں ہیں؟“

اس نے مسکرا کر جواب دیا۔ سمندر کی ملکہ کی خواہگاہ ہیں۔ ہیریوں کی ہی صاف اور چمکدار ریت کے فرش پر۔ جہاں سمندر کا شور اور ساحل کے رہنے والوں کی باہمی کشمکش کی پریشان کن آوازیں نہیں پہنچ سکتیں۔ یہ میرا ایک محفوظ آشیانہ ہے۔ جس کا علم سوائے آبی پرندوں کے اور کسی کو نہیں۔ یہاں سے ساحل پر جانا یا ساحل پر کسی کا پانی میں آنا ناممکن ہے۔“

یہ کہ کر وہ چیئرٹن کو واپس اپنے کمرے میں لے آیا جہاں کھانا چٹا ہوا تھا اور افسردہ موجود تھا۔ کھانے کے بعد جب برتن اٹھائے گئے اور افسردہ چلا گیا تو کمانڈر نے کہا آج مجھے تاریکی ہونے تک یہیں پڑے رہنا ہے۔ ہر روز میں ایسا نہیں کرتا لیکن آج کسی خطرے میں پڑنا نہیں چاہتا کیونکہ آپ کی حفاظت مد نظر ہے۔ اب آپ پھر فوٹری دیر کے لئے سو جائیے۔“

چیئرٹن کو سوتے ہوئے کافی وقت گزر گیا تھا کہ کمانڈر کی آواز نے جگا دیا۔

اٹھے نفٹ صاحب! آپ تو گھوڑے پیچ کر سوئے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔ مجھے آوازیں دیتے دیتے گھٹنوں ہی نہیں شاید

ہہینوں ہو گئے۔“

اس نے اٹھ کر دیکھا کہ میز پر گرم چائے کا پھالہ اور کچھ بکٹ رکھے ہیں اور پوچھا ”کیا یہ میرے لئے ہیں؟“
کمانڈرنے اشارے سے اثبات میں جواب دیا لیکن اس کی طرف نہایت غور سے دیکھتا رہا۔ چیرٹن نے حیران ہو کر پوچھا

”کیوں کمانڈر خیر تو ہے؟“

کمانڈرنے کچھ سوچ کر کہا ”کیا مطلب خیر کیوں نہیں؟“

”آپ کسی فکر میں مبتلا معلوم ہوتے ہیں۔“

”نہیں دوست فکر کچھ نہیں۔ صرف وہ وقت آگیا ہے جب مجھے اپنے ہمراہ سے خدا حافظ کہنا پڑیگا۔ اور۔ اور۔۔۔“

میں قدر سے منموم ہوں۔“

احساس کا اظہار اس کہ نہ متوجہ ہو کر رہا تھا۔ اس لئے چیرٹن نے فوراً کہا ”آپ خیال نہ فرمائیں کمانڈر صاحب۔ مجھے گرفتار کرنا آپ کا فرض تھا۔ بلکہ میں تو خود بخود آپ کے سر پر آدھمکا تھا۔ ممکن تھا آپ اسی وقت مجھے مار دیتے۔ اور یہی توقع تھی اسی لئے میں نے ہسٹول نکال لیا تھا۔ لیکن آپ نے مجھے مار نہ ڈالا تو اب سیر کر دینے میں کیا مضائقہ ہے۔ بہر حال آپ کو ان دونوں میں سے ایک بات کو عمل میں لانا تھا۔ زندگی شیریں ہے اور جنگ ہمیشہ توند رہے گی۔“

کچھ دیر تک کمانڈر حسب معمول مسکراہٹ سے چیرٹن کے چہرے کی طرف دیکھتا رہا۔ پھر کہنے لگا ”آپ کی اس بات سے میری فکر دو ہو گئی ہے اور مجھے امید ہوتی ہے کہ آپ میری درخواست منظور کر لیں گے۔“

”درخواست؟ یا حکم؟“

”کلم نہیں درخواست۔ اور اس کی چند وجوہ ہیں۔ میں نے اس بات کی کوشش کی ہے کہ جہاں تک ہو سکے آپ کی تکالیف میں اضافہ نہ ہو اور انتظام کر دیا ہے کہ جہاں آپ جا رہے ہیں وہاں آپ کے ساتھ ایسا برتاؤ کیا جائے جیسا دوسرے قیدیوں کے ساتھ عالم طور پر نہیں کیا جاتا۔ اس لئے میری خواہش ہے کہ آپ۔۔۔“

”ہاں ہاں۔ فرمائیے!“

”سوچ کر بھاگ جانے کی کوشش نہ کیجئے گا۔“

”اگر کوں بھی تو بائیں بے کار ہوگی۔“

”بے شک۔ اسی لئے تو میں چاہتا ہوں کہ آپ کوشش ہی نہ کریں۔ کیونکہ میں آپ کو تنہا حل تک بھیجنا چاہتا ہوں۔“

جیہاں سے زیادہ دور نہیں ہے۔
”تنہا؟“

”ہاں۔ کیونکہ میرے پاس وقت بہت کم ہے۔ مجھے صبح ہونے سے پہلے یہاں سے بہت دور پہنچنا ہے اور ہر منٹ قیمتی ہے۔ بہت غور و خوض کے باوجود مجھے اس کے سوا کوئی طریقہ نظر نہیں آتا کہ آپ کو ایک کشتی دے کر اس بھروسے پر روانہ کر دیا جائے کہ آپ خواہ مخواہ آفت اور خطرے میں مبتلا ہو جانے سے محترز رہیں گے۔ براہ کرم پندرہ منٹ کے اندر تیار ہو جائیے۔“ یہ کہہ کر کمانڈر باہر چلا گیا۔

چیئر مین چائے ختم کرنے اور کپڑے پہننے کی اٹنائیں یہ سوچ رہا تھا کہ غالباً میرے سوتے ہی سوتے کسی طرح آبدوز بحری سرنگوں کے صلفے سے گذر کر جرمین سمندر میں پہنچ گئی ہے۔ لیکن کمانڈر کی ذہنیت کی ترکیب اور خصوصاً بغیر محافظ کے تنہا ساحل پر بھیجا جانے پر حیرت ہو رہی تھی جو سخت تحیر کی صورت اختیار کر گئی جب اس نے اٹنے کوٹ کی جیب میں ڈالا اور دیکھا کہ اس کا پستول بیستور بھرا ہوا اس میں رکھا ہے۔ حالانکہ گذشتہ رات جب وہ آبدوز سے باہر نکلا تھا تو پستول موجود نہ تھا۔ اتنے میں ایک چھوٹا افسر اندر آیا اور کہنے لگا ”کمانڈر صاحب آپ کو بلاتے ہیں۔“

چیئر مین جب آبدوز کی چھت پر پہنچا تو دیکھا کہ کافی تاریکی ہے۔ چاند ابھی نہ نکلا تھا۔ وہ اس طرف چلا جہاں ایک بڑی سی پائپا صورت دکھائی دیتی تھی۔ قریب پہنچے پر کمانڈر نے دھیمی آواز سے کہا ”اب خدا حافظ سر چیئر مین۔“ مجھے افسوس ہے کہ میں آپ کو خاص اس جگہ جہاں چاہتا تھا نہیں اتار سکا۔ لیکن میرا بعدی جاننا ضروری ہے۔ اس لئے“ اس نے آبدوز کے برابر ہی سمندر کی طرف اشارہ کیا ”کیشتی موجود ہے۔ مگر بہت مضبوط تو نہیں کیونکہ کربچ کی بنی ہوئی ہے تاہم امید ہے آپ کو صحیح و سلامت کنارے تک پہنچا دے گی جو وہ سامنے دھندلا سا نظر آ رہا ہے۔“

”لیکن“ چیئر مین نے پوچھا ”کیا واقعی مجھے اکیلا بھیج رہے ہیں؟“

”ہاں؟“

”لیکن میں جرمن زبان کا ایک لفظ نہیں جانتا کمانڈر۔ ساحل پر مسلح سپاہی ہوں گے۔ وہ ممکن ہے مجھے گولی مار دیں یا جہاز سمجھ کر گرفتار کر لیں۔؟“

”میں نے سب انتظام کر دیا ہے آپ گھبرائیں نہیں۔ بے تار برقی سے بہت کچھ ہو سکتا ہے۔ اس کے علاوہ یہ ایک خط ہے برائے لوگوں کو دکھا دینے سے جن کے پاس آپ جا رہے ہیں تمام امور صاف ہو جائیں گے۔ پھرے کے گارڈ سے کسی نہ کسی طرح نمٹ لیجئے۔ نشیہ میں سرشار ہونے کا بہانہ کرنے سے وہ بھی غالباً گرفتار ہی کر لینے پر اکتفا کرے گا۔“ خود اخطاف

اس دفعہ جیٹرٹن نے اس کے بڑے ہوتے اٹھنے سے بے اعتنائی ظاہر نہ کی اور مصافحہ کر کے کشتی میں اتر گیا کشتی تو کسی چیز سے ٹکریں دیا گیا اور وہ آہستہ آہستہ چھو چلا تا ہوا تار ایک سندرپ پر چل نکلا۔

تھوڑی دیر میں اس کے حواس مجتمع ہونے شروع ہوئے اور اس نے آسمان کی طرف تاروں کا رخ دیکھنے کے لئے نگاہ دوڑائی تو دیکھا کہ ساحل بعد صبح وہ جا رہا ہے شمال مغرب کی طرف ہے۔ شمال مغرب کی طرف کو ساجزین ساحل ہو سکتا تھا۔ کیا کوئی جزیرہ تھا۔؟ آبدوز جزیں پانی میں بہت دور تک اندر چلی گئی تھی۔ بچاؤ کی صورت؛ لیکن بھاگ کر کہاں جاسکتا تھا۔؟ کمانڈر کے الفاظ۔ دشمن کا بھروسہ۔ لیکن بھروسہ۔

انہی خیالات میں ڈوبا ہوا تقریباً آدھے گھنٹے میں وہ کنارے کے قریب پہنچا جہاں پھری چٹانیں تو مٹھیں لیکن زیادہ خطرناک نہ تھیں۔ وہ کشتی چھوڑ کر تک پانی میں اتر گیا اور کچھ تیرتا کچھ چلتا۔ لہروں کے تھپہڑے کھاتا آخر کار خشکی پر پہنچ گیا۔

کچھ عرصہ دم لے کر۔ کیونکہ تنگ گیا تھا اور سردی سے کانپ رہا تھا۔ اس نے چٹان پر چڑھنے کی کوشش شروع کر دی جو کنا سے سے بہت بلند اور نامہوار تھی۔ خدا جانے اس کا استقبال کس شان سے ہوگا۔ کیا وہ تمام جزیں انفرجی جن سے اُسے سابقہ پڑنے والا تھا ایسے ہی ہوں گے جیسا یوٹ کا کمانڈر تھا۔ وہ غمازی خط۔ کیا اس کا اثر ہوگا؟

وہ گرتا پڑتا آہستہ آہستہ چڑھتا چلا گیا یہاں تک کہ ایک چھوٹی سی پگڈنڈی ملی اور راستہ پہلے کی نسبت آسان ہو گیا لیکن انڈیا اس قدر تھا کہ دو چار فٹ سے زیادہ فاصلہ نظر نہ آتا تھا۔ اس لئے ہر چند قدم پر ٹول ٹول کر بڑھنا پڑتا تھا۔ خیالات کے جھوم میں وقت کا احساس تک نہ رہا تھا۔ معلوم نہیں کب تک اس طرح چلتا رہا۔

لیکھت ٹھوکر لگی۔ گرا۔ اور غار دار تاریکی بہت سی مٹیوں میں اس کے جسم کے مختلف حصوں میں جُجھٹیں ساتھ ہی ٹکڑے ٹکڑے لہجوں میں آئی۔
"ہالٹ! جو کز دیر؟" (Halt! Who Comes There?)

اب اگر اس آہنی تار میں بجلی کی رود وڑ جاتی تو شاید اسے اتنا صدمہ محسوس نہ ہوتا جتنا اس سوال سے ہوا۔ کیونکہ فقرہ صاف انگریزی زبان میں کہا گیا تھا اور لہجہ بالکل انگریزی تھا۔ حیرت سے اس کی زبان بند ہو گئی۔ آواز نہ آئی۔

"میں نے پوچھا تھا کون ہے؟ اگر فوراً جواب نہ دیا تو۔"

"میں۔ میں ایک انگریز انفرجی ہوں۔" خطرے کے احساس نے اس کے منہ سے کہلوایا۔ "تم کون ہو؟"

"تمہیں اس سے کیا واسطہ۔ جہاں ہو دو ہیں کھڑے رہو!۔ گارڈ! ٹرن آؤٹ!"

کہیں قریب سے رائفلوں کے اٹھانے کے ساتھ بھاری بوٹوں اور مختصر احکام کی آوازیں آئیں۔ پھر کسی نے پوچھا۔
"کیا ہے والٹر؟"

”معلوم نہیں سارجنٹ۔ تار پر کوئی شخص ہے جو اپنے آپ کو انگریز افسر بتاتا ہے۔“
 ”کون ہے تار کے پاس؟“ سارجنٹ کی آواز آئی
 ”میں ایک برطانوی افسر ہوں۔ خدا کے لئے بتاؤ تم کون لوگ ہو؟“ چیئر مین نے تار کی لمبھن میں سے نکل کر کھڑا ہونے کی
 کوشش کرتے ہوئے کہا۔

”اچھا تو کاؤنٹر سائن (Countersign) کیا ہے؟“
 ”مجھے کیا معلوم۔ میں تو ابھی سمند میں سے نکل کر آیا ہوں۔“
 ”اکیسے ہو؟“

”ہاں“

سارجنٹ نے کچھ سوچا۔ پھر کہا ”بہت اچھا میرا فرض تمہیں گرفتار کر لینا ہے۔ وہاں خود جواب دے لینا۔“
 اس نے ایک لکڑی کا تختہ تاروں کے اوپر سے بڑھا دیا۔ جس پر سے ہو کر چیئر مین دوسری طرف پہنچ گیا۔ یہاں فوراً
 دوپا ہیوں نے اس کے بازوؤں کو مضبوط پکڑ لیا۔ اور سارجنٹ کے پیچھے پیچھے ایک خیمے کی طرف لے چلے جو کچھ فاصلے پر
 لگا ہوا تھا۔

وہاں دو تین انگریز افسر بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔ ان پر یہ ثابت کر دینا چیئر مین کے لئے کچھ بہت ہی مشکل نہ تھا کہ وہ برطانوی
 ہوا باز ہے۔ لیکن موقع ملتے ہی ان سے پہلا سوال اس نے یہ کیا کہ میں کہاں ہوں۔ انہوں نے جواب دیا کہ ڈھم میں نیگلن
 کے مشرقی ساحل پر۔ یس کر احساسات کے ہجوم اور مکان کے غلبہ سے چیئر مین پر بے ہوشی طاری ہو گئی۔ اور اگر اچھا ہوتا تھا کہ
 سارجنٹ نے اپنے ہاتھوں پر سنبھال لیا۔

افسروں نے شراب وغیرہ پلائی اور بھیگے ہوئے کپڑے اتار کر بستر میں لٹا دیا۔ گھسنے بھر کے بعد جب ہوش درست ہوئے تو چونکہ
 سب اس کی کہانی سننے کے بہت شائق تھے اس نے شروع سے لے کر آخر تک گزشتہ دو روز کے واقعات بیان کئے۔ جب ختم کر چکا تو
 ایک افسر نے پوچھا کہ وہ سفارشی خدا کہاں ہے چیئر مین نے کوٹ کی جیب میں سے لفافہ نکال کر دیا۔ دیکھا تو اس میں اہلی افسر محکمہ
 ہوا بازی کا وہ حکم ملفوف تھا جس میں چیئر مین کو اپنی بیار والدہ کے پاس جانے کے لئے ایک ہفتہ کی رخصت بصورت خاص دی گئی
 تھی۔ افسر کے دستخط کے مقابل دوسرے کو نے ہرا انگریزی میں یہ الفاظ لکھے تھے۔

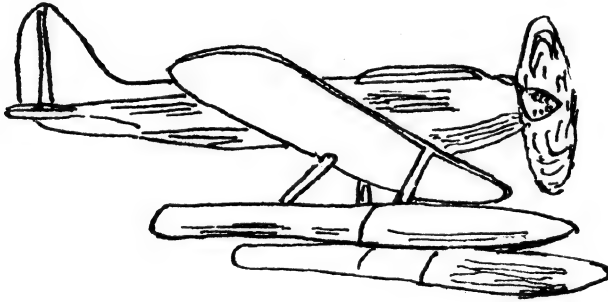
تصدیق نمودہ

آٹو فان نیکیمن۔ کمانڈر یو ۳۷۔ اپریل ۱۹۴۲ء۔ مورخہ ۲۴ جنوری

پپ — پپ — پپ۔ چیئرٹن کی رگوں میں سے آہستہ آہستہ خون نکل کر اس کے برابر لیٹے ہوئے جسم میں داخل ہو رہا تھا لیکن وہ اس چہرے کی طرف ہنسنے لگا۔ دیکھ رہا تھا جس کے سر پر ایک دقت بھری جرمین افنر کی سیاہ بھجے دار ٹوپی تھی۔ کمرے کی تیز روشنی اس چہرے کی زردی کو ہلکی سرخی میں تبدیل ہونے صاف دکھا رہی تھی اور دقت کے بجائے زندگی کا رنگ آتا ہوا معلوم ہو رہا تھا کمزوری کی وجہ سے جب وہ آنکھیں کھلی نہ رکھ سکا تو ان کے سامنے ایک دوسرے چہرے کا تصور ہوا میں تیرتا ہوا نظر آنے لگا۔ ایک عورت کا چہرہ جس کے سر پر سفید بال تھے۔ جس کی محبت بھری آنکھوں نے چیئرٹن کو چپن سے بند ریج جوان ہوتے دیکھا تھا۔ اور آخر اس کے ہاتھ میں ہاتھ دے ہمیشہ کے لئے بند ہو گئی تھیں۔ اس دقت سے تین روز بعد جب ایک جرمین نے دوران جنگ میں ایک انگریز کی خصت کے مکمل پتہ پتہ کر کے اپنے دستخط ثبت کئے تھے۔

ڈاکٹر کریگ کی آواز آئی "بس کافی ہے۔ اب انشاء اللہ اس مرلین کی جان کو کوئی خطرہ نہیں۔" چیئرٹن نے آہستہ سے کہا "خدا کا شکر ہے۔"

عطار الرحمن



مایا

ایک کس شہزادہ صبح اوقیتی زیوروں میں لہا بھندا، نوکر چاکر کے حلقے میں محصور غریب بچوں کو آزادی سے فروش خاک
لوٹتے، اور بے فکر سے کھیلتے ہوئے دیکھ کر کہتا ہے:-

(۱)

اے مادرِ گیتی! اپنی شاہی لے لے
اے مری موتیوں کی مالا لے لے
ناچا کر دل تال سم پہ آخر کب تک
زیور سے مری گلو خلاصی کر دے
لے کر قالین، مرگ چھالا دے دے
دل کیوں نہ جلے گا قائم و دیبا سے
پیرا ہن کب چاک ہو جانے دے
مجھ خاک منش کو خاک ہو جانے دے
جو ہر مرا، خاک میں چمک جائے گا،
پودا یہ زمین میں بھبک جائے گا۔

راوی

افلاس نے سخت موت، آساں کر دی
دولت کا نہ ہونا بھی، بڑی دولت ہے

میر کا کھونا بھی، بڑی دولت ہے
آرام سے سونا بھی، بڑی دولت ہے

ایک غریب لڑکی، اپنے ہمیزی مسکریں اپنے غریب باپ کو پریشان دیکھ کر کہتی ہے :-

(۲)

پیارے ابا تم مجھے زیور نہ دو غم سے نارغ سِر کو دردِ سر نہ دو
کیا سنوں گی اُن کی اس جھنکار میں فرق آجائے گا اس سے پیار میں
پیارے ابا! میری سنتے ہو اگر بے تکلف بھیج دو شوہر کے گھر
پیارے ابا تم مجھے زیور نہ دو
میں، یہیں سے گر سنورتی جاؤں گی اُن کو کچھ خاطر میں کیا میں لاؤں گی
زیوروں میں خود سری ستور ہے مجھ کو تو اُن کی خوشی منظور ہے
ماٹھ خالی جا کے واں کچھ پاؤں گی جامہ اصلی میں ہی میں جاؤں گی
سادگی سے حُسن کی تعریف ہے زیور و زر موجب تکلیف ہے
پیارے ابا تم مجھے زیور نہ دو

سید احمد حسین امجد



میرے بچے

اُہ! وہ کون تھا جس نے تمہارا کرتہ رنگ دیا میرے بچے اور تمہارے خوبصورت اعضا کو اس لال لہریں سے ڈھانپ دیا۔
صبح سویرے تم صحن میں کھیلنے کے لئے نکل آئے ہو اور خوب گرتے پڑتے دوڑ رہے ہو۔ لیکن وہ کون تھا جس نے تمہارا ریت بچھا
گرتہ رنگ دیا میرے بچے؟

وہ کیا شے ہے جو تمہیں یوں ہنس رہی ہے اے میری زندگی کی گلی۔
ماں دبیز پکڑی ہوئی تم پر سکراتی ہے۔ وہ تالیاں بجاتی ہے تو اُس کی چوڑیاں جھین جھین کرتی ہیں اور تم اپنی بانس کی
چھڑی لے کر ایک ننھے منے گڈریے کی طرح ناچتے ہو۔ لیکن وہ کیا شے جو تمہیں ہنساتی ہے اے میری زندگی کی گلی۔
اے بھکاری تم کیا مانگتے ہو؟ اپنے دونوں ہاتھوں سے اپنی ماں کے گلے سے چھٹے ہوئے۔
اونٹن گدا گدا کر تم کیا مانگتے ہو؟
ہو تمہاری پازیب کے گھنگروں کی جھنکار کو خوشی میں اڑائے لئے جاتی ہے۔
سورج مسکراتا ہے اور تمہارا سنگار دیکھتا ہے۔

آسمان تمہاری نگہبانی کرتا ہے جب تم اپنی ماں کے پہلو میں سو رہے ہو تو ہے ہوا اور صبح دے پاؤں تمہارے پلنگ کے پاس
اکرتیں چومتی ہے۔

ہو تمہاری پازیب کے گھنگروں کی جھنکار کو خوشی میں اڑائے لئے جاتی ہے۔
خواب کی پری شفق کی رنگین روشنی میں سے اُڑتی ہوئی تمہاری طرف آرہی ہے۔
دھرتی ماتا تمہارے قریب اپنی نشست بنا لیتی ہے۔ تمہاری ماں کے دل کے اندر اور وہ جو اپنا ننھے تاروں کو سناٹا کر
تمہارے دیرپے کے پاس کھڑا ہے اپنی بالتری لئے ہوئے۔

اور خواب کی پری شفق کی رنگین شعاعوں میں سے اُڑتی ہوئی تمہاری طرف آرہی ہے!

بشیر احمد بیگم

(ترجمہ)

بیچ میری

افسوس اک شجر بھی نہیں سایہ دار میں
 اس اپنی نیستی سے بہت شرمسار ہوں
 یہ زندگی گلے کا مرے ہار ہو گئی،
 آنسو بھی اک نہیں کہ مژہ سے ٹپک پڑوں
 وہ ناؤ بھی نہیں ہوں کہ دریا کو چسپ کر
 طائر بھی نہیں کہ ہوا میں اڑا کروں
 تارا نہیں کہ بن کے مسافر کا رہنما
 روشن جہاں میں جس سے کسی کا مزار ہو
 میں شلیخ خشک تک نہیں جلنے کے کام کی
 وہ خار ہوں جو اپنے ہی دل میں چھپا کرے
 سایہ فگن نہیں ہوں سرِ ہلکدار میں
 ہستی کی آرزو میں ہوں زار و زار میں
 بے وجہ یونہی اس کے گلے کا ہوں ہار میں
 دریائے درد و غم کا ہوں آئینہ دار میں
 لے جاؤں رہ نور کو دریا کے پار میں
 بن جاؤں اس طرح سے خلا کی بہار میں
 اپنی ضیاء کو راہ میں کردوں نشان میں
 وحشتِ نا نہیں ہوں وہ شمعِ مزار میں
 کیوں اپنی بے کسی پہ نہ ہوں سوگوار میں
 جو گل کا ہم نشین ہو نہیں ہوں خار میں

جینا مرا جہاں میں کسی کام کا نہیں،
 یہ خار گلستاں میں کسی کام کا نہیں،

ح۔ ب

ہٹلر

امن اچھا ہے لیکن صرف اس حالت میں جب ایک شخص باعزت زندگی بسر کر سکتا ہو۔ جب اسے سب حقوق حاصل ہوں، ایسی حالت میں امن پسندی اور انسانی ہمدردی کا وعظ جائز ہے ورنہ جنگ کے بغیر امن بے معنی ہے +

ہمارا امداد زندگی یہ نہیں ہونا چاہئے کہ ایک نظام حکومت کو برقرار رکھیں بلکہ یہ کہ ہماری قومیت مٹنے نہ پائے کیونکہ انسانی حقوق حکومت کے حقوق سے افضل ہیں، اگر انسانی حقوق کی جنگ میں ایک قوم کو بچا دیکھنا پڑے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اس دنیا میں رہنے کے قابل نہیں،

دنیا میں بزدل اور کمزور قوموں کے لئے کوئی جگہ نہیں!

ہٹلر

جنگ مذموم ہے، قومیت کا تعصب تباہ کن ہے، دنیا کو امن اور بین الاقوامی نظام کی ضرورت ہے +

اسین ٹائین

جنگ جرمن قوم کی فطرت کا لازمی عنصر ہے، جرمن ادب، شاعری، مصوری اور فن تعمیر اس قومی وصف کے آئینہ دار ہیں۔ جرمن فلسفہ جنگ کو قومی زندگی کا واحد ثبوت قرار دیتا ہے، ٹیٹسے (Tietzschke) اور ٹریچٹسے (Treitschke) اسے مرد کے لئے مدعا، حیات سمجھتے ہیں، جرمنی میں شخص کو مرد نہیں سمجھتے جو مرد میدان نہ ہو، یہی وجہ ہے کہ تمام اراکین حکومت فوجی ملازم رہ چکے ہیں، صدر جمہوریہ پال فنان ہٹلن برگ جنگ عظیم میں جرمن فوجوں کا افسر اعلیٰ تھا، وزارت خارجہ کا قلمدان کینان گورنگ (Goring) کے ہاتھ میں ہے جو ہوائی بیڑے کی گمان کرتا تھا، اور چانسلر کے عہدہ پر ایسا شخص فائز ہے، جسے دنیا جنگ کا زندہ عجیبہ سمجھتی ہے، ہر اڈالف ہٹلر جس کے ایک اشارے پر اسن عالم برہم ہو سکتا ہے، ان دلائل جرمنی کی فطرت کا مالک ہے +

ہٹلر کا نام یہود دشمنی کا مترادف ہے اور یہ تعجب کا مقام نہیں بلکہ یہی جرمن فطرت کا تقاضا ہے جرمن پیدائشی سپاہی ہے اور یہودی پیدائشی سود خوار، سپاہی کی خوشی صرف جنگ میں ہے اور سود خوار صرف امن کے دلائل میں دولت جمع کر سکتا ہے، یہی وجہ ہے کہ جرمن جنگ جو ہیں اور یہودی امن پسند +

جرمن اور یہودی میں ایک اور فرق ان کا سیاسی نقطہ نظر ہے، جرمن اپنے وطن میں صدیوں سے آباد ہیں اور اپنے آبائی وطن کی حفاظت کیلئے کٹ مرنے کو تیار ہیں، اس لئے ان میں قومیت کا جذبہ زور دل پر ہے۔ یہودی دوہرا ارسل سے غریب وطنی کی زندگی بسر کر رہے ہیں، اس لئے ان کی قومیت کسی خاص ملک سے نہیں بلکہ وہ سمجھتے ہیں کہ ہر ملک ملک ماست کہ ملک خدا ماست۔ ان کا احاطہ نظر جہنوں سے زیادہ وسیع ہے، وہ بین الاقوامی نظام کو قومیت پر ترجیح دیتے ہیں اور اسی میں ان کی بہتری ہے، کیونکہ تجارت، صنعت اور حرفت کو خارجی اور اندرونی امن و امان ہی سے فروغ ہوتا ہے، بین الاقوامی نظام سے تمام دنیا کی تجارت یہودیوں کے ہاتھ میں آ جائے گی۔

یہودی جرمن کو وحشی اور تنگ دل قوم پرست سمجھتا ہے اور جرمن یہودی کو پڑاؤں اور ذلیل سازشی کہتا ہے۔ جہنمی میں نسلی منافرت کی طرح نئی نہیں، صدیوں سے ان دو قوموں میں کشمکش چلی آئی ہے، ہمسایہ جیسٹلین کا خیال ہے یہودیوں کو جہنمی کا ازلی دشمن سمجھا جاتا تھا، فریڈرک ڈم نے یہودی حلقوں کو سیاست کا درس دینے سے منع کر دیا تھا اور انہیں حقوق شہریت سے محروم رکھا تھا۔ بسا رک کہا کرتا تھا کہ یہودیوں سے جرمن قوم کو فائدہ پہنچنے کی امید فضول ہے، یہودی غیر ہیں اور ہمیشہ غیر رہیں گے، وہ سلطنت کے اندر سلطنت قائم کرنا چاہتے ہیں۔

ہٹلر ہمیشہ یہودیوں کو سنگ راہ خیال کرتا رہا ہے، اسے ابتدا ہی میں یہ احساس ہو گیا تھا کہ یہودی اس کے رستے میں کانٹے پھیر رہے ہیں اور اس کے سامنے ایسی سیسہ پلائی ہوئی دیوار کھڑی کرنا چاہتے ہیں جو اس کے مدعا زندگی کو باطل کر دے اور اس کے عزم راسخ کو شکست دے۔

ہٹلر کا مدعا زندگی کیا ہے؟ اس کی تعین اس حیرت انگیز امر سے ہو سکتی ہے کہ اس کی پیدائش آسٹریا میں ہوئی اور اس کا ستارہ اقبال جہنمی میں چمکا، اس کی رگوں میں جرمن خون دوڑ رہا ہے اور اس کا عقیدہ ہے کہ قدرتی اسے جہنمی اور آسٹریا کو متحد کرنے کے لئے پیدا کیا ہے، وہ ڈینکے کی چوٹ اعلان کرتا ہے کہ ایک دن جرمن آسٹریا جہنمی کا ایک حصہ بن جائیگا لیکن اس اتحاد کا باعث اقتصادی مقاومتیں ہوگا، خواہ جہنمی اور آسٹریا کا اتحاد مالی لحاظ سے فضول ہی نہیں نقصان دہ بھی کیوں نہ ہو لیکن ایک دن ہم ضرور اپنے پیچھے بھائی بندوں کو اپنے ساتھ ملا لیں گے، سلطنت کے لئے کسی خاص اقتصادی نظام کی ضرورت نہیں، قوم سودا گروں کی جماعت کا نام نہیں بلکہ یہ ایک قبیلہ ہے جس کا مقصد یکجہتی اور اتفاق سے منشا، قدر و راز کرنا ہے۔ پہلے یہ خواہش اس وقت ہٹلر کے دل میں پیدا ہوئی جب وہ وی آنا میں مہارکا کام کر رہا تھا، آسٹریا کے دار الحکومت میں اسے سیاسیات کے مطالعہ کا اچھا موقع ملا۔ وہ شاہی عمارتوں کی ساخت پر غور کر رہا تھا جب اسے یہ احساس ہوا کہ

وہ جرمن فن تعمیر کے اثرات سے قطعاً عاری ہیں۔ نیک اور سرودی معماروں نے انہیں اپنے حسبِ منشا، بنایا تھا، اس لئے روز بروز وہی آنا ایک غیر جرمن شہر بنتا جاتا تھا +

وہی آنا کے اخبارات بھی جرمن تہذیب کی تحریب میں کوئی کمی نہ کرتے تھے۔ ان کا رویہ عدد و جہ قابلِ اعتراض تھا، ولیم ثانی فیصلہ جرمی پر پھبتیاں کتے تھے، ان کے یہودی مالک اور مدیر جرمن قوم کی تباہی پر ٹٹلے ہوئے تھے اور رائے عامہ کو اپنے اس ناپاک ارادہ کی تکمیل کے لئے حاصل کرنے کی ہر ممکن کوشش کر رہے تھے، ہر جرمن چیز ان کی نظر میں مذموم اور قبیح تھی۔ ان کی تقریب صرف یہودی مصنفین اور فرانسیسی مدبرین کے لئے مخصوص تھی +

آسٹریا کا شاہی خاندان ہیبیرگ صرف برائے نام جرمن تھا۔ ورنہ جرمن قوم کے مفاد کی پامالی میں شاہی خاندان کے رکن پیش پیش نظر آتے تھے، رعایا کے غیر جرمن طبقہ میں ہر دلعزیز بننے کے لئے وہ جرمنوں کے عاجز مطالبات کی بھی پروا نہ کرتے تھے، پارلیان میں اکثریت غیر جرمن طبقہ کی تھی اور وزارت پر بھی کئی غیر جرمن متمکن تھے، ملک کا سیاہ و سفید یہودیوں کے ہاتھوں میں تھا +

جرمنوں نے اس نا انصافی کے خلاف عدلئے احتجاج بلند کی لیکن کسی نے ان کی فریاد پر کان نہ دھرا۔ ڈاکٹر کارل لگر (DR. KARL LUEGER) جرمن رہنما نے اپنے حقوق کے تحفظ اور یہودیوں کے اقتدار کو کم کرنے کے لئے کرجن ہوشلٹ پارٹی کے نام سے ایک انجمن قائم کی لیکن مکار یہودیوں کے سامنے اس کی کوئی پیش نہ گئی، اپنے ماتھے پر پانی کے چند قطرے گرا کر عیسائیوں کو دھوکا دینا ان کے لئے کوئی بڑی بات نہ تھی۔ وہ بے تکلف ہتھیار کی صف میں شامل ہو جاتے تھے اور اندراندر ان کی جڑیں کاٹتے تھے۔ اس طرح انہوں نے ڈاکٹر لگر (Dr. Lueger) کی تحریک کو کامیاب نہ ہونے دیا اور وہ بیچارہ نامرادی کا دلغ سینہ پر لئے قبر میں جا بیٹھا +

آسٹریوی جرمنوں کی آنکھوں میں دُنیا بھر مگھٹی، وہ سلطنت جس کی بنیادوں میں ان کے آبا کا خون جھا تھا جس کی عظمت کے لئے وہ گولیوں کی بوچھاڑ میں کود پڑتے تھے، جس کے ناموس کے لئے وہ دعائیں مانگا کرتے تھے ان کے رحم پر بھی نیک سلائی، کروٹ اور یہودی جن کے دلوں میں ہابسبرگ خاندان کے خلاف کینہ بھرا ہوا تھا وہی بادشاہ اور ولیم کے منظورِ نظر تھے۔ ہابسبرگ خاندان کی تباہی یقینی تھی +

جولائی ۱۹۱۴ء میں ایک ایسا حادثہ پیش آیا جس سے نہ صرف ہابسبرگ کا ایران متزلزل ہو گیا بلکہ تمام دنیا کے سکون میں اس کے جھٹکے سے خلل آ گیا۔ آسٹریا کا ولیمہ آج ڈیوڈ فرڈیننڈ جرمنی کے تحریک کا سرپرست تھا ایک سرودی کی گولی کا نشانہ بنا اور کفر کردار کو پہنچ گیا لیکن یہ نہیں کہ اپنے عملوں کی سزا صرف اسے ملی بلکہ اس کی غلطی کا خمیازہ آسٹریا کی سلطنت کو جھگٹنا پڑا، وہ

عظیم الشان طاقت جو روئے الکربری کی جانشین تھی اس طرح برباد ہوئی کہ دشمن بھی اس کی حالت دیکھ کر اخسوس کرنے لگے + جب شہزادہ فرڈیننڈ قتل ہوا تو ہٹلر جرمن فوج میں کام کر رہا تھا، میونخ میں اسے یہ خبر ملی تو وہ یہ سمجھ کر خوش ہوا کہ کسی جرمن قوم پرست نے شہزادے کا خاتمہ کیا ہو گا اگر جرمن وطنیت کے اس دشمن کی موت سے ایک ایسی بلا جرمن قوم پر نازل ہوئی جس کا منوس سایہ اب تک جرمنی کے سر پر منڈلا رہا ہے۔ دُنیا میں تیس جنگ کے مصائب دو چار ہوئی +

ادھر میدان جنگ میں جرمنی کی موت وحیات کا فیصلہ ہو رہا تھا۔ ادھر برلن اور دوسرے شہروں میں یہودی سازش کا جال بچھا رہے تھے، وہ دفتروں میں، کارخانوں میں، دکانوں میں جہاں کہیں انہیں موقع ملتا تھا سلطنت کا تختہ الٹنے کی تدبیریں سوچتے تھے، اور اس فکر میں رہتے تھے کہ کسی طرح جرمن قوم ضروریات زندگی کے لئے بھی ان کی محتاج ہو جائے۔ تین سال کی اتوار جدوجہد سے جرمنی کے تجارتی اور دفتری شعبے یہودیوں کے قبضہ میں آ گئے، اب یہودیوں کے بغیر جرمنوں کا گزارنا ناممکن تھا۔ یہودیوں نے اس صورتِ حالات سے فائدہ اٹھانا چاہا اور جرمنی کو بے دست و پا کرنے کی یہ تجویز کی کہ ان پسندی اور اجتماعیت کا وعدہ کرنا شروع کیا۔ اس کا نتیجہ جرمنوں کے لئے بہت خوفناک ثابت ہوا، اس لئے کہ مسیحیوں کے سامنے یہودیوں نے اپنے دھوکے سے بدلہ ہو گئے تھے، روس ہتھیار ڈال چکا تھا اور قریب تھا کہ فاتح جرمن فوجیں فرانس اور انگریزی عساکر کو سمند میں دھکیل دیں، تھامپ کی ہمت نے یاد دہی کی، جرمن فوجوں کو فیصلہ کن حملے کا حکم مل چکا تھا کہ جرمن بارود خانوں میں ہڑتال ہو گئی اور جرمن فوجیں جو پیرس کی طرف فاتحانہ پیش قدمی کر رہی تھیں بارود کی کمی سے مجبور ہو کر واپس ہونے لگیں +

جرمنی کی آخری شکست میں بھی یہودیوں کا ہاتھ تھا۔ فوج میں بغاوت کا بیج بونے والے وہی تھے، جب بحری بیڑہ نے سپر مارلینڈ ڈارٹ کی درخواست کو ٹھکرا کر بھٹکا کر برطانیہ سے لڑنے سے انکار کر دیا تو فوج کی کمر ٹوٹ گئی، جرمنی کے لئے شکست تسلیم کرنے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا لیکن اگر اس نازک موقع پر اندرونی حالات تشویش ناک نہ ہوتے تو صلح کی شرائط اتنی کڑی اور شرمناک نہ ہوتیں۔ بد قسمتی سے ان حالات پر قابو پانا مشکل تھا۔ قیصر ولیم کو دھوکے سے معزول کیا گیا، سپر مارلینڈ ڈارٹ کو فوج کی کمان سے ہٹایا گیا اور اجتماعی جہوریت کا اعلان کر دیا گیا +

قیصر ولیم اور لیوڈنڈارٹ جرمنی کی عسکری شوکے نشان تھے، اشتراکیوں نے انہیں اس بہانہ سے ملک بدر کر دیا کہ ان طرح اتحادی صلح کی شرائط پیش کرنے میں نرمی سے کام لیں گے لیکن اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عہد نامہ ورسائی پر جرمنوں سے بڑے کمین و منتظر کر لئے گئے اور جرمنی کی ذلت میں کوئی کسر نہ رہی +

عہد نامہ ورسائی کے بعد ہٹلر میونخ میں انقلابی سرگرمیوں کی تحقیقات پر مقرر ہوا۔ پھر وہ فوج میں افسر تعلیم نایا گیا، تاکہ وہ سپاہیوں کو پرامن شہریت کی تعلیم دے، اس طرح اسے تقریر کرنے کا موقع ملا اور اس کا بہترین جوہر جو برسوں تک مٹھی تھا

ظاہر ہوا۔ کچھ عرصہ کے بعد اسے مزدوروں کی انجمن کی سرگرمیوں کی تفتیش کا حکم ملا، انجمن کے صرف چھ رکن تھے اور اس کا اثر انہی تک محدود تھا لیکن ہٹلر اس کے ایک پرجوش رکن کا نفسیڈ فیڈر (Gouda Feder) کی لسانی سے اس قدر متاثر ہوا کہ خود بھی تحریک میں شامل ہو گیا +

جرمنی میں اب اشتراکیروں کی حکومت تھی اور یہودیوں کا اقتدار روز بروز بڑھتا جاتا تھا، ہٹلر کی نظر میں یہودیوں در اشتراکیروں میں کوئی فرق نہ تھا، جرمنی کی تباہی دونوں کی کوششوں کا نتیجہ تھی، اسے یقین کامل تھا کہ اجتماعیت خالص یہودی تحریک ہے اس کا مقصد فرد کی قابلیت کو نظر انداز کر کے تمام طاقت اکثریت کے ہاتھوں میں دے دینا ہے اور یہودی اپنی دولت کے طفیل اکثریت کو آسانی سے ورغلا سکتا ہے +

اکثریت کبھی فرد کی نعم البدل نہیں ہو سکتی یہودیوں میں ایک دانا معنوی قابلیت نہیں ہوتی +
اجتماعی جمہوریت جب تک قائم رہی ہٹلر کے حملے جاری رہے تا کہ سال ۱۹۳۳ء میں مزدوروں کی انجمن جس میں کبھی صرف چھ ممبر تھے جرمنی میں سب سے طاقتور پارٹی بھی جھلنے لگی، اور چھ لاکھ مرد و عورت اس کی خدمت کے لئے مستعد نظر آئے لگے، روبرو وادی کے ہارٹا تاجر آبن تھیس نے اپنی بھیلیوں کے منہ نازی تحریک کے فروغ دینے کے لئے کھول دیئے ہٹلر کی مقبولیت اتنی زیادہ ہو گئی کہ صدر جمہوریہ کا بیٹا اور شہزادے بھی اس کی حمایت پر کھڑے ہو گئے اور وہ چانسلر بنایا گیا ہٹلر اپنے ”جماد“ میں کامیاب ہو گیا +

ہٹلر نے برسر اقتدار ہونے ہی اپنے تعمیری پروگرام پر عمل کرنا شروع کیا، اس نے ہر مرد کے لئے کام اور ہر عورت کے لئے قابل شومہ مینا کرنے کا وعدہ کیا تھا، اب اس نے یہ وعدہ پورا کرنے کے لئے ذرائع ڈھونڈنے شروع کئے اور ایک حد تک اسے کامیابی بھی ہوئی، ساڑھے لاکھ بیکاروں کی تعداد گھٹنے گھٹنے ایک تہائی رہ گئی لیکن اقتصادی ہم سے زیادہ اہم معاملات اس کی توجہ کا مرکز بنے ہوئے تھے، اس نے اعلان کیا کہ ہماری تحریک کی بدولت وہ وقت قریب آ رہا ہے جب ہر شخص ضروریات زندگی کی فکر سے فارغ ہو جائے گا لیکن ہمارا عقیدہ ہے کہ آدمی صرف مادی خوشی کے لئے زندہ نہیں رہتا +

اسے جرمن قوم کی تنظیم مادی خوشی سے زیادہ عزیز ہے، وہ جرمن فطرت کے اوصاف حمیدہ سے بخوبی واقف ہے، وہ جانتا ہے کہ جرمنوں کی ذہانت، شجاعت اور جفاکشی کی مثال بہت کم قوموں میں ملتی ہے، لیکن اگر ان اوصاف کو برقرار رکھنے کی کوشش نہ کی گئی تو وہ دن دور نہیں جب تقدیر جرمنی کی تباہی پر چھڑت کرے گی، جرمن قوم اسی حالت میں زندہ رہ سکتی ہے جب اپنی قوموں کا خون اس میں نہ چلنے پائے (ادنی قوموں سے ہٹلر کی مراد یہودی اور ان کے بھائی ہند ہیں) تاریخ ثابت دے کہ جب کبھی جرمن قوم بددستی قوموں میں غلط ملط ہوئی ہے اس کا نتیجہ جرمن تہذیب اور اقتدار کی بربادی کے سوا کچھ نہیں ہوا، شمالی امریکہ جہاں خالص جرمن

نسل کے لوگ آباد ہیں جنہی امریکہ سے جہاں مخلوط نسل کے آدمی رہتے ہیں بہت بہتر حالت میں ہے +
 ہٹلر کے نزدیک یا مکرسی لیل کا متعلق نہیں کہ ایرین نسل جس سے جرمن قوم کا تعلق ہے یہودی نسل سے طبعاً افضل ہے، تمام وہ جرمن جن
 کی ہم قدر کرتے ہیں، سائنس، آرٹ، ایجادات یہ سب گنتی کی چند قوموں کے دماغ سے نکلی ہیں، یہ تمام قومیں ایک ہی نسل سے ہیں اور جرمن قوم ان میں
 سے ایک ہے، اگر یہ قومیں تباہ ہو جائیں تو دنیا کی تمام مادی ختم ہو جائے، تخلیق اور تخیل صرف ایرین نسل کا حصہ ہے +

شادیاں صرف ایرین نسل کے افراد سے ہونی چاہئیں، قومی حکومت کا پہلا فرض یہ ہے کہ شادی کو ایک مقدس مرحلے - اس کا معیار ارباب
 بلند ہونا چاہئے کہ آئندہ نسل تندرست ہو، پھر شادیاں کن کن چیزوں پر ڈروانی شکل والے بچوں کی صورت میں منظر ہر تباہ ہو جائے بندہ تو تین امر اسے انسان
 قومی حکومت کا دوسرا فرض یہ ہے کہ بچوں کی تربیت اس طرح کرے کہ بڑے ہو کر وہ قابل باپ بن سکیں، تعلیم کا طریقہ ایسا ہونا چاہئے
 کہ لڑکا فرصت کا تمام وقت اپنے جسم کی تربیت میں صرف کرے، اسے مائدہ تعلیم میں بازاروں اور سینما میں وقت ضائع نہ کرے کہ کوئی حق نہیں ہے
 مطالعہ کے بعد اسے اپنے جسم کو فلاح کی طرح محنت بنانا چاہئے تاکہ آئندہ زندگی میں جنگ کی صورتیں اس کی کریمہ بھلائیں، جنگ کی تیاری
 تعلیم کا اصلی مقصد ہے، لوگوں کے دل سے یہ خیال دور کر دینا چاہئے کہ ان کی محنت کا تعلق صرف نہیں ہے کسی کو یہ حق حاصل
 نہیں کہ اپنی محنت معصیت کی نذر کر دے کیونکہ آئندہ نسل اس سے اس کا جواب طلب کرے گی +

درسی کتب میں نسلی مسئلہ کو حاصل تربیت دینی چاہئے، تاریخ میں جرمن نسل کے کارناموں پر زور دینا چاہئے، سائنس میں جرمن ہوجوں کی طرف خاص
 توجہ مبذول کرنی چاہئے اور صنعتی تعلیم میں بیولیوں کی خود پرستی اور کھاری کو بے نقاب کر کے یہ دکھانا چاہئے کہ مادی ترقی سے اپنی قوم کی خدمت متحسن ہے +
 تعلیم اور جسمانی تربیت کے ساتھ ساتھ روح کو بڑے خیالات کے ذریعے بچانے کی تدبیر کرنی چاہئے، موجودہ زمانہ میں مٹلر
 کا رجحان نفسانی جذبات کو مشتعل کرنے کی طرف ہے، تھئیٹر، سینما اور رقص و سرود کی محفلوں میں انجوائوں کی زندگی برباد ہو رہی ہے +
 ہٹلر طلبہ کے اخلاق ہی کو نہیں بلکہ تمام جرمن قوم کے اخلاق کو دورِ حاضرہ کی حیا سوز تحریروں سے بچانا چاہتا ہے، اس نے
 محکمہ احتساب کو تمام مخرب اخلاق کن میں سربراہ ڈارگ میں ڈال دینے کا حکم دیا ہے، ڈاکٹر، ایڈیٹر اور شہر فیلڈ کی نوعی تصانیف بھی اس
 حکم کی اندیشہ میں آگئی ہیں، یہ بات قابلِ غور ہے کہ اس قانون کا شکار بھی زیادہ تر یہودی مسیحین ہیں +

نازی تحریک نے یہودیوں کی سیاسی اہمیت کا فائدہ کر دیا ہے، ادبی اور تجارتی مغللوں میں بھی ہٹلر کی محنت گیری نے ان پر عرصہ عیادت
 تنگ کر دیا، انڈونی طور پر جرمن تہذیب کے یہودیت پر کامل فتح حاصل ہوئی ہے، جرمنی اب صرف جرمنوں کیلئے ہے، لیکن جرمن نسل کا ایک طبقہ اب بھی جرمنی
 کے حیضہ اختیار سے باہر ہے، اس پر ہر سال جرمنی کی آبادی میں نو لاکھ کا اضافہ ہوتا ہے، جرمن نسل کی مشکلات کا دواصل ایروپ میں سلطنت کی توسیع ہے
 اور جرمنی کا پہلا قدم آسٹری جرمنوں پر اپنی سیاست قائم کرنا ہوگا، جرمن قوم افسوس کے اُس دن کا انتظار کر رہی ہے جب ان کے گٹھڑی
 بجائی بند بھران سے آئیں گے +

عطاء اللہ کلیم

اس دن ہٹلر کے "جہاد" کا مقصد پورا ہو جائے گا +

عیشِ شبانہ

رات آگئی ہے عیشِ شبانہ لئے ہوئے
 سازِ طرب کا مست ترانہ لئے ہوئے
 ٹھنڈی ہوا کی نرم و سبک سیر روئے ساتھ
 جنت کا بھولا بسرا فسانہ لئے ہوئے
 تاروں کے جاں فرزد و حبیب جلوہ زار میں
 چھوٹا سا خوش خرام زمانہ لئے ہوئے
 نیندوں کے کیفِ بخش و طرب ناک دور میں
 موسیقیوں کا ایک خزانہ لئے ہوئے
 پیدا ہوئے ہیں ذہن میں دھندلے سے کچھ نقوش،
 ماضی کا جاں گداز فسانہ لئے ہوئے
 آنکھوں میں پھر رہے ہیں گزشتہ دنوں کے خواب
 رنگین فراغتوں کا فسانہ لئے ہوئے
 کیا جلد زود باز جوانی گزر گئی،
 میری مسرتوں کا خزانہ لئے ہوئے
 عدم

کسان

فوبہ آگیا۔

رینے اُکس نے کہا ”آج رات غضب کی سہری ہے۔ بریڈو! ذرا آتش ان میں اور کڑیاں جھونک دو۔“

اس علامتیں میں ایندھن کی افراط و تفریط ہی بریڈو نے فوراً اٹھ کر ارشاد کی تعمیل کر دی۔

میز پر لکڑی کی ایک نئی چائی پڑی تھی۔ وہ دو دو بلبو کرُس میں سے اپنی بیوی کے لئے مکھن نکال رہا تھا۔ بچہ جھولے میں گہری نیند سویا پڑا تھا اور خواب میں مسکرا رہا تھا۔ مارگٹ چرخا کات رہی تھی۔ رینے اُکس آگ کے قریب بیٹھی لمبی لمبی سلاخیوں سے کچھ بُن رہی تھی اور اپنے کام میں اس قدر مصروف تھی کہ اپنے پوتے یا اُس سوتے بچے کو کبھی ایک نظر دیکھ لینے کے سوا شائد ہی وہ کسی دوسری طرف متوجہ ہوتی۔ گھر کا چھوٹا سا کواڑ بند تھا حضرت مسیح کی میلبنی تصویر کے نیچے ایک مٹی کے برتن میں کلاب کے پھولوں کا ایک پودا لگا تھا۔ جس کی ہری بھری شاخوں میں چند خوشنما پھول بہار دکھا رہے تھے۔ بریڈو کی بالائری ایک طرف الماری میں پڑی تھی۔ جب سے جنگ کی خبر آئی تھی اس کا دل اس قسم کی تمام تفریحوں سے اچاٹ ہو گیا تھا۔

یہ ایک باہر نشور و شغب اور چیخ پکار سنائی دی اور پھر نہایت درد و کرب سے سسکیاں لے لے کر رونے کی صدائیں آنے لگیں۔ بریڈو نے اٹھ کر بند روق لٹھ میں لی اور دروازہ کھول کر باہر دیکھا۔ تمام لوگ گھروں سے نکل کر گلی میں آگئے تھے۔ خوف دہراں کی ماری عورتیں اپنے بچوں کو سینوں سے چٹائے نہایت بلند آواز سے آہ و زاری کر رہی تھیں۔

مشرق کی طرف آفت کے قریب سرخ رنگ کی ایک عریب روشنی دکھائی دے رہی تھی اور ہوا میں دور سے چیخوں کی دھیمی دھیمی آواز آرہی تھیں۔

بریڈو نے باہر آکر پوچھا ”کیا ہو گیا ہے؟“

جواب میں ایک دم بیسیوں آوازیں سنائی دیں ”جرمن آگئے! جرمن! وہ دیکھو سرخ سرخ روشنی! ————— شہر جل رہا ہے!“

اس کے بعد تھوڑی دیر کے لئے سب پر سناٹا طاری ہو گیا ایسا سناٹا جو ان کے نالہ و شیون سے بھی کہیں زیادہ بھیانک تھا۔

رینے اُکس اپنے پوتے کے قریب اٹھڑی ہوئی اور پھر اپنی حلیم اور سنجیدہ آواز سے کہنے لگی ”اگر ہمیں بہر حال مرنا ہے تو آؤ

کیوں نہ ہمیں مرے؟“

برنڈو نے جواب میں اُس کے ہاتھ کو آہستہ سے ایک بوسہ دیا۔ سوال کتنا بڑا تھا! اور جواب کس قدر مختصر!! اور وہ اس سے مطمئن ہو چکی تھی۔

مارگٹ بھی اپنے بچے کو سینے سے لگائے سم کر اُن کے پیچھے اُن کھڑی ہوئی، مقصودی ہی دیر پہلے اس کے چہرے کا رنگ کس قدر شگفتہ تھا۔ اور اب زرد۔ پھر کانپتی ہوئی آواز میں بولی ”وہ اب کیا کریں گے؟“

برنڈو اُس کے سوال پر ذرا سکرا کر کہنے لگا۔ ”خدا جانے وہ کیا کریں لیکن جہاں تک میرا خیال ہے مارگٹ پیاری عورتوں اور بچوں کو شاید ہی وہ موت کے گھاٹ اتاریں۔“

گر وہ میں سے ایک آواز اُٹائی ”اتاریں گے! ضرور اتاریں گے! کیوں نہیں اتاریں گے؟“

عجب منائے کا عالم تھا۔ جب چپ چاپ کھڑے تھے ہر طرف سکوت اور تاریکی ہی تاریکی اور دُور بہت دُور مشرق میں چکا چوند کرنے والی تیز روشنی کا ایک سمندر موج زن تھا۔ اب بھی ہوا میں جنوں کی ہلکی ہلکی صدائیں بلند ہو رہی تھیں۔ جیسے جھوک کے مالے بھڑیلے فرار ہے ہوا جنگ کی تباہی اور آگ نے کس قدر ہنگامہ برپا کر رکھا تھا۔

آخر ایک آدمی نے اس ہنر سکوت کو توڑا اور بڑا آواز بلند کہنے لگا ”کیا شہد کی مکھیوں کی طرح اپنے چھتوں سے چٹے رہو گے؟ کیا تمہیں دھواں دے کر نکالا جائیگا؟“ چلو بھاگیں!

لیکن رینے اُلکس نے اپنی پُر دہار آواز سے اُسے خوب ہی ملامت کی اور کہا ”خُزگوش کی طرح اگر شکاری کنتوں سے ڈر کر بھاگتے ہو تو جاؤ نہ جاؤ لیکن میں اور میرا کنبد ایک تدم بھی اپنی بستی سے پرے جانے کے لئے تیار نہیں!

ایک دفعہ قریب جو افروغ ہوئے۔ ایک عورت اور ایک عورت کیا تو بے برس کی ایک ضعیف بڑھیا جو افروغی میں اُن سے سبقت لے گئی تھی۔ . . . اور اب کوئی بھاگنے کا ذکر تک نہ کرتا تھا۔ بول کے سرد جھونکوں میں تمام رات انہوں نے ٹھٹھرتے ٹھٹھرتے گزار دی۔ بچے ماؤں کی گود میں تھک کر پڑے کانپتے رہے اور لوگ نہایت بے دلی سے اُن کی تاریکی میں آگ کے شعلے دیکھتے رہے۔ آسمان پر ایک ستارہ کس نظر نہ آتا تھا ہر طرف سکوت اور ظلمت چھا گئی تھی۔

دن نکل آیا۔ کچھ دھندلا سا دُور اور بہت سرد۔

بوٹھوا مقصودن بڑا کر کہنے لگا۔ ”آئے دوجی! انہیں! صلح صفائی کر لیں گے بھئی ہم کبھی کیا کہتے ہیں۔ بچاؤ کی تو کوئی تدبیر ہی نہیں۔ نہ سپاہی ہیں نہ ہتھیار اور بارود بھی شاید ہی ہو۔“

اس کے جواب میں برنڈو خاموش رہا اور یکایک اپنے لمبے لمبے اور متناسب اعضا کو سیدھا کر کے کھڑا ہو گیا۔ اس کی نیلی نیلی مایوس آنکھوں میں ایک چمک پیدا ہو گئی تھی۔

رہنے لکھ اپنے چھوٹے سے مکان کے دروازے میں بیٹھی تھی۔ اس کی طرف دیکھ کر کہنے لگی "تمہارے ہاتھ بے آزار ہیں، تمہارے دل پاک ہیں اور تمہارا ایمان روشن ہے، ضرورت آپڑے تو موت سے مت ڈریو۔"

یہ سن کر وہ نچی نظر کر کے ذرا مسکرانے لگا چند ہی آدمی وہاں باقی رہ گئے تھے کیونکہ بہت سے تو بوڑھے تھے اور باقی نو عمر لڑکے دی چنڈائی جلدی سے ایک جگہ اکٹھے ہو کر صلاح مشورہ کرنے لگے۔ بوڑھے ماحورن پسہارے اور بے فروشوں نے مل کر تفتقہ فیصلہ کر لیا کہ آنے والی مصیبت سے بچاؤ کی کوئی صورت نہیں، خبر اسی میں ہے کہ کہا ہے پاس جو بھی اٹھو وغیرہ اور کھانے پینے کی چیزیں جوڑیں کہ میں چھپا دیں۔ اور اپنا گھر بار بلا جیل و محبت اپنے خونخوار دشمن کو سونپ دیں۔ اگر ہم نے کچھ اور کیا تو بس سمجھو قتل عام ہو جائیگا۔ اس چھوٹی سی ٹھنی میں نوپ تلوار اور آگ کے مقابلے کی تاب کہاں ہے؟

تسامت میں صرف بنیدوسی ایک ایسا آدمی نکلا جس نے اُن کی سختی سے مخالفت کی اور کہا "کیا... کیا ہم اپنے گھر اپنے بچے اور میوایں یوں ہی اُن کے حوالے کر دیں اور مدافعت میں انہیں ایک ضرب تک نہ پہنچائیں؟ نہیں! اگر ہم نے ایسا کیا تو مجھے ڈر ہے کہ ہم بارے شرم کے لیےں ڈوبیں گے! ہاں کون انسان کہے گا؟ آؤ دشمن پر ثبات کر دیں کہ فرانس میں ایسی ہتیاں موجود ہیں جن میں موت کا ڈر نہیں۔ آؤ ہم جو کچھ کر سکتے ہیں وہ تو کریں! قصہ مختصر یہ کہ بہادری کی موت مریں۔ اگر فرانس کا ہر فرد ماورن کی ہلکائی کی مدد کے لئے خواہ وہ کتنی ہی بے حقیقت ہو، تیار ہو جائے تو یہی حقیر سی مدد دشمن کو کھلکانے کے لئے کافی ہے۔"

ماحورن اور دوسرے لوگوں نے بنیدو کا خوب ہی خندہ اڑایا اور اس کی باتوں پر غل چایا اور کہا "تم بے وقوف ہو! اس کے بچے ہو! اپنے ساتھ ہم سب کو بھی تیلہ کر دو گے۔ تمہیں کیا خبر ہے کہ ادھر بندوق کا ایک فیروا نہیں ہے تو کجا کہیں کوئی بندوق تک پائی گئی اُو ادھر دشمن نے سائے کے سائے گاؤں کو پھونک کر رکھ دیا۔"

بنیدو نے اپنا جوش برقرار رکھا لیلیں دیں تدبیریں لڑائیں اور اُدھی رات تک اس تکس کو جاری رکھا۔ اس کے گالوں پر لکھیں آئیں وہی رہے تھے۔ بجائے افسوس و حقارت کے جذبے کے اٹار کے لئے اس کی رگوں میں خون کھول رہا تھا۔ اس کے لبوں سے آج پہلی مرتبہ ایک بے باک مادہ پُر اثر اور دلہنوز تقریبی گئی تھی کہ اس کے ساتھیوں پر کچھ اثر نہ ہوتا تھا۔ انہوں نے اپنے سونے کے تمام زیور ہتھیروں کی کڑیوں میں چھپا دیئے تھے۔ بھڑکی بہت دہلی تیلی بھڑکی جو باقی رہ گئی تھیں باڑوں میں بھوکی رہ رہتی تھیں اور وہ خود بکے سب بھوک کے اسے افسردہ دل اور مصیبت زدہ... روز روز کے غمروں نے انہیں باطل ہی مرہ کر دیا تھا۔ مال و متاع کی قدر تو انہیں تھی ہی لیکن ایک چیز انہیں اس سے زیادہ عزیز تھی۔ یہ چیز ان کی جانیں تھیں جنہیں وہ کسی طرح ضائع نہ کرنا چاہتے تھے پس وہ اُسے پاگل پاگل کہہ کر پکارنے لگے اور کہنے لگے۔ "تو بہتھوڑا ہی عرصہ پہلے ہمیں کیا خبر تھی کہ یہی شخص ہمارا قاتل ہوگا۔"

نئے لکھ نے جو پاس ہی خاموش کھڑی تھی اپنا ایک ہاتھ اس کے کندھے پر رکھا اور اس کے گلہ میں کہنے لگی "میرے بچے تم

ٹھیک کہہ رہے ہو اور وہ غلط لیکن اپنے بھائیوں سے اتنی کشمکش کرنی بھی نہیں۔ بریڈو تم اپنی زندگی جس کام میں لانا چاہتے ہو لاؤ، یہ تمہاری ملکیت ہے، لیکن انہیں اپنی مرضی پر چھوڑ دو جو چاہتے ہیں کریں گلیڈز کو شیر بانا تمہاری طاقت میں نہیں۔
بریڈو کا سر سینے پر جھک گیا۔

اور پھر اپنے ساتھیوں سے بڑا کر کہنے لگا۔ ”اچھا تم جو چاہتے ہو کرو! تمہاری مرضی۔“ ... یکایک وہ اس پر جھپٹ پڑے اور اس کی بندوق جھین کر رات کی سیاہی میں اُس چھوٹے سے گرجے کی بہت غائب ہو گئے جو گھنے جنگل میں ایک پہاڑی پر واقع تھا۔ وہاں پہنچ کر انہوں نے بندوق اور باقی سب ہتھیار اُس قربان گاہ کے نیچے دفن کر دیئے جہاں مصلوب یسوع کا دم مر میں جسمہ کھڑا تھا۔
اب انھوں نے بعد ازاں ملینان سے ریشوں کو مخاطب کر کے کہنے لگا ”جان بچی! لاکھوں پائے! اب یہیں کوئی کھٹکا نہیں۔۔۔۔۔“
اجی شکر کر و شکر اہم اس پہاگل کی باتوں میں نہیں آئے اگر ہم وہ کرتے جو وہ کہہ رہا تھا تو بس سمجھ لو کہ ہم سب کس سب۔۔۔۔۔“
بریڈو کے پاس اب سداخت کا کوئی ذریعہ نہیں ملا تھا۔ اب اگر اس کے پاس کوئی چیز باقی رہ گئی تھی۔ تو وہ خود اس کی زندگی تھی۔
وہ بالکل چپ چاپ اور بے حس و حرکت کھڑا تھا ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس کی تمام خواہشات مرہ ہو گئی ہیں وہ اپنے وطن کی خاطر ایک پیغمبر جو بے شریکی طرح دشمن سے مقابلہ کرتا لیکن انفسوں انہوں نے تو اسے اس قابل ہی نہ سمجھوٹا تھا۔ اب وہ کھڑا تھا تین تہا ایک اور بے دست و پا۔

آخر آپ ہی آپ کہنے لگا ”انتظار کرنے کے سوا اب اور کچھ باقی نہیں رہا۔“

اندھیرا ہو گیا۔ خزاں کا دن ختم ہو گیا تھا۔ بریڈو بازو میز پر ٹپکائے اور اُن پر اپنا غمگین سر جھکائے بیٹھا تھا۔ مارگٹ نچے کو ہلکا رہی تھی اور دینے لکھ شاید دعا مانگ رہی تھی۔

یکایک باہر گلی میں عورتوں کی چنچ چکار اور گھوڑوں کی ٹاپ اور فوجیوں کی کشت آوازیں سنائی دیں۔ اندھیرے میں تلواریں بجلی کی طرح چمک جاتی تھیں اور فوجی سوانہزی میں چھینٹے اڑاتے جھپٹے چلے آ رہے تھے۔
بریڈو اچھل کر اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کا رنگ دند اور اُس کی زلی آنکھیں رات کی طرح تارک ہو گئی تھیں۔

اُس نے پھر آہستہ سے کہا ”وہ آگے ہیں۔“ اس لئے نہیں کہ اُسے یکایک کوئی خطرہ یا دہشت محسوس ہوئی تھی بلکہ اس نے کہ اس وقت اس کی رُوح میں اپنے وطن اور اپنی قوم کی محبت سرایت کر چکی تھی۔ وہ دونوں کی حفاظت کے لئے آخری دم تک کشمکش کرتے ہوئے مرنا چاہتا تھا لیکن اس کے پاس کوئی ہتھیار نہ تھا!

اس نے نہایت بے باکی سے گھر کا دروازہ کھولا اور وہاں پر دشمن کے روبرو کھڑا ہو گیا گلی پہا بیسوں سے بھر چکی تھی۔

کچھ سوار تھے اور کچھ پیادہ۔ اُن کے گردہ کے گردہ جنگل میں اور ٹرک پر اس طرح اُمتدے چلے آتے تھے جیسے مردار پر گدھ۔
یہ ایک چھوٹی اور خیر سربلجہ ہی تو تھی اسے یونہی امن سے رہنے دیتے۔

کسی کی جرأت تھی کہ اُن کے سامنے آئے!

گاؤں کے لوگ نہایت بیچارگی کی حالت میں کھڑے تھے نصیبت نے اُن کے اُٹھتو تک خشک کر دیے تھے۔ خانگی زندگی کا معمولی سامان ہی اُن کی دولت تھا اور وہی اُن کی نظروں کے سامنے ہمیشہ کے لئے لُٹ رہا تھا۔ اب وہ یہ سوچ رہے تھے کہ خدا جانے یہی اُلحہ اور آگ جو اس وقت ہمارے گھروں کو پھونک رہی ہیں۔ رات ختم ہونے سے پہلے پہلے ہمارا کیا حشر کریں گے۔

جھوٹری کی ڈیوڑھی کے نیچے انگریز کے درختوں کے ساتھ لگ کر دو عورتیں خاموش اور بے حس و حرکت کھڑی دیکھ رہی تھیں۔
برینڈ کا رنگ زرد ہو رہا تھا۔ وہ چپ چاپ سیدھا کھڑا تھا حقارت کے غضبناک جذبے سے اُس کی آنکھیں جل اُٹھیں تھیں۔ مارگٹ اپنی پھول سے خوبصورت بچے کو گود میں لئے بے حس و حرکت کھڑی تھی کیونکہ برینڈ کی یہی مرضی تھی۔ رینے اُنکس اپنے چہرے پر ایک صبرِ آزما دہشت کے تاثرات لئے ذرا سیدھی ہو کر کھڑی ہو گئی تھی اور اُس نے اپنے سینے سے ایک صلیب لٹکار رکھی تھی۔

دفعۃً مسلح گروہ میں سے ایک آواز آئی۔ ”پکڑ لاؤ اس کسان کو ادھر!“

یہ ایک برینڈ وپر بہت سے ماٹھے اُن پر اُڑے اور فوجی اُسے اُس کے دروازے سے زبردستی وکیل وکیل کر اس جگہ لے گئے۔
جہاں نیزہ برداروں کا سردار ایک بڑے سے سفید گھوڑے پر بیٹھا تھا اس کا گھوڑا اتناک کر اُٹھ رہا تھا اور اس کے تھنوں سے شاید خون بہ رہا تھا۔

برینڈ نے اپنے آپ کو جنبیوں کی گرفت سے جھٹک کر پھڑپھڑایا اور دشمن کے سامنے تن کر کھڑا ہو گیا۔ اب اس کا چہرہ زرد نہ رہا تھا اور اس کی آنکھوں میں ایک عجیب روشنی پیدا ہو گئی تھی جس سے اس کا عزم و ہمت ظاہر ہو رہا تھا۔

جس کماندار کہنے لگا ”اچھا؟ باقی گدھوں سے تم ذرا کم بیوقوف معلوم ہوتے ہو کیا تم اپنے ملک سے اچھی طرح واقف ہو؟“

”اچھی طرح؟“

”تمہارے پاس ہتھیار ہیں؟“

”نہیں!“

”پھر کہاں رکھے تم نے؟“

”اگر مجھے اپنی مرضی پر چھوڑ دیا جاتا تو تم خود اُن کی موجودگی محسوس کر لیتے۔ پوچھنے کی ضرورت ہی نہ پڑتی۔“

جس سردار نے اس کی طرف نہایت پُرشوق نگاہوں سے دیکھا اور آنکھوں ہی آنکھوں میں اُس کے بہادرانہ جواب کی

داد دے کر کہنے لگا۔ ”کیا تم بتا دو گے ہتھیار کہاں ہیں؟“
”نہیں!“

”تم جانتے ہو کہ اسلحہ چھپانے کی سزا موت ہے؟“
”ہاں۔۔۔ تمہارا قانون یہی ہے۔“

”ہاں ہمارا قانون یہی ہے اور جرموں کی مرضی ہی فراہم کا قانون ہے تم ایک ہمارا آدمی ہو اور تمہاری قدر واقعی موت ہی کر سکتی ہے لیکن اب میں پھر تم سے پوچھتا ہوں کہ تم اس ملک سے اچھی طرح واقف ہو؟“

برنیڈو نے سکارا پڑا جیسے ایک ہال سکرائے جسے کوئی سادہ لوح یہ پوچھے کہ تمہیں اپنے رجوم نیچے کی شکل یاد ہے؟
”اگر تم اس سے خوب واقف ہو تو میں نہیں ایک اور موقع دیتا ہوں میری رکاب کا چمڑا پھڑکاو اور اس کے ساتھ چھپے رہو اور جیسے گوا ایک ہی سید معین اڑتا ہے اسی طرح مجھے سید سنا اسی جگہ لے چلو جہاں ہتھیار چھپائے گئے ہیں۔ اگر تم نے بتا دیا تو تمہاری جان بچ کر دی جائے گی اور اگر تم نے۔۔۔۔۔۔“
”ہاں اگر میں نے نہ بتایا تو؟“

”پھر تم گولی سے اڑا دیئے جاؤ گے۔“

برنیڈو خاموش تھا۔ سپاہیوں کے ہنگامے اسے سامنے کے درختوں کے نیچے اپنی تھوڑی سی قطاریں مار گڑھ اور دینے کے لیے نہایت تیار تھے۔ کٹش کر رہی تھیں کہ نہیں کہیں برنیڈو دکھائی دے لیکن سپاہی ہر مرتبہ نہیں دیکھے دیکھ لیتے تھے۔ تھوڑے تھوڑے شعلوں کی جلی ہوئی روشنی میں نہ تو وہ آدھ دیکھ سکتی تھیں اور نہ اس ہنگامے میں کچھ سن سکتی تھیں۔ یہ دیکھ کر برنیڈو نے خدا کا شکر ادا کیا۔

ایک لمحے کے بعد فوجی لیڈر نے نہایت بے صبری سے پوچھا ”اچھا پھر بتاؤ تم نے اپنے لئے کیا انتخاب کیا ہے؟“

برنیڈو کے ہونٹ مضطرب ہو گئے تھے لیکن جب اس نے جواب میں یہ الفاظ اس کے ”میں خدا نہیں ہوں“ تو وہ اس وقت کا نہیں ہوا تھے۔ اس وقت اس کی نگاہیں آہستہ آہستہ اس چھوٹی سی ڈیلورس کی طرف اٹھ گئیں جہاں اب بھی آتش دان میں آگ چمک رہی تھی اور۔۔۔۔۔۔ جہاں اس نے اپنی غزیریں رشتہ داروں میں اچھک کر گھس کر کئی مہال گزارے تھے۔ وہ کہیں قنوت مجھے ہمیشہ کے لئے وہاں جانے سے روک نہ لے! جرمین کمانڈر نے اس سے ڈراٹھورا اور پھر کوک کر کہنے لگا۔ ”یہ سچی لکھا دریا ہے یا ترے بیان میں کچھ حقیقت بھی ہے؟“
برنیڈو نے لبس ایک نعرہ اور جواب دیا ”میں خدا نہیں ہوں۔“

جرمین سردار نے اشارہ کیا۔ یکا یک ایک دھماکا ہوا۔ برنیڈو زمین پر مردہ پڑا تھا۔ ایک گولی اس کے دماغ سے ہوتی ہوئی نکل گئی اور دوسری پیچھے چڑوں میں پیوست ہو گئی۔ سپاہیوں نے اس کے کانپتے ہوئے گرم جسم کو ہاؤں کی ایک ٹھوک لگا کر پرے پھینک دیا۔

انہوں نے صرف ایک کسان کو مار ڈالا تھا!
(اورینڈا)

ہمدی علی خاں کرم آباد

شہزادِ صحرا

جب شیرِ عربی دھاڑتا ہے پردے کانوں کے پھاڑتا ہے
 اوتا دِ زمیں اکھاڑتا ہے بنیا دِ خرد بگاڑتا ہے
 چیتل کو کمین لٹاڑتا ہے سانجھ کو کہیں پچھاڑتا ہے
 کرتا نہیں یہ کس کے زیر

یہ زور یہ شور واہ رے شیر
 ہے شیر کی شوکتِ جمالی زینتِ دہِ منظرِ جلالی
 شانِ اس کی ہر اک سحر ہے زالی آن اس کی نہیں اثر ہے خالی
 ہے دل میں جو خوفِ گوشمالی لرزاں ہیں اہالی و موالی
 خاموش ادب سے تیندول ہے

چیتے کا بھی سر جھکا ہوا ہے
 جرات پہ ہیں اس کی سبکدوش کیونکر ہو رعیت اس کی سرکش
 کیا دشت کی ٹوسے ہو شوش غیظ اس کا فہرِ دغ بخش آتش
 کرتا نہیں کون اس پر عشقِ عش جسم یہ کسوتِ منقش
 قدرت سے جو داد اُس نے چاہی

دبی اُس نے قبائے پادشاہی
 ناموں پہ ہے اس کے عقلِ ششدُ ضعیف، صرغام، اسد، غضنفر،

ڈالوں نظر اس کی کس ادا پر ہر شان ہے ہستیاز پرور
طغیانی آب کا یہ منظر! جاتا ہے یہ پھر بھی تیر بن کر
دلکش شانِ شناسی ہے

غواصِ یَمِ دلاوری ہے
اوصاف سے اس کے ہو گئے گاہ کہتا نہیں کون واہ واہ
تیر سے نمود عزت و جاہ اجلال و شکوہ اس کے ہمراہ
آواز میں رعبِ رُخ ادب خواہ خود دار بہت ہے قصہ کوتاہ
خوش رُخ سے ”شہر یار صحرا“

پھول اس کیلئے ہیں خارِ صحرا
شیر اپنا جواب آپ ہی ہے کیا طاقت اسے خدا نے دی ہے
اس ڈھب کا بھی جاؤر کوئی ہے جس نے کہ بغاوت اس سے کی ہے
مانی ہوئی اس کی خسروی ہے سلطانِ مستلزمِ ”خودی“ ہے
سنتا ہوں میں شیر کی زبانی

کیفیتِ مطلق العنانی
ناداں نہیں ذی شعور ہے شیر بے صبر نہیں صبور ہے شیر
بے شبہ بہت غیور ہے شیر ذلت کی حدوں ہو دور ہے شیر
خود سر خود ہیں مزدور ہے شیر نشہ میں خودی کے چور ہے شیر

اور دل میں کہاں یہ بانچن ہے

کچھ اور ہی شیر کا چلن ہے علی منظور حیدر آبادی

دکن میں آریاؤں کا دخل

ہندوؤں کی قدیم روایات اور مذہبی کتب کے مطالعے سے ظاہر ہوتا ہے کہ ویدی زمانہ ہی سے اسکے دکن کے بہن رشی گمان دھیان اور تپ جپ کے لئے گوشہ تنہائی کی تلاش میں دکن کا دل کے گئے جنگلوں میں آیا کرتے تھے اور کسی ندی کے کنارے اپنا آشرم قائم کر لیتے تھے مگر یہاں بھی ان کو چین اور عافیت نصیب ہوئی کیونکہ یہاں کے وحشی اور جنگلی باشندے ان کے مذہبی رسوم کی ادائیگی میں غلطی نہ ہونے لگے تھے لیکن برہمرو زمانہ بہن رشیوں کے اہلی کو دار اور ان کے حج و تہجد کی زندگی سے وحشی اقوام کے چند سڑا بہت متاثر ہوئے اور ان کے عقیدت مند بن گئے۔ ان رشیوں میں سب سے زبردست تھی گستھیاسنی کی مٹی۔

بہنوں کے بعد چند چتری سورما بھی یا تو فناء جنگیوں کے باعث ترک وطن کر کے بعض اپنے شاندار مقامی کارناموں کی نمائش کے لئے دکن میں آئے اور یہاں کی وحشی قوموں سے مصروف پیکار ہوئے لیکن ان کو دکن کی مذہب اور زبردست دراوڑی ریاستوں میں قدم رکھنے کی جرأت نہ ہوئی بلکہ ان کی ساری تگ و مصروف صحرائی علاقوں تک محدود رہی۔ یہ میانات ہندوؤں کی رزمیہ کتابوں افسانوں اور روایتوں پر مبنی ہیں جن میں تاریخی عنصر تقریباً مفقود ہے۔ اگر انہیں صحیح بھی فرض کر لیا جائے تو بہن رشیوں اور چتری سورماؤں کی تعداد دریا میں قطرہ کی سی تھی۔ وہ دراوڑی ممالک پر کوئی نمایاں اثر نہ ڈال سکے۔

اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ ملک دکن میں آریاؤں کی کثیر تعداد کب اہل ہوئی؟ ان کی آمدنا تھانہ حیثیت سے مٹی یا دوستا طریقے سے؟ دکن کے باشندوں پر ان کا کیا اثر پڑا؟ ان امور کی دریافت کے لئے ہم اسے پاس کوئی راستہ معتبر تاریخی شہادت موجود نہیں ہے البتہ مٹے بھٹے آثار کھدائی کے آریاؤں کے دکن میں داخل ہونے کا زمانہ دریافت کرنے میں بڑی تحقیق و تلاش سے کام لیا ہے چنانچہ ان کا بیان ہے کہ مشہور سنسکرت قواعد نویس پانی نی کے غوی اصول و قواعد کی توضیح و تشریح کے ضمن میں اپنی وسیع جغرافیہ معلومت کا انہماک کیا ہے لیکن اس نے جتنے ملکوں، دریاؤں یا پہاڑوں کے نام لئے ہیں وہ سب شمالی ہند میں واقع ہیں۔ اگر اس نے کسی جنوبی ملک کا نام لیا ہے تو وہ کلنگا (موجودہ شمالی سرکار) ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ پانی نی کے زمانے تک ریشہ دکن اور جنوبی ہند کے جغرافیہ سے نا آشنا تھے۔ اس میں شک نہیں کہ جزیرہ نما سے ہند کے اکثر مقامات کا ذکر راسن اور جمابھارت میں موجود ہے۔ اس کے متعلق علما نے دو قسم کے خیالات ظاہر کئے ہیں اول یہ کہ ان رزمیہ کتابوں میں مقامات کی تفصیل زمانہ بعد میں داخل کی گئی کیونکہ راسن اور جمابھارت

کسی خاص زمانہ کی پیداوار نہیں ہیں بلکہ مختلف ازمہ میں ان میں نیم اٹھانہ ہوا کیا ہے اور بقول ٹرنوٹ اٹھانہ نو دہائیوں کے پوری صدی عیسوی میں ہی ہو چکا۔
 شکل خلیا کی بڑی و سرخیال یہ کہ اس میں جو کھانا ان اور ہمارے معدن انسانی کتاب میں ہیں کوئی تاریخی ہمیشہ حال نہیں ہے ان میں جتنے خانا کے نام درج ہیں وہ
 بعض فرضی ہیں عرلان آبادی میں تھی ہوئے پر جوئے نئے مقامات بنائے گئے ان کے نام مذہبی تقدیس و تبریک کی بنا پر رزمیکہ سے اخذ
 کر لئے گئے اور فرضی مقامات کے ساتھ جو واقعات وابستہ تھے وہ نو آباد مقامات سے منسوب کر دیئے گئے۔ واقعات میں ربط و تسلسل
 پیدا کرنے کے لئے اس پاس کے پیاروں اور دریاؤں کے نام بھی دی رکھ دیئے گئے جو زمانہ اور ہمارے میں بڑے تھے۔ اس میں ہم
 آج بھی دکن اور جنوبی ہند کے متعلق ان رزمیکہ تب میں ایسے مقامات کے نام بھرے پڑے ہیں جو فرضی ہیں اور جن کی نشان دہی ناگن
 ہے۔ الغرض پانی کی کے زمانے میں شمالی ہند کے آریا باندھیا چل پھاٹکے جنوب میں جو مالک واقع ہیں ان سے ناواقف تھے البتہ وہ کلنگا
 دیس یعنی شمالی سرکا تک پہنچ گئے تھے۔

پانی کی کے کسی صدیوں کے بعد ایک دوسرا قواعد نویس کتیا نایا کو تیلیا پیدا ہوا جس نے ”ارتھ شاستر“ تصنیف کی جو پانی کی کی کتاب
 کی سبب تشریح ہے۔ کتیا نایا نے اپنی کہاوتوں میں جو ”وارٹیکا“ کہلاتی ہیں اکثر مجاہد شیمت (راوی زربا) چولا۔ چیرا۔ پانڈیا۔ کٹالا وغیرہ کا حوالہ
 دیا ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ شمالی ہند کے آریا پانی کی کے زمانے میں جزیرہ نمائے ہند کے جزیرہ سے لاعلم تھے لیکن کتیا نایا کے زمانے میں
 واقف ہو گئے تھے۔ اس لئے آریا ان دو قواعد نویسوں کے درمیان فی زمانہ میں دکن میں اگر آباد ہوئے ہونگے۔

اب ان دونوں قواعد نویسوں کا زمانہ تعین طلب ہے۔ کتیا نایا کی ”ارتھ شاستر“ کے خاتمہ پر مرقوم ہے کہ ”یہ شاستر ایک ایسے شخص کی تصنیف
 ہے جس نے دھرم علوم و فنون اور کتب مقدسہ کو مہندرا راجہ کی تباہ کاریوں سے بچا لیا۔ یہ زمانہ کا افسوسناک القاب ہے کہ زمین کی
 حکومت ایک ایسے ناپاک راجہ کے قبضہ میں آگئی ہے جو سچے دیوتا کی دعوت کی توہین کرتا ہے“ چونکہ مہندرا خاندان کے راجہ میں مت کے
 پیرو تھے۔ برہمنی مذہب کے دیوتاؤں کو نہیں مانتے تھے اور برہمنوں کی حمایت و سرپرستی بھی نہیں کرتے تھے۔ اس لئے کتیا نایا نے آخر
 معاصر مہندرا راجہ کو مہندو دے دین کہا ہے۔ پوراٹوں سے معلوم ہوتا ہے کہ سیسونانگ ”خاندان کے زوال کے بعد جہا پدم نندرا گدھت پر قابض ہو
 گیا۔ مہندرا خاندان میں فوج گدھ کے رہنمائی نے ان کو نوے سال تک حکومت کی۔ آخری مہندرا راجہ کو چندر گپت نے قتل کر کے حکومت چھین لی۔ باو
 موریا خاندان کی داغ بیل ڈالی معتبر تاریخی وثائق سے چندر گپت کی تخت نشینی کا سال ۳۲۵ ق م ثابت ہے۔ اس حساب سے سیسونانگ خاندان
 کا خاتمہ اس سے ۹۱ سال پیش یعنی ۴۱۶ ق م میں ہوا ہوگا۔ چونکہ کتیا نایا کسی مہندرا راجہ کا معاصر تھا اس لئے اس کا زمانہ چوتھی صدی قبل مسیح
 قرار دیا گیا ہے۔ یہی پانی کی کے زمانے کی دیانت تو اس کے لئے کوئی تاریخی وثیقہ موجود نہیں ہے اس لئے ہمیں صرف فلسانی شہادتوں
 پر بھروسہ کرنا پڑتا ہے۔ واضح رہے کہ کتیا نایا کے بعد ایک مشہور قواعد نویس چننلی گزرا ہے جو گدھ کے منگا خاندان کے بانی پوشیا مہتر کا معاصر تھا۔
 پوشیا مہتر کا ۳۵۰ ق م سے ۳۰۰ ق م تک حکومت کرنا معتبر تاریخی وثائق سے ثابت ہے چنانچہ یونانی مصنفین کے بیانات سے واضح ہوتا ہے کہ
 ۳۵۰ ق م باختر کے یونانی فرمانروا کوکرتس نامیائیس کے ایک ختمہ دار سینا نڈر نے جو اودی کا بل کارا کی تھا ہندوستان پر حملہ کیا۔ دو سال تک
 پریشیا مہتر اور سینا نڈر کے درمیان سخت محرمہ آرمیاں ہوتی رہیں۔ ابتداً کئی معرکوں میں سینا نڈر ظفریابہ لیکین ۳۵۰ ق م میں پوشیا مہتر

نے مینا نڈر کو شکست دے کر اسے ملک سے نکال باہر کیا۔ پھر یونانیوں کو ہندوستان پر حملہ کرنے کی جرأت نہیں ہوئی۔ اہی نٹا میں پونڈیتر کے فرزند گنی متر نے جو مالوہ کا حاکم تھا اور جس کا پایہ تخت جیسا تھا دیدار گھا دربار کے راجہ پر نچر محل کی۔ ان کا مایا بول کی درجہ سے پوشیا متر کو پختہ تھی اور چکر ورتن بننے کا شوق ہوا اس نے اُس نے بڑی دھوم دھام سے مناسقم میں "اسوامیدھ" (قربانی) منپ کی قدیم ویدی رسم ادا کی پتھلی نے اپنی تصنیف میں ان واقعات کو ایسے الفاظ میں بیان کیا ہے جن سے ظہر ہوتا ہے کہ وہ اسوامیدھ کی شاندار تقریب کا عینی شاہد اور پوشیا متر اور مینا نڈر کا ہم عصر تھا لہذا پتھلی کا زمانہ دوسری صدی قبل مسیح کا وسط قرار دیا جاسکتا ہے۔ اس حساب سے کتیا نا اور پتھلی کے زمانوں میں ڈھائی صدیوں کا فاصلہ پایا جاتا ہے۔

بدانقصائے زمانہ ہر زبان میں تغیر و تبدل واقع ہوتا رہتا ہے سنسکرت زبان کے ابھرنے کا بیان ہے کہ پانی تی کے زمانے کی سنسکرت اور کتیا نا کی استعمال کردہ سنسکرت میں بہت بڑا فرق پایا جاتا ہے۔ بہت سے الفاظ جو پانی تی کے زمانے میں مروج تھے کتیا نا کے زمانے میں متروک ہو گئے تھے۔ نحوی ترکیب، محاورات اور اسلوب بیان میں بھی بہت کچھ تبدیلیاں ہو چکی تھیں۔ آخری قسم کا کیا اس سے کچھ کم تفاوت کتیا نا اور پتھلی کی زبانوں میں پایا جاتا ہے چونکہ ان دونوں قواعد نویسوں کے درمیان ڈھائی صدیوں کا فاصلہ ہے اس لئے پانی تی اور کتیا نا کے درمیان اس سے کچھ زیادہ سانی تبدیلیاں کم سے کم تین صدیوں میں واقع ہوئی ہونگی۔ اور بتایا جا چکا ہے کہ کتیا نا کا زمانہ چوتھی صدی قبل مسیح تھا۔ اس لئے پانی تی کا ظہور اس سے تین صدیاں پیش یعنی ساتویں صدی قبل مسیح میں ہوا۔ پروفیسر گوڈا سکر نے دوسری سانی شہادوں کی بنا پر بھی پانی تی کا زمانہ ساتویں صدی قبل مسیح قرار دیا ہے۔ الغرض مذکورہ بالا بحث انچیس سے ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ دکن میں آریاؤں کا تاجدار و اعلیٰ ساتویں اور چوتھی صدی قبل مسیح کے درمیان ہی دور میں ہوا ہوگا۔

لیکن یہ دریافت کہ ساتویں اور چوتھی صدیوں کی وسیع درمیانی مدت میں کسی نہ کسی وقت آریا یہاں آئے ہونے کچھ زیادہ قریع نہیں معلوم ہوتی۔ اس لئے ابھی صحیح زمانے کی تعین و تحدید کی ضرورت باقی رہتی ہے۔ ڈاکٹر بلوہرنے اس شخص میں ایک دلیل پیش کی ہے جو اگرچہ منطقی نہیں ہے تاہم قابلِ تسلیم ضرور ہے۔ اُن کا استدلال ہے کہ جنوبی ہند کے درادڑوں اور ویدین لے اٹھویں صدی قبل مسیح میں جبکہ ان کے کالدیہ آسوریہ، بال، نینوا، مصر وغیرہ سے تجارتی تعلقات قائم تھے شامی ایجر اور شامی طرز فکر پر سیکھ لے مٹی متعین جدیدہ سے ثابت ہے کہ قدیم درادڑ ایک عظیم الشان قوم تھے جو اُس وقت کے تمام مہذب اقوام کے ساتھ میل جول رکھتے تھے اور دور دراز ملکوں کی سیاحت بھی کرتے تھے۔ بہر حال جذب درادڑ اٹھویں صدی قبل مسیح ہی میں فن تحریر سے واقف ہو چکے تھے لیکن شمالی ہند کے آریاؤں کے ہاں پانچویں صدی قبل مسیح میں آریائیوں کے توسط سے خوشی ایجر کی اشاعت ہوئی۔ اگرچہ خوشی ایجر کو بھی شامی ایجر سے دور کا فرق تھا لیکن اس میں ترمیم و اضافہ کر کے اسے مکمل اور مکمل اتھریہ بنالیا گیا تھا۔ الغرض خوشی ایجر اور طرز تحریر کو شامی ایجر اور طرز تحریر پر کئی اعتبار سے برتری حاصل تھی۔ پانچویں صدی عیسوی میں درادڑوں کو شامی ایجر سیکھ ہوئے صرف تین صدیاں گزری تھیں اس لئے اُس وقت تک مکمل طرز تحریر نے خوشی ایجر مبنی مٹی ایسی مستقل مثبت اختیار نہیں کی تھی کہ اس میں تبدیلی ممکن نہ ہو۔ اگر شمالی ہند کے خوشی ایجر سے واقف کار آریا پانچویں صدی قبل مسیح کے بعد جزیرہ نما سے ہند میں وارد ہوئے تو وہ یقیناً اپنے ساتھ خوشی ایجر بھی لیتے آتے اور اس مکمل و مکمل اتھریہ ایجر سے مکمل اور ضرور متاثر

ہوتی لیکن تامل ابجد کی مادگی اور دورے پن اور اشکال سے صاف عیاں ہے کہ اس پر خروستی طرز تحریر کا مطلق اثر نہیں پڑا ہے اگر یہ فرض کیا جائے کہ درادڑوں کی خودداری اور قدیم پسندی نے تامل طرز تحریر میں کئی قسم کی ترمیم یا مداخلت گوارا نہ کی تو بھی نووارد آریاؤں کا خوددستی بھید نہ بھٹا ہو لازمی اور تھا لیکن جزیرہ نمائے ہند میں راج کاک کوئی قدیم تہذیب خروستی ابجد میں سکھا ہوا نہیں پایا گیا ہے۔ اوپر ذکر ہو چکا ہے کہ آریاؤں نے پانچویں صدی قبل مسیح میں ایرانیوں سے خروستی طرز تحریر سکھا تھا جس کی تفصیل یہ ہے کہ ایران کے خاندان اشکانیاں کا نامور شہنشاہ دارا ابن گشتاسب ۵۲۱ ق م سے ۴۸۵ ق م تک سربراہانے سلطنت رہا۔ ۵۱۶ ق م میں اس نے ایک زبردست فوج دادئی سندھ کی تعمیر کے لئے روانہ کی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کشورہ زار سے سمندر تک کا سارا علاقہ ایرانی سلطنت میں شامل ہو گیا۔ یہ علاقہ سلطنت ایران کی بیسیوں تعلیم خراپا یا جس کی آمدنی تمام اقالیم سے زیادہ تھی۔ اس تعلیم میں سندھ خیر پور، بہاولپور کے علاوہ ماحجوتانہ اور پنجاب کا بھی بڑا حصہ شامل تھا۔ سٹروٹنٹ اسمتھ کا بیان ہے کہ اس وقت ماحجوتانہ کے ریگستانی علاقے بھی بڑے شاداب اور آباد تھے۔ بہر حال اس زمانے میں اہل ہند اور اہل ایران کے درمیان گہرے تعلقات قائم تھے اس لئے اول الذکر نے مرزا الذکر سے خوددستی ابجد سکھی۔

ملک دکن اور جنوبی ہند میں خوددستی کتب کی عدم موجودگی اس امر کی شاہد ہے کہ آریاؤں کا وہ گرد جو دشمنیاباٹھ میں آکر آباد ہوا خوددستی طرز تحریر سے ناواقف مقابلہ کھنا جانتا ہی نہ تھا۔ جزیرہ نمائے ہند میں اگر نووارد آریاؤں نے درادڑوں سے سکھا لیا۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ آریا پانچویں صدی قبل مسیح سے پیشتر ہی یہاں آئے ہونگے جبکہ ان کے ہاں خوددستی طرز تحریر کا رواج ہی نہ ہوا تھا۔ اوپر ثابت ہو چکا ہے کہ آریا ملک دکن میں پانی نی کے زمانے یعنی ساتویں صدی قبل مسیح کے بعد آئے تھے۔ اب صاف ظاہر ہے کہ شمالی ہند کے آریا ساتویں صدی قبل مسیح کے بعد اور پانچویں صدی قبل مسیح کے پڑھنے چھٹی صدی قبل مسیح میں جو کہ جو ملک دکن میں وارد ہوئے ممکن ہے کہ بعض لوگوں کو خیال ہو کہ جب آریا پانچویں صدی قبل مسیح تک کھنسا جاتے ہی نہ تھے تو وہ کس طرح اسے عظیم الشان سنگت لٹریچر کے حامل تھے؟ بات یہ ہے کہ برہمنوں کی مذہبی سرگرمی خیر العقول تھی۔ وید اور دوسرے علوم ان کو زبانی یاد تھے۔ یہ مقدس مذہبی ذخیرہ نسلا بعد نسل برہمنوں میں زبانی طور پر منتقل ہوتا رہا۔ برہمنوں کا سینہ تمام مذہبی علوم و معارف کا گنجینہ تھا۔ سینکڑوں سال کے بعد یہ گنجینہ سینہ سے سینہ میں منتقل ہوا۔ طرز تحریر سے آشنا ہونے پر بھی برہمن بہت مدت تک اپنے مقدس دھرم انرہمی لٹریچر کو ضبط تحریر میں لانا پسند نہیں کرتے تھے تاکہ عوام کی نگاہ سے وہ مخفی رہے اور اس طرح ان کا (برہمنوں کا) اقتدار قائم رہے۔

اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ آریا کس راستے سے دکن میں داخل ہوئے کہاں آباد ہوئے اور وہاں کے لوگوں پر ان کا کیا اثر پڑا؟ یہ شخص سمجھ سکتا ہے کہ آریا کو وہ بندھیا چل کو عبور کر کے نہیں آئے ہونگے کیونکہ اس طرف کو بندھیا چل کے علاوہ کوہ ست پڑا اور یائے نبرا یا دیائے تاپتی ان گھنے جنگل ان کی راہ میں مانع و مزاحم تھے۔ ہم اوپر چڑھ چکے ہیں کہ پانی تی ہی کے زمانے میں آریا کلنگا دیس اپنی شہنشاہی مرکز تک پہنچ گئے تھے۔ اسی راستے سے وہ آہستہ آہستہ مغرب کی طرف بڑھے اور پہلے ویدار بھا (برار) پہنچے جہاں کی زمین نہایت زرخیز اور آباد تھی۔ ٹال کے باشندوں نے ان کا خیر مقدم کیا۔ اس کے بعد وہ رفتہ رفتہ ڈنڈکارن کو صاف کر کے ٹال پہنچے۔ یہاں ایک سال پیدا ہو سکتا ہے کہ

دکن کے درادڑوں نے بغیر جنگِ جدل کے آریاؤں کو دکن میں کہیں آنے دیا اور کسی قسم کی مزاحمت کیوں نہ پیش کی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ آریا چونکہ دکن میں فلاح کی حیثیت سے نہیں بلکہ محض دوستانہ حیثیت سے بودا باش اختیار کرنے کے لئے آئے تھے اس لئے کوئی خطرانی چیز ان کی نظر میں نہ تھی۔ علاوہ بریں اب آریاؤں اور درادڑوں میں ویدی زمانے کی طرح منافرت و محاذات باقی نہ رہی تھی۔ ویدی زمانے میں یہ دونوں قومیں رنگِ بھل، مذہب، دھما شرت، رسم و رواج وغیرہ کے لحاظ سے متغایر تھیں۔ دونوں میں حدودِ رجب کی منافرت تھی۔ آئے دن ہموکارا لیا ہوتی رہتی تھیں۔ چنانچہ رگ وید میں اکثر جگہ ”اسیو“ (درادڑوں) کی ہلاکت و بربادی کے لئے دعائیں کی گئی ہیں لیکن ہر روز زمانہ ان کی مخالفت و جنسیت بخود ہوئی گئی۔ مدت تک ایک ساتھ رہنے سننے سے ان کے باہمی بغض و عناد کا جذبہ جاتا رہا۔ ہر روزم اور آب دھو کی بھائی نے انہیں ایک ہی قسم کے لباس و غذا استعمال کرنے پر مجبور کیا۔ دونوں قومیں ایک دوسرے سے شادی بیاہی کر لگائیں جس سے ان کا رنگ و روپ بھی یکساں ہو گیا۔ جا بھارت میں ہرقوم کے ہر پہلے آریاؤں کا رنگ کا فوری طرح سفید تھا پھر کندن کی طرح زرد ہوا اور بالآخر سناوا ہو گیا۔ رنگ کی تبدیلی سیاہ فام درادڑوں اور سفید فام آریاؤں کے نسلی اختلاط کی وجہ سے تھی۔ ویدی زمانہ کے آریاؤں میں فطرت اور قوائے قدرت کے پرتا رشتہ تھا لیکن رزمیہ زمانے میں ان کی دیوالا میں بہت سی تغیر آریائی دیوتا شامل ہو گئے جن میں کویرا، آئیش، کلمشی، درگا، شیو، ناگ، ہیش وغیرہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

الخضر چھٹی صدی قبل مسیح میں جو آریا شمالی ہند سے دکن میں آئے وہ خالص آریائی نسل کے تھے بلکہ ان کی رگوں میں آریائی اور درادڑی دونوں قسم کا خون تھا۔ انہیں محض تمدنی لحاظ سے آریا کہا گیا ہے کیونکہ ان کے مذہب و تمدن ہر آریائی رنگِ طالب تھا لیکن اس وقت تک دکن کا تمدن خالص درادڑی رنگ میں ڈوبا ہوا تھا۔ بہر حال چونکہ یہ آریا ویدی آریاؤں کی طرح درادڑوں کے جنس نہ تھے بلکہ کسی اعتبار سے ان کے مشابہ تھے اس لئے انہوں نے زیادہ مزاحمت پیش نہ کی۔

ہم اوپر بیان کر چکے ہیں کہ چکے میں کرشمائی ہند سے آریا کھنکا ہوتے ہوئے پہلے ویدیا بھیا پہنچے اور پھر مہادیعی علاقوں کو صاف کر کے رہا آباد ہوئے جن علاقوں میں انہوں نے بودا باش اختیار کیا ان میں سے صرف ویدیا بھیا کا ملک پہلے سے آباد تھا اس لئے اس کو جن امتحان ”بھی کتے“ ہیں۔ ویدیا بھیا کے باشندے ابتدائی سے آریہ شیوں اور مینوں کے متفقہ تھے چنانچہ ایک نیت ہے کہ گھنیا مینی نے اپنی کرامت سے ایک سین لڑکی پیدا کر کے اسے ویدیا بھیا کے راجہ کی زوجیت میں دے دیا تھا الخضر ویدیا بھیا کے راجہ نے اپنی توجہ عقیدت مندی کی بنا پر آریاؤں کا غیر غلام کیا اور ان کو اپنے ملک میں سکونت پذیر ہونے کی اجازت دے دی۔ وہاں سے آریاؤں نے دکن میں پھیلے۔ آریاؤں کا راجہ حیثیت سے یہاں آئے تھے اس لئے انہوں نے ڈنڈ رن کو صاف کر کے وہاں اپنی نوآبادیاں قائم کیں۔ ڈنڈ رن ان میں بہت سی جوشی قومیں بھی رہتی تھیں جن میں بعضوں کو تو آریاؤں نے مار بھگا یا لیکن بہتوں کو اپنی سلاح میں جذب کر لیا اور ان میں اپنی زبان، مذہب اور رسم و رواج کو جاری کیا جس طرح شمالی ہند کے باشندوں پر آریائی اثر غالب ہو گیا تھا اسی طرح ویدیا بھیا اور ڈنڈ رن کے باشندوں پر آریائی مذہب و تمدن غالب آیا جب ڈنڈ رن کا بڑا حصہ جنگلوں سے پاک صاف ہو کر آباد ہو گیا تو آگے چل کر اس کا نام پراکرت میں ”راما سیکھا“ اور سنسکرت میں ”ہمارا سنسر“ پڑا۔ یہاں آریائی وغیرہ آریائی اقوام کے اتصال و آمیزش سے جو زبان وجود پذیر ہوئی وہ ”مرہٹی زبان“ کہلاتی ہے۔ اس پراکرت

کارنگ غالب ہے اور اس کا شمار ہندوستان کی آریائی زبانوں میں ہوتا ہے۔ غرض آریاؤں کی دکن میں آمد کا نتیجہ یہ ہوا کہ ویدایچا اور ہمارا شط میں آریائی تہذیب متقدم اور مذہب زبان رائج ہو گئی۔ جب آریاؤں کی آبادی بہت بڑھ گئی تو اس نے ماحول و فضا میں ان کا قدیم مجموعہ نوین ”بدھیاناً“ ان کی سرسری وحدت کے لئے ناکافی ثابت ہوا لہذا انہوں نے ایک ہی صدی کے بعد ایک جدید مجموعہ قوانین تہذیب کیا جو ”اپستہا“ کہلاتا ہے کئی صدیوں کے بعد مٹنے والے انہیں دوشاستروں یعنی ”بدھیاناً“ اور ”اپستہا“ کی مدد سے اپنی مشہور و معروف ”دھرم شاستر“ لکھی جو مجموعہ قوانین منو کے نام سے بھی موسوم کی جاتی ہے۔

اول اول آریا ویدایچا اور ہمارا شط میں آکر آباد ہوئے۔ اس کا سب سے زبردست ثبوت تو یہی ہے کہ ان علاقوں میں مرہٹی زبان بولی جاتی ہے جس پر سنسکرت کا رنگ غالب ہے اور اس کا شمار آریائی السنہ میں ہوتا ہے۔ علاوہ بریں مرہٹوں کی تہذیب و معاشرت اور مذہم و رواج بھی دراوڑی السنہ مثلاً تلنگی کنٹری میں تامل اور ملایم برٹنے والی قوموں سے جدا گانہ ہے۔ انہیں پتہ چلا کہ منو کے فی الحقیقت ہمارا شط ہی علاقہ ہے یا نہیں جہاں پرانے زمانے میں ڈنڈک ن کے گھسے جنگل واقع تھے اور جنہیں صاف کر کے آریاؤں نے اپنی نوآبادیاں قائم کی تھیں۔ واضح ہو کہ ہندو تمام محاشرقی محاشرقی میں بالعموم اور ہندو ہی محاشرقی میں بالخصوص انہما درجے کے قدامت پسند واقع ہوئے ہیں۔ پوجا پاٹ کا جو طریقہ ان کے ہاں ہزاروں سال پیشتر رائج تھا وہ آج تک قائم ہے۔ ہندوؤں کا قاعدہ ہے کہ کبھی مذہبی رسم کی ادائی کے وقت سب پہلے اس ملک کا نام لیتے ہیں جہاں وہ رسم ادا کی جاتی ہے۔ اس کے بعد اور کچھ منتر چیتے ہیں۔ ہمارا شط کے ہندو ہر مذہبی تقریب میں پوجا پاٹ کے وقت اپنے ملک کا نام ڈنڈک ن لیتے ہیں حالانکہ آج سے دو ڈھائی ہزار سال پہلے ہی ڈنڈک ن مغرب ہستی سے مٹ گیا اور اس کی جگہ انسانی آبادیاں قائم ہو گئی ہیں۔ اس صاف ظاہر ہے کہ ہمارا شط کا نام پرانے زمانے میں ڈنڈک ن تھا یعنی آج کل جہاں ہمارا شط کا علاقہ آباد ہے وہیں قدیم زمانے میں ڈنڈک ن کا مہیب گھن جنگل واقع تھا جسے آریوں نے صاف کر کے اپنی نوآبادیاں قائم کی تھیں۔ اگرچہ ویدایچا (ہمارا) اور ہمارا شط کے باشندے آریائی رنگ میں ڈوب گئے لیکن ملک وین کے مشرقی حصے میں جہاں اندھروں کی زبردست حکومت قائم کی تھی یا جنوبی ہند کی چولا چیترا اور پانڈیا ریاستوں میں آریاؤں کی وال نہ تھی۔ وہاں دراوڑی تہذیب و تمدن ایسے اعلیٰ ترین پر پہنچ گیا تھا اور محاشرقی اور اسے ایسی مضبوط بنیادوں پر قائم تھے کہ مسیحی اجتماع کے نظام میں آریاؤں کی دھ سے مطبق کسی قسم کا تغیر و تبدل واقع نہ ہوا۔ اہل وہاں دو دنوں قوموں نے ایک دوسرے کے خیالات و فحومات سے استفادہ کر کے اپنی محلات میں بخت حاصل کی۔ اگر درادڑوں نے آریاؤں سے کچھ سیکھا تو آریاؤں نے بھی دراوڑی نظام معاشرت سے سبق حاصل کئے۔ جو آریا ہند درادڑی مالک میں جا کر آباد ہوئے وہ درادڑوں ہی کی سماج میں ضم ہو گئے اور انہوں نے انہیں کی تہذیب و معاشرت اختیار کر لی۔

البتہ بہت ہی دیو مالاکے دیوتاؤں کے کارنامے ایسے دلچسپ و عجیب فریب تھے کہ درادڑی ممالک کے باشندے بھی ان سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے لیکن آریائی مذہب کا اثر صرف تلیل التعداد و تعلیم یافتہ طبقہ پر پڑا۔ جزیرہ ہمالیہ کے کثیر التعداد و عوام کا طبقہ ہمیشہ اپنے آباد اجڑا کے مذہب پر قائم رہا۔ ممالک کا خیال ہے۔ علما کا خیال ہے کہ دکن اور جنوبی ہند میں آج بھی شاندار اور تہذیب کی حیثیت محض طبع کاری کی سی ہے جس کے نیچے دراوڑی عقائد و توہمات کی مضبوط دھات ہترم کی شکست و ریخت اور افسرگی سے محفوظ ہے۔ اس میں شک نہیں کہ ملک میں

بڑے بڑے مناد رآریائی دولتوں میں منسوب ہیں لیکن لوگ کسی خاص تہوار یا جاترا کی توقع پر دہاں جاتے ہیں دودھ روزانہ زندگی میں اپنے آہائی رسوم و عادات کے پابند ہیں اور ان کے مقامی دیسی دیتا ان کی تمام حاجت برآریوں کے لئے کافی سمجھے جاتے ہیں غضبناک یہی دیتا ناول پر تر بائیاں دی جاتی ہیں تاکہ ان کا غصہ فرو ہو اور وہ چڑھاوے چڑھانے والوں کو تمام آفات و بلیات سے مامون و محفوظ رکھیں۔ بہر حال ان تمام باتوں سے پتہ چلتا ہے کہ دکن اور جنوبی ہند کے باشندوں پر آریائی مذہب کا بعض خفیف سا اثر پڑا ہے۔

آریاؤں کا ایک مشہور معروف ادارہ نظام ذات بندی بھی تھا۔ چنانچہ آریائی معاشرہ چار ذاتوں یعنی برہمن چھتری ویش اور شودر پر مشتمل تھا۔ علاوہ برہمن وہ وحشی لوگ جو آریائی سماج میں شامل نہیں ہوئے بلکہ دشت و جبل میں جا چھپے چندال یا خراج الذات سمجھے جاتے تھے۔ دراوڑوں پر اس نظام کا بھی زیادہ اثر نہیں پڑا۔ چنانچہ آج بھی دراوڑوں کے ہاں چھتری ذات منقود ہے۔ چند خاندانوں کے لوگ ویش ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں مگر نہایت کمزور بنیاد پر۔ چونکہ برہمنوں کا طبقہ بہت اعلیٰ اور قابل احترام تھا اس لئے دراوڑوں کا بھی تعلیم یافتہ طبقہ برہمن بن بیٹھا۔ اس لئے دکن میں دراوڑ برہمن کثرت سے ہیں۔ زمانہ مابعد میں جب یہاں بڑی بڑی حکومتیں قائم ہوئیں تو برہمنوں نے ازراہ فتنے انہیں چھتری قرار دیا اور ان کے ضمنی نسب نامے مرتب کر کے سورج یا چاند کو ان کا مورث اعلیٰ تسلیم کر کر لیا لیکن ہندوؤں کی حکومت ختم ہو جانے پر چھتری نسل کے دعویٰ داروں کا نام مٹ گیا۔ عوام کو شوروں کا درجہ عطا کر دیا گیا تھا۔ کہیں کہیں ”یارا“ بھی پائے جاتے ہیں جو شمالی ہند کے چندالوں کے سے حقیر اور ناپاک خیال کئے جاتے ہیں لیکن ان کی آبادی دریاں تھلے کی سی ہے۔ پیشے کے لحاظ سے جو مختلف ذاتیں پائی جاتی ہیں وہ زمانہ مابعد کی پیداوار میں ان سب کا درجہ مشور کے مائل ہے۔

غرض کہ دکن میں حقیقی طور پر صرف دو ذاتیں پائی جاتی ہیں برہمن اور غیر برہمن۔ آخر الذکر طبقے کے لوگ بھی آج کل زیور علم سے آراستہ ہو کر بڑی کامیابی کے ساتھ برہمنوں کا مقابلہ کر رہے ہیں اور مدت سے یہاں برہمن اور غیر برہمن کی جنگ جاری ہے! اجمال دکن کے دراوڑوں پر آریائی نظام ذات بندی کا بھی بہت کم اثر پڑا۔

محمد حسین اویس

مساوات

ایک بڑی پھلی نے ایک ننھی سی پھلی کو پچھڑا اور اسے نگل جانا چاہا۔
 ”ننھی پھلی نے چلا کر کہا۔ ”یہ سراسر بے انصافی ہے میں بھی تماری طرح زندہ رہنا چاہتی ہوں۔ قانون کی نظر میں تم سب پھلیاں یکساں ہیں۔“
 بڑی پھلی نے جواب دیا۔ ”میں تم سے اس بات پر مکرر بحث کرنے کے لئے تیار نہیں کہ تم سب ایک ایسے میں اگر تم میرا شکار نہ بنا پسند نہیں کریں

تو آؤ مجھے اپنا شکا دینا۔ تو آؤنا! مجھے نکل لو۔ دقتی کا بے کو ہو۔“

چھٹی پھلی نے بڑی پھلی کو گلے کے لئے منہ کھولا مگر بے سود۔

آخر کار تنگ آ کر کہنے لگی۔ ”آؤ مجھے نکل لو۔“

(ترجمہ)

سعادت حسن

راحتِ کدہ شام

دن ختم ہو چکا ہے اور شام ہو گئی ہے
 غوغائے زندگانی خاموش ہو گیا ہے
 لرزش نہیں ہے کوئی اب سازِ زندگی میں
 بزمِ جہاں کے جلوئے منعموم ہو گئے ہیں
 ہیں آسماں پر ابرِ آتشِ نشان کٹے کھڑے
 وہ دامنِ شفق میں تارے چمک رہے ہیں
 رہ رہ کے آج "راحت" تو یاد آ رہی ہے
 بے اختیار میرے آنسو نکل پڑے ہیں
 سینے میں آہ اکیسا طوفانِ غم بپا ہے

ہنگامہ زارِ بستی اب غرقِ خاموشی ہے
 آغوشِ شامِ غم میں خورشید سو گیا ہے
 تحلیل ہو گیا ہے ہر نغمہ خاموشی میں
 تاریکیِ الم میں معدوم ہو گئے ہیں
 دامنِ یاس میں ہیں قلبِ طپاں کے کھڑے
 یا چشمِ ارغواں میں آنسو چھلک رہے ہیں
 میری فضائے دل پر غم بن کے چھا رہی ہے
 سوزِ غم نہاں کے چشمے ابل پڑے ہیں
 آنکھوں میں لشکریں ہر دل تھر تھرا رہا ہے

جب تیرا ذکر کرنا بے اختیار رونا

لے لے کے نام تیرا دیوانہ وار رونا

اثر صہبائی

حسن نسوانی کا ایک ادبی مصوّر

گویتے

۷۲-۸۱۱ء

افسانہ نگار قارئین کے دل میں تین مختلف طریقوں سے اپنے منظم یا منثور افسانوں کے نسوانی کرداروں کے حسن کا احساس پیدا کرتے ہیں پہلا طریقہ یہ ہے کہ وہ سرے سے اُن کے حسن کے تعلق کوئی تفصیل پیش کرتے ہی نہیں بلکہ محض اُس اثر کے بیان پر اکتفا کرتے ہیں جو دیکھنے والوں کے دل پر طاری ہوا چنانچہ ہومر ہیکن کی کوئی تصویر نہیں کھینچتا اور صرف اتنا کہہ دیتا ہے کہ جب وہ مڑاتے ہیں حلیتی پھرتی تھی تو اُسے دیکھ کر بڑے بڑے بھی جو حشر ہر شہزادان کر اُسے کو تھے زیر لب یہ کہتے ہوئے سنائی دیتے کہ اس کی موت آسمانوں کی ملکد کی طرح پیاری ہے۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ افسانہ نگار بحالت ایک سرسری سافا کا کھینچ کر رکھ دیتے ہیں اور حال و حال کی طویل تفصیل سے اجتناب کرتے ہیں۔ تیسری سن نے لائنٹ کی یہ کوشش تصویر یہی انداز سے کھینچی ہے :-

وہ ایک مالی نسب درخشیز تھی

اُس کی پیشانی بہار کا پھول تھی

اُس کے رخسار سب کے شگوفے

اور اُس کی خوبصورت ناک میں پھول کی پتی کا سانا زک خم تھا۔

کلوتر پڑا کی تصویر بھی اُس نے اسی طرح پیش کی ہے :-

میں نے پلٹ کر دیکھا کہ ترمزی شال کی کھلی ہوئی تہوں کے ایک گل نگار ڈھیر پر

بصد تنگت ایک مکہ بیٹھی ہے :

سانو لے گال اور بیداک سیاہ آنکھیں

اور پلائے احمر کی طرح دکھتی ہوئی سرخ پیشانی۔

اگرچہ اس تصویر میں متبادلتہ زیادہ وضاحت ہو سکتی ہے لیکن اس کے متعلق بڑا سانی یہ حکم لکھا جاسکتا ہے کہ اسے اصل سے دور کی نسبت بھی نہیں۔ یہ شمار مری حسن کا تعین ہیں حالانکہ کلور پٹر ایلو مانی تھی اس کی سلیں کو شہادت زیادہ قرین تیاں ہے۔ سمن برتناب الاعضا، ثقیفی آنکھوں دوسرے بالوں کی۔ ہم ابھی نہیں گئے کہ گوئیے نے کلور پٹر کی تصویر اس سے مختلف انداز میں کھینچی ہے۔

ادبی مصوری کے تیسے طریقے کا امتحان اسی بات ہے۔ وہ یہ ہے کہ تفصیلی طور پر ایک ایسی واضح تصویر بنائی جائے جس میں ہر ایک کی مصوری کی طرح ادنیٰ سے ادنیٰ جزئیات پیش کی گئی ہوں۔ گوئیے اس طریقے کا فرید روزگار استاد تھا۔ نہ صرف ایک طویل المربع فن کار اور ایک بڑے ماہریت ہونے کے اعتبار سے بلکہ اپنے گونا گوں شاہکاروں کی بڑھتی اور رنگارنگی کے لحاظ سے بھی وہ ادبی مصوری کا استاد اور اساتذہ تسلیم ہونے کے قابل ہے۔ اس قول میں مبالغے کا کوئی شائبہ نہیں کہ گوئیے نے اپنی انسانوں میں قوم کے ایک نصف جسم کے حسن کے مختلف گوشے اہل نگاہ کو زندہ کر دیے ہیں۔

وہ کلور پٹر اکس طرح پیش کرتا ہے:

بارغ کی روش کی آخری حد پر ایک کشادہ شامی تمام ہے۔ تیرنے کا ایک تابا جس کے چاروں طرف سنگ ساق کی برق پڑھیاں بھریں پانی میں دوپٹی ہوئی ہے۔ ہونے سونے کے ریتے تک پہنچتی ہیں۔ کتاؤں کے گرد جن عورتوں کے جھستے کھڑے ہوئے، عطر کی بھواری سوتا۔ اس کی آئینہ پوش سطح پر ایک نقرہ قمری بارش کے ستارے ٹانگ ہے۔ بالائی نیلے پر کلور پٹر احساس حسن کے ناز و غرور میں ہستادہ ذرا سی آگے کو جھکی ہوئی، لولی ہلکے اس زور و جذبہ محبت کے طرح معلوم ہو رہی ہے جو اپنی جو کی سے آراہی جاتا ہو۔ اس کے معقار مضامین پر جو ان بڑے تانہات زور و غرور سے ہیں اس وقت ہلکے گلابی رنگ کی ایک لہر دوڑ رہی ہے اور اس کی غنیمت کی سی غنیمت کی پرنیگوں رنگوں کا مہوہم سا رنغل رہا ہے۔ تدریج جسموں کی طرح اس کی نچی کشادہ اور روشن چیشائی ایک اولئے حسن کے ساتھ اس کی چھوٹی ٹی خواہتور ستوں ناک سی کی ہوئی ہے اور اس کے نازک اور گنگوں نتھنے شیری کے تختوں کی طرح بڑک ہے۔ اس کی آنکھوں کے پوٹے رنگ ہیں اور ابروؤں کا بظاہر جڑوٹا ایک خفیت سا رخ دکھا رہا ہے۔ اس کے رنگ اور گول دہن کے بالائی لب کی غنیدگی سے ایک نفیس قوس پیدا ہو رہی ہے اور نیچے کالال رسیدا ہونٹ زندگی اور اس کی سرتوں کی ایک ایسی تلیش لذت شناسی کی چھنی کھا رہا ہے جو الفاظ کی شرمندہ احسان نہیں ہو سکتی۔ اُس کے بال منہ کی دیمبوں کی طرح نزل کی شاخوں اور کنول کے پھولوں سے گندھ ہوتے ہیں اور سفید پیراہن اُس کی ناک کر کے طلائی چکے سے گزرتا ہوا ہر طرف کے سفید گالوں کی طرح نیچے گر کر اس کے قدم لے رہا ہے۔ وہ اپنے پاؤں کی ایک گلابی ایڑی سے پانی کو چاہنے کے لئے چھو رہی ہے۔

اس مقابلے کے لئے گوئیے کے پیش کردہ خالص انگریزی حسن کا ایک نمونہ (میوزیڈورا) بھی ملاحظہ کیجئے۔ اس تصویر کا مقصد بھی نظر ایک غلبہ

ایوان ضیافت ہے۔ اس کی سیاہ بلوطی دیواریں جن پر چوبی موتیں کھدی ہیں ٹینین کی رنگارنگ تنعاید سے جھکا جھک ہو رہی ہیں۔ ایک طرف بڑی بڑی فخری پھلیاں لپٹ پر برتنوں کی ایک جھجھکاتی ہوئی وسیع کشتی اٹھائے ہوئے ہیں اور دوسری طرف نیز پر بلوریں ظروف — قریبے ٹھٹھا ساغر جھلک جھلک کر رہے ہیں۔ یہاں میوزیڈ وراکسل آئیز اور خواب آگینں محبوبیت کے ہائیں گھری ہوئی بیٹھی ہے اور ایک کمن حبشی غلام اس کی نشست کے پیچھے کھڑا ہے۔

میوزیڈ وراکسل سال کی نوخیز حسینہ ہے۔ اس کی آنکھیں سمندر کے پانیوں کی یاد دلاتی ہیں کسی شام کو گلیں کبھی آسمانی حُسن کا آتنا صبح تصویر پیش نہیں کر سکا۔ اس کا ملکوتی بدن جس پر پہلے ہوئے پھل کی طرح اپنی ہی گدراہٹ کا رد چھار ماہ سے نور باطن سے بھی منور نظر آتا ہے۔ اس کے خوبصورت لیشیں بال جو اس قدر باریک ہیں کہ ہوا کے خفیت سے جھونکے میں بھی لہرائے گئے ہیں نہرے مرغولوں کا ایک بھرنا بن کر موتیوں کے تلاج سے نیچے گرتے ہوئے اس کے شانوں کی بلانیں لے رہے ہیں۔ ہلکا سبز لباس اس کی گردن اور بانوں کی سفیدی کو اجاگر کر رہا ہے اور اس کی مرمر نام کلائی میں زیر جرد کا ایک خفا سا سانپ جس کی دونوں آنکھوں میں جل ملک ہے میں چوڑی کی طرح پلٹا ہے۔ اس کے تنگ ہن پوچھو میرٹا درد لٹیری کی باہم تیزی لے نیکی کے ایک ایسے مرمریں مجھے کی طرح ملام کی جھلک پیدا کر دی ہے جو سیاہ کار دنیا سے دوچار ہو رہا ہو۔

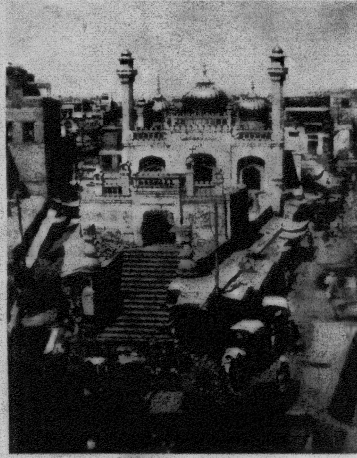
لیکن زیادہ باریک نظر اس کے چہرے میں اس تقدیر سے فرد تر ایک چیز بھی دیکھ سکتی ہے۔ ان مضمل آنکھوں میں جن کی تہلیوں میں زرد ڈورے جھلک رہے ہیں کوئی ایسی بات منور ہے جو انہیں کسی دلیلید کی شیریں اور جفاکیش آنکھوں سے مشابہ بنا رہی ہے۔ اس کے گلاب کی پتی کے سے نازک انقبیس کیج لب پر وہ دکر پیغیارہ جوئی یا تند غوی کی تمللاہٹ سے ایک نینفعن ہی پیدا ہوتی ہے جس میں ایک لڑتی ہوئی ناگن کے دنبا لے کی ترپ پیچ و تاب کھا رہی ہے اس کی نگاہ بے نقعد اور مدور ٹھٹھک رہی ہے اور اس کے سرخ لب کھلے ہیں۔ وہ سامنے بڑے ہوئے ساغر سے بے پروا جنت سے نکلے ہوئے کسی فرشتے کی طرح دنیا سے بیزار بیٹھی ہے۔

یہ اس ہزار پہلو نگار فانی کی صرف دو نقدا دیر کے نمونے ہیں جسے اس حیرت کا فرسہ لہبسی فنان کے خواب حُسن کی دلاوین آفرینش نے فردوس خیال بنا رکھا ہے۔

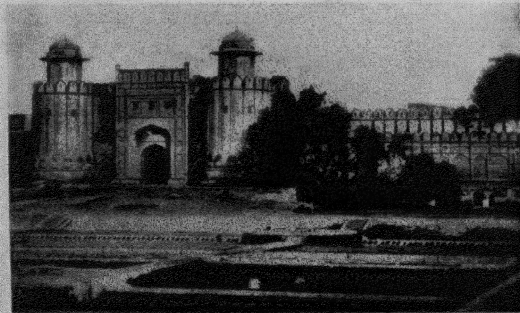
حامد علی خاں

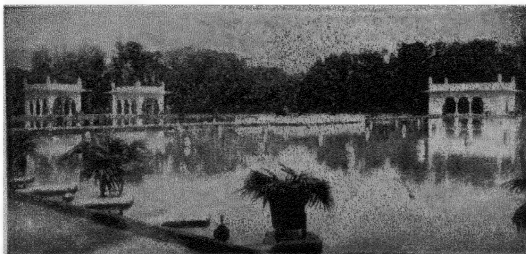


شالامار باغ لاہور

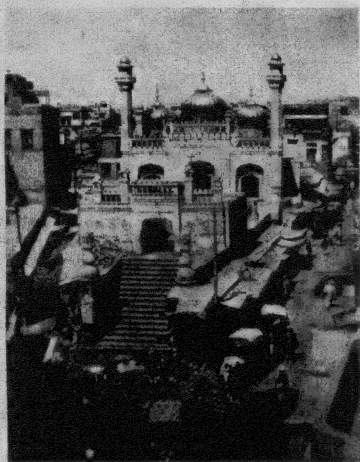


سنہری مسجد (دینی بازار لاہور)

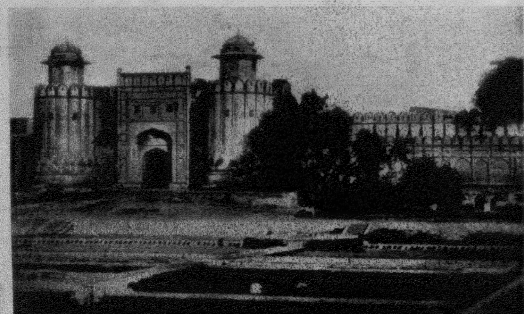




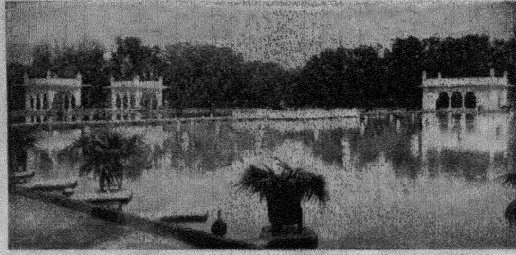
شالامار باغ لاہور



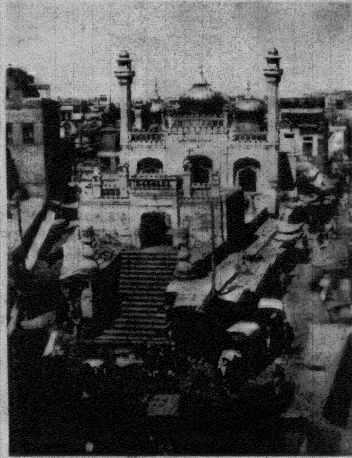
سنہری مسجد (جونی بازار لاہور)



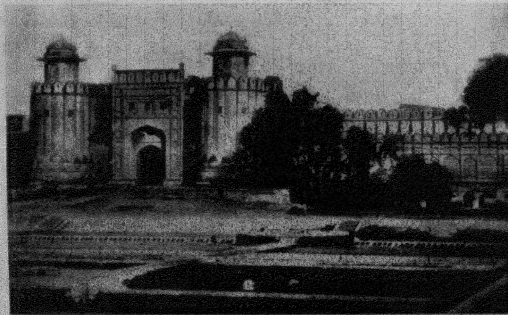
قلعہ لاہور



شالامار باغ لاہور



سہری مسجد (قبری بازار لاہور)



قلعہ لاہور

سودھا

کانتی جوان تھا تاہم اس نے اپنی بیوی کے انتقال کے بعد دوسری شادی کرنے کا ارادہ نہ کیا اور اپنی زندگی کے باقی ایام سیر و شکاریوں پر گزار دیے۔ اس کا قد لمبا اور سٹول تھا اس کی عظمت تیر مٹی اور اس کا نشانہ کبھی خطا نہ ہوتا تھا۔ وہ ہمیشہ دھبائی لباس پہنتا تھا اور اس کے حلقہ احباب میں ہلو ان پیر، سنگھ، لال خان صاحب گوئیے، میاں صاحب اور کئی اور لوگ شامل تھے۔ اس کے لیے بیکار آدمیوں کا کال نہ تھا۔ ایک بالکانتی، ننھی دگھی کے کنارے اپنے دوستوں کے ساتھ شکار کیلئے گیا۔ وہ سب لوگ کشتیوں میں گئے تھے ان کے ملازموں کی ایک کثیر جماعت ساتھ تھی جس کی دھبے سے گھاٹ پر هجوم سا ہو گیا تھا اور اب دیہاتی عورتوں کے لئے دھان نہانا یا پانی بھرنانا ممکن ہو گیا تھا۔ تمام دن بندوؤں کی آواز سے زمین اور سطح آب لرزہ برآمد کرتی اور ہزاروں گونے بجانے کے شور کی دھبے سے نیند حرام ہو جاتی۔

ایک صبح کانتی کشتی میں بیٹھا ہوا اپنی بندوق صاف کر رہا تھا کہ یکایک وہ ایک آواز پر چونک پڑا۔ یہ کسی چھٹی طبع کی آواز معلوم ہوتی تھی۔ سر اٹھاتے ہوئے اس نے دیکھا کہ ایک یہاٹی لڑکی دو بطخ کے بچوں کو چھاتی سے چٹائے ہوئے پانی کے کٹاڑے کی طرف آرہی ہے۔ ندی کی پانی بالکل ٹھہر چکا تھا اور تابی گھاس کی دھبے سے ندی کی روانی بند ہو گئی تھی، لڑکی نے بچوں کو پانی میں ڈال دیا۔ شکاریوں کی موجودگی کی وجہ سے وہ ان کی طرف زیادہ متوجہ ہو گئی تھی۔

لڑکی کے حسن میں ہلا کی جاویدیت اور مصروفیت تھی اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ یہ قدرت نے اس کو ایک خاص سانچے میں ڈھال دیا ہے اس کی عمر کا اندازہ لگانا اور دشوار تھا۔ اس کا قد وقامت تقریباً ایک جوان عورت کے برابر تھا لیکن اس کے چہرے پر مصروفیت اور طفلانہ پن اس میں رچھٹا کر دنیا کے انقباض کا اس پر زور بھی اثر نہ معلوم ہوتا تھا۔ وہ اس امر سے محض ناواقف تھی کہ اب وہ گوارہ طفلی سے نکل کر دنیائے شباب میں قدم رکھ چکی ہے۔

کانتی تھوڑی دیر کے لئے بندوق صاف کرنا بھول گیا۔ وہ سحر ہو گیا۔ اس کو بالکل توقع نہ تھی کہ ایسے مقام پر وہ ایک نایاب ترین پکیر دیکھ سکے گا۔ تاہم اس کا حسن کسی شاہی قصر میں ہونے کے بجائے یہاں زیادہ دلکش نظر آ رہا تھا۔ ایک چلی کسی نہر کے گلخان میں ہونے کی بجائے کسی شاخ میں لگی ہوئی زیادہ مہینہ اور دلربا معلوم ہوتی ہے۔

جب اس نے اس دیشیزہ کو گھور کر دیکھا تو وہ ڈر گئی۔ اور جلدی سے لپٹوں کو لے کر ایک خزانہ فرخہ چھپاتی ہوئی وہاں سے بھاگی اور ایک ہی لمحہ میں دریا کے کنارے سے بھاگ کر بانس کے درختوں کے خنڈ میں رو پڑی۔ پکیر اٹھاتے ہوئے کانتی نے دیکھا کہ اس کا ایک دست لپٹوں کی طرف ایک ظالی بندوق سے نشانہ باندھ رہا ہے۔ وہ دوڑ کر اس کے پاس پہنچا۔ اس سے بندوق چھین لی اور اس کے گال پر ایک طلاخیز پکیر کیا۔ پکیر خریف اپنا مذاق بھول گیا کانتی پھر بندوق صاف کرنے لگا۔

لیکن شوقیہ تجر کا کانتی پر غالب آیا اور وہ اٹھ کر بانس کے خنڈ کی طرف چلا ہوا وہ دیشیزہ پھر غائب ہو چکی تھی۔ پکیر لپٹوں میں سے گزر کر وہ ایک مکان کے سامنے پہنچ گیا۔ سامنے ایک مخروطی چھپر ڈا ہوا تھا اس سے متصل گھانے کا خان تھا جس کے سر پر ایک چھتری تھی۔ اس چھتری کے

تصویر کاغذ



نیچے وہ لڑکی بھیجی ہوئی تھی جس کو اُس نے صبح کے وقت دیکھا تھا وہ اس وقت اپنا خمی لمبھ کو لئے ہوئے دروہی ہمتی اور اُس کی زرد چونچ میں اپنی ساڑھی کے پیچھے ہوئے پلو سے پانی کے قطرے پہنچانے کی کوشش کر رہی تھی۔ ایک بھوری پٹی جس کی اگلی ٹانگیں اس کے گھٹنے پر رکھی ہوئی تھیں بہت غصہ باندھنا سے پرندے کی طرف دیکھ رہی تھی۔

کانتی کے دل بڑا غم پر گھر ملو زندگی کے اس ماحول نے بہت گھراڑا کیا۔ تپوں میں سے گزر کر آنے والی روشنی کی شاخیں لڑکی کی گودی میں کھیل رہی تھیں۔ قریب ہی ایک گڑبگڑا کتہا تھا۔ اور سرد اور دم سے مکھیل کو اٹھا رہی تھی، ہاتھ کے جھنڈ میں شمالی ہونٹیں تیزی سے چل رہی تھیں۔ اور وہ لڑکی جو صبح کو دریا کے کنارے چل کر تھرا دی سلیم ہو رہی تھی اس وقت وہ گھر کی ایک نر درخاؤن کی قابل رحم حالت میں نظر آ رہی تھی۔

کانتی کا ہنڈن کسے نہ کہہ کر اس کی تلاش میں گناہ اپنے اندر غلبہ کا احساس کرتا تھا وہ ایسا کرنے لگا کہ جیسے ایک بچہ کی چوکی چھو کر گزرتا کر گیا ہو اس کی وجہ یہ کہنے کی خواہش کرنے لگا کہ جس شخص نے اس کے لمبھ کے پچ کو زخمی کیا تھا وہ اور کوئی یا ایسی اور شئی مثلاً بچہ نہیں تھا کہ اس کے کانوں سے یہ آواز نکلوانی سونھا لڑکی کھڑی ہوئی۔... سوٹھا! پھر گھر میں آوازیں اس نے پچ لمبھ کے کھل گواٹھا اور اندر دوڑ گئی۔ ”سوٹھا“ کانتی نے سوچا کہ اس قدر زور دیا اور پلایا نام کانتی کشتی میں داپس آگیا۔ بندہ ق اپنے لازم کو دے دی اور گھر کے سامنے کے دروازے کی طرف گیا۔ وہاں پہنچ کر اس نے ایک جھیر طعر کے برہنہ کو دیکھا جس کی وارہی اور پچس منڈی تھیں اور جس کے چہرے نے طہینان کا اظہار ہو رہا تھا۔ وہ سامنے ایک تھر کے چوڑے پر بٹھا ہوا کوئی مقدس کتاب پڑھ رہا تھا کانتی نے اس کے چہرے میں اُسی رحمہ کی کیفیت پائی جو لڑکی کے چہرے میں بھی موجود تھی۔

کانتی نے اس کو سلام کرتے ہوئے کہا ”تم راج کیا مجھے پانی مل سکتا ہے؟ میں پیسا ہوں!“

بوڑھے آدمی نے انتہائی لطافت و اطمینان سے اس کا استقبال کیا اس کو چوڑے پر بیٹھنے کے لئے کہہ کر اندر گیا اور کچھ کھانے کے لئے پانی لے کر آتی کانتی کے کھانے اور پینے کے بعد برہنہ نے اس کو سواستہ کا کہہ کر اپنا تعارف کر کے کانتی نے اپنا اور اپنے والد کا نام اور اپنے گھر کا پتہ بتایا اور پھر رستہ کہا جناب کیا میں آپ کی کوئی خدمت کر سکتا ہوں؟ اگر میں اس قابل سمجھا جاؤں تو خود کو بہت خوش نصیب تصور کروں گا۔“

بوڑھے نے کہا ”مجھے کسی خدمت کی ضرورت نہیں ہے۔ مجھے صرف ایک ٹکڑا ٹیگر ہے۔“

”تم راج وہ کیا ہے؟“

”وہ میری لڑکی سوچا ہے جو اب سامانی ہو رہی ہے۔“ کانتی مسکرا دیا جب اُس نے اس کے طفلانہ چہرے کا تصور کیا، ”اوجس کے لئے میں اب تک کوئی حوزہ نہیں تلاش کر سکا اگر میں اس کی شادی کو غیر مرغوبی یا پینچل کو پہنچا سکوں تو اس دنیا میں اپنے تمام اڑھن سے بیکدوش ہو جاؤں گا لیکن یہاں کوئی حوزہ نہیں ہے اور میں اس مقام کو چھوڑ کر گیس اور تلاش کر کے نہیں جاسکتا۔“

”اگر آپ میرے ساتھ میری کشتی میں چلیں۔ تم راج تو پھر ہم آپ کی لڑکی کی شادی کے تعلق گفتگو کریں یہ کہہ کر اس نے سلام کیا اور چلا گیا اس کے بعد اس نے آہیوں کو پچھ کر گاؤں میں دریافت کر لیا تو اس کو برہنہ کی لڑکی کی تحریف اور جن کے سوا اور کوئی جواب نہ ملا۔

جب دوسرے دن بوڑھا برہنہ کانتی سے ملنے کشتی میں گیا تو کانتی نے جھک کر سلام کیا اور اس لڑکی سے خود شادی کرنے کی درخواست کی۔ برہنہ اس خوش قسمتی سے کہ کوئی کانتی نہ صرف ایک لڑکی بلکہ جاندار اور دولت کا بھی مالک تھا۔ اس قدر خوش ہوا کہ اس کے منہ سے ایک لفظ بھی

نہ نکل سکا۔ اس نے سوچا کہ شاید کوئی غلطی ہوگئی ہے چنانچہ اس نے مکر سوال کیا: ”کیا آپ میری لڑکی سے شادی کرنا چاہتے ہیں؟“

کانٹی نے جواب دیا: ”ہاں لگتا ہے مجھ سے اس کا بیاہ کرنا پسند کریں۔“

اس نے مکر سوال کیا: ”آپ کا مطلب سو دھارے ہے؟“

کانٹی نے اثبات میں جواب دیا۔

لیکن بہتر یہ ہے کہ پہلے آپ اس کو دیکھ لیں اور اس سے گفتگو بھی کر لیں۔“

کانٹی نے بہانہ کرتے ہوئے کہہ دیا: ”میں دیکھا نہیں دیکھا۔“ ابھی اس کی کیا ضرورت ہے ہم غلوں کے وقت دیکھ لیں گے۔“

مذہباتِ مسرت سے بزرگ جو ہمیں بوڑھے بہن نے کہا: ”میری سو دھارے ایک نیک و سلیقہ شعار لڑکی ہے چونکہ اس کو آپ خود منتخب کر رہے ہیں

اس لڑکی پر اتنا سے دھارے کہ وہ ہمیشہ آپ کو شاد رکھے“

خزدار کی عالمِ شان عمارتِ شادی کے لیے تیار ہو گئی۔ کانٹی کے کہنے کے مطابق شادی آئندہ ماگھ کے مہینے میں ہونے والی تھی وقتِ تقریر پر

نوشہ اٹھتی پر بارات کے ساتھ آیا۔ بلجا وغیرہ اور روشنی کے قہقہے بھی ساتھ تھے۔ نوشہ کے پیچھے پر ہمیں شروع ہو گئیں۔

جب نکلنا اور وطن کو ایک جگہ ٹھہر کر ”غلوں“ کی رسم ادا کرنے کے لیے ”سرخ چادر“ اڑھا دی گئی تو کانٹی نے اپنی عروس کو باجلوہ دیکھا۔ اس کا منہ میلا

جھمکا ہوا چہرہ جس پر شادی کا تاج رکھا ہوا تھا اور ہونڈل کے نیچے گہرے ہونڈے کی جھمکڑہ پہچان نہ سکا کہ آیا یہ وہی دیہاتی لڑکی ہے جو اس کے تخیل میں بسی ہوئی

تھی اور اس کے قصص و سرگت میں پہچان نہ ہو سکتی تھی۔ وہ فوراً جذباتِ سو اس کی آنکھوں پر تار بکلی کا پردہ چڑ گیا۔

”رسم غلوہ“ کے ختم ہونے کے بعد عورتیں متحدہ عروسی صبح ہوئیں۔ گاؤں کی ایک بوڑھی عورت نے اس پر زور دیا کہ کانٹی خود اپنی بیوی کے چہرے پر سے

نقابِ عروسی ہٹائے چنانچہ اس نے نقابِ لٹھائی اور حیرت زدہ ہو کر کچھ ہیٹ گیا۔ یہ وہ لڑکی تھی۔

ایک غلط بابے پامال اس کے غلوں میں نمودار ہوا اور اس کی لہریں اس کے داغ سے جا کر بکھر گئیں۔ اس نے اس نے لگا کر لپٹ کی روشنی و صندلی

گئی ہے اور تار بکلی اس کی دھن کے چہرے کو بگاڑنے لگے ہیں۔

پہلے تو وہ ہی دل میں اپنے خسر پر برہم ہوئے لگا کہ اس نے ایک لڑکی دکھا کر دوسری شادی کر دی لیکن جب اس نے ٹھنڈے دل سے خود کیا

تو اس کو خیال آیا کہ بوڑھے بہن نے کوئی لڑکی نہ دکھائی تھی اور یہ میرا ہی قصور ہے اس نے اب یہی سنا تب سمجھا کہ اپنی اس بیوہ کو دینا پہلا بہن ہونے پر

اور پھر اپنی جگہ پر ظاہر اطمینان کے ساتھ بیٹھ گیا۔

وہ ہمال کے شہر وغل اور لوگوں کے انہما پر مت کو بھراشت ذکر کرتا تھا وہ خود سے بھی سخت ناراض تھا اور شخصِ سید پریم بھیاکس نے اس کو

جس کے پاس سٹیجی ہوئی تھی ایک نہ دناک ملکی سی چیز غارت ہوتے سنا ہوا یہ کہ ایک ترگوٹن کا بچہ کرے میں روڑتا ہوا اس کے پاؤں کو چھو کر گر گیا تھا۔

اس کے پیچھے چھوہ لڑکی بھی روڑتی ہوئی آئی جس کو اس نے پہلے دیکھا تھا اس نے ترگوٹن کے بچے کو پکڑ لیا اور اسے پیالہ درم کے انداز پر ہتھکڑیا

”لوہہ“ پاگل لڑکی، ”عورتوں نے ایک ساتھ اس کو دیکھ کر غصہ کیا اور اس کو اشارہ کیا کہ کرے سی جلی لگائیں اس نے سنا تاؤں کی چوڑکی اڑا کر

شادی شدہ جڑے کے سامنے بیٹھ گئی اور ایک ٹھکانہ زادے اس کو دیکھنے لگی جب اس کا بازو پکڑنے کے لیے آئی تو اس نے ہلکا سا ہنسی

اُس نے لڑکی سے پوچھا: تمہارا کیا نام ہے؟

لڑکی نے ادھر ادھر حرکت کی اور کوئی جواب نہ دیا۔ کمرے کی خواتین آپس میں گوشیاں کرنے لگیں۔ کانتی نے دوسرا سوال کیا: ”کیا تمہارے بطن کے نیچے بڑے ہو گئے ہیں؟“

لڑکی نے پسے کی طرح بے معنی انداز سے اس کو گھور کر دیکھا۔

متعجب و متحیر کانتی نے پھر موت کی اور زنجی بطن کے نیچے کے متعلق نرمی سے دریافت کیا لیکن کوئی جواب ملا۔ کمرے کے بڑھتے ہوئے تھقوں نے ایک پر لطف مذاق پیدا کر دیا تھا۔

آخر کار کانتی اس نتیجے پر پہنچا کہ ہسائے کے تمام پرندوں اور جانوروں کی رفیقہ ایک گونگی اور برہی لڑکی ہو۔ یہ اتفاق تھا کہ وہ ایک موقع پر دھوا پکارنے پر کھڑی ہو گئی تھی۔

کانتی کسل پر ایک درچوٹ لگی۔ اس کی آنکھوں پر سی ایک سیاہ پڑا اٹھ گیا۔ انتہائی اطمینان کی سانس لیتے ہوئے جیسے وہ ایک بہت بڑی مصیبت سے بچ گیا ہو، اس نے اپنی دھن کے چہرے پر نظر ڈالی۔ اب یقیناً یہ سچا جیوہ تھا۔ اس کے دل کی روشنی اور چراغوں کی شعلیں ولس کے حیا آمیز اور مبصوم اور مصلحت چہرے پر بڑھ رہی تھیں۔ کانتی نے اُس کے حُسن کی حقیقی تخیلوں میں دیکھا کہ بڑے بہن کی پُٹلوں میں عافیت غرور قبول ہوئی۔

(ٹینگو کا آزاد ترجمہ) **مختصر عابدی بی۔ ۱**

شراب اور شیطان

علی الصباح ایک غریب کسان و مال میں کھانے کے لڑکچہ باندے کھیتوں کی طرف چل پڑا کھیت میں پہنچ کر اُس نے دوٹی چادر میں لپیٹ لیا کھادی تھے رکھ دی اور بل چلانے میں مشغول ہو گیا۔ کچھ عرصہ کام کرنے کے بعد اُس کو بھوک محسوس ہوئی تو بیابوں کو بل سے جدا کر کے وہ جھاری کی طرف چل پڑا۔ اُس کی چرائی کی کوئی انتہاء نہ رہی جب اُس نے چادر اٹھا کر دیکھا کہ دوٹی غائب ہو، غریب طبعان کے لڑکے اُس نے چادر کو دوبارہ جھاڑ کر دیکھا۔ مگر دوٹی غائب تھی۔ کسان کی عقل اس سے کوئی کام کرنے سے ناواقف تھی۔

”یہ کیا معاملہ ہے؟ میں نے اس گزند و نوح میں کسی شخص کو نہیں دیکھا لیکن دوٹی چرائی ضرور گئی ہے“

یہ سب حرکت ایک خود مال شیطان کی تھی جو اُس وقت جھاری کے پیچھے بیٹھا اس بات کا منتظر تھا کہ کسان دوٹی کو اس طرح کھو کر غلط فہمی سے شیطان کو بُرا بھلا کہے۔

کسان اپنے کھانے کی گمشدگی پر زبرد و ضرورتاً اُس نے محل کو ہاتھ سے نہ جلنے دیا۔ کسان نے اپنی دل میں کہا: ”مجھ پر ہے کسی کو بُرا بھلا کیوں کہوں۔ بھوک سے تو نہ جاؤ لگا شہید جو شخص یہ روٹی لے گیا ہے مجھ سے زیادہ بھوکا ہو۔ خدا اس کا بھلا کرے۔“

کسان کو گناہ کی طرف متوجہ کرنے کی کوشش میں ناکام ہو کر خود سال شیطان بہت پیش کیا اور اُس نے اٹھ کو اپنے سال خود ہزار کے گوشوں

کہنے لگا۔ بڑے شیطان کے پاس اگر اس نے تمام واقعہ میں عین بیان کر دیا اور یہ بھی بتایا کہ کسان نے روٹی کی گمشدگی پر بجائے انہماق خشم کے نہ کیا تو اس کی تمام توجہ ہماری طرف ہوتی۔ اگر تم کسان پر غالب نہیں آ سکتے تو اس کی تمام توجہ ہماری طرف ہوتی۔ اگر تم کسان پر غالب نہیں آ سکتے تو اس کی تمام توجہ ہماری طرف ہوتی۔ اگر تم کسان پر غالب نہیں آ سکتے تو اس کی تمام توجہ ہماری طرف ہوتی۔

بڑھا شیطان یہ سنکر بہت بخجیدہ ہوا اور بولا "اگر تم کسان پر غالب نہیں آ سکتے تو اس کی تمام توجہ ہماری طرف ہوتی۔ اگر تم کسان پر غالب نہیں آ سکتے تو اس کی تمام توجہ ہماری طرف ہوتی۔ اگر تم کسان پر غالب نہیں آ سکتے تو اس کی تمام توجہ ہماری طرف ہوتی۔ اگر تم کسان پر غالب نہیں آ سکتے تو اس کی تمام توجہ ہماری طرف ہوتی۔"

خود مال شیطان یہ سنکر بہت خوفزدہ ہوا اور اپنے فرض کی انجام دہی کے لئے زمین پر اتار آیا کسان پر غالب آنے کے لئے بہت عرصے تک تدبیریں سوچتا رہا مگر کوئی قابل اطمینان نتیجہ برآمد نہ ہوا۔ آخر بہت غور و فکر کے بعد اسے ایک تجویز سوجھی۔

اس تجویز کو عملی جامہ پہنانے کے لئے اس نے ایک مزدور کا بہرہ دہ بھر کر اس کسان کے ہاں ملازمت اختیار کر لی۔ پہلے سال اس نے کسان کو رائے دی کہ وہ دلدل میں بیج بونے لگاں۔ کسان نے خود مال شیطان کے لئے عمل کرتے ہوئے دلدل میں بیج بونے خدا کا کرنا لیا ہوا کہ اس سال اس شدت کی گرمی پڑی کہ تمام کسانوں کی فصلیں جل کر رکھ گئی ہیں مگر گیلی زمین ہونے کے باعث اس کسان کی فصل خوب بار آور ہوئی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سال کا خرچ نکال کر بھی کسان کے پاس بہت سا غلہ بچا۔

دوسرے سال خود مال شیطان کی رائے پر عمل کر توئے کسان نے پہاڑی پر بیج بونے اس سال معمول سے بہت زیادہ مینہ برسا جس کا نتیجہ ہوا کہ اور کسانوں کی فصلیں تو بارش سے تباہ ہو گئیں مگر اس کسان کی فصل پر جو سطح زمین سے بہت اونچی اور ڈھلوان تھی بارش کا کوئی اثر نہ ہوا اور اس نے پہلے سال سے بھی زیادہ غلہ پیدا کیا۔ اب کسان کے پاس اس قدر غلہ ہو گیا کہ اس کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ اس کے سطح استعمال میں لائے۔ خود مال شیطان نے جو ای موقع کی تلاش میں تھا کسان کو ایک طریقہ تجویز کیا جس سے وہ باقی ماندہ غلے کو کام میں لا سکتا تھا۔ وہ طریقہ شراب کشید کرنے کا تھا۔

کسان نے خود مال شیطان کے حسب ہدایت اپنے باقی ماندہ اناج سے شراب کشید کی اور اپنے پینے کے علاوہ اپنے دوستوں کو بھی اس کا طریقہ استعمال بتایا۔ اناج کام کر کے خود مال شیطان اپنے شراب کے پاس دوڑا گیا اور یہ خبر کہ نہانی کہ میں اپنے مقصد میں کامیاب ہو گیا ہوں، بڑھا شیطان یہ سن کر خوش تو بہت ہوا مگر وہ چاہتا تھا کہ اپنی آنکھوں سے اس بات کی تصدیق کرے۔ چنانچہ وہ دونوں کسان کے گھر آئے اور دیکھا کہ کسان نے اپنی دوستوں کو مدعو کر کے جام پر جام چل رہا ہے، اور ساقی کے لئے اس کی بیوی انجام دے رہی ہے۔

ایک جہان کو شراب کا پیالہ بکراتے وقت تہمتی سے وہ مزے لے کر اسی جس پر پیالہ سے شراب چھل پڑی یہ دیکھ کر کسان اگ بھوکا ہو گیا اور غضبناک لہجہ میں چلایا "اوندھی کھوپڑی! تم نے اس کو موری کا پانی سمجھ رکھا ہے کیا؟ جو اس طرح زمین پر گر لاتی پھرتی ہو۔ ناچار"

خود مال شیطان اپنی کامیابی پر خوش ہوا اور ناتقانہ انداز میں بولا "دیکھا ستا دیر تم نے جس نے توجہ سے کچھ عرصہ قبل اپنی روٹی کی گمشدگی پر انہماق فرست گئی کہنے کے بجائے بھوکا نہ مانتا قبول کیا تھا" کسان نے بڑبڑاتے ہوئے اپنی بیوی سے مرچی لے لی اور شراب خوبانی شرمی کی۔ اسی آئنا میں ایک غریب مزدور دن بھر کی محنت سے چوراں خیال سے کہ شاید مجھے بھی ایک نظر نصیب ہو جائے اندر داخل ہوا۔ وہ بچا ناخاندان

سماں کی طرح ایک کوئی نہیں بہت عرصے تک پانی بھرے منہ سے بیٹھا، مگر کسی شخص نے بھی اسے نہ چھوڑا۔ تھوڑی دیر کے بعد کسان نے بجائے کچھ دینے کے صرف اس قدر کہا "کوئی کارخانہ تھوڑا کھول رکھا دیں لے کر ہر ایک کو شراب باٹھا پھروں" یہ دیکھ کر بوڑھا شیطان بہت خوش ہوا مگر اس کے شاگرد نے کہا "ابھی آپ نے کیا دیکھا ہے۔ تھوڑا عرصہ اور ڈھریے اور دیکھئے کیا گل کھلا چکا ہے؟"

کسان اور اس کے سماں غریب جی کھول کر بی رہے تھے۔ اب سرور جو آیا تو گئے وہی تباہی بگئے۔ کسانوں کو ہر طرح گفتگو کرنے دیکھ کر شیطان اور بھی خوش ہوا اور کہنے لگا "اگر شراب ایسے تندرست پیدا کر سکتی ہے تو وہ دن قریب کا جب یہ سب لوگ پہلے مطلع ہو جائیں گے۔"

خود سماں شیطان نے ناقہ نہ انداز میں کہا "ٹھہریے استاد! ایک ایک پیالہ تو اور پی لینے دیجئے پھر دیکھئے کیا گل کھلتا ہے۔ اب تو محض یہ سہوہ گوئی پر گفتگو کر رہے ہیں۔ ایک اور پیالہ کے بعد جیگلیوں کی طرح آپس میں لڑیں گے۔"

ایک اور دور کے بعد ان کی یادہ کوئی گالی گلوں میں تبدیل ہو گئی اور گالی گلوں لڑائی میں۔ اب اسی کرے میں لڑائی بھگڑے کی وجہ سے کان ٹری آواز سنائی نہ دیتی تھی سیزبان نے بھی اس لڑائی میں حصہ لیا اور خوب پٹا۔

یہ دیکھ کر رنار لے اپنی شاگرد کو پھینکی دیتے ہوئے کہا "خوب ہے!!"

شاگرد نے پھر خیر نہیں کہا۔ ہر سب قابل دیدہ ابھی باقی ہے۔ تھوڑی سی اور پی لینے دیجئے نہیں اور پھر دیکھئے تماشا"

آخری دور کے اختتام پر ان کی حالت وحشیوں سے بھی بدتر ہو گئی اور ان میں سے ہر ایک لشہر میں مت اپنی اپنی ہانکے لگا۔

تھوڑی دیر کے بعد طبل برخواست ہوئی اور انہوں نے لافغان و خیزاں اپنے اپنے گھر کا رخ کیا۔ سیزبان ان کو دروازے تک پہنچانے کے لئے اٹھا کہ ملیر پوند کے بل گر پڑا۔ (نور کی طرح وہیں لیٹا خنجر کر لے لگا۔

اس واقعہ کو دیکھ کر بوڑھا شیطان اور بھی خوش ہوا اور اپنے شاگرد کو کہنے لگا "خوش رہو میرے بچے! یہ شرب کی بجا خوب ہی ہاں تاؤ تو سہی اس میں کیا کیا ڈالائے؟ مجھے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تم نے یہ چیز وحشیوں اور درندوں کے خون کی تیار کی ہے۔ چھی تو وہ پہلے وحشیوں کی طرح گفتگو کرتے تھے اور بعد ازاں لڑنے مرنے پر اتر آئے۔"

"نہیں استاد! اس میں درندوں وغیرہ کا خون نہیں میرے لڑکے سب ضروری چیزیں پیتی کسان کے پاس ضرورت سے زیادہ نالاج ہو۔ وحشیوں اور درندوں کا خون تو انسان میں پہلے ہی سے موجود ہے۔ مگر جب اس کے پاس ضرورت سے زیادہ چیز ہو تو وہ خون اسی ہمدردی کا ہر کردیتا ہے۔ اب دیکھئے۔ پہلے کسان کے پاس کچھ بھی نہ تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اس نے اپنی روٹی کی گندگی پر اٹھا خیرتم کر لیا۔ مگر جب اس کے پاس ضرورت سے زیادہ نالاج ہوا تو اس نے چاہا کہ اس کے پیو سے عیش کرے۔ چنانچہ عیش کا طریقہ میں بتایا۔

اور چھپاؤں نے اپنے عیش کی خاطر خدا کی بہترین نعمت کو بگاڑ کر شراب بنالی تو درندوں اور وحشیوں کا خون جو اس میں پھلتے ہوئے تھا اپنی اصلیت دکھانے لگا۔ اب یہ شراب تیار ہوا تو ہمیشہ اسی حالت میں رہے گا۔"

بوڑھا شیطان یہ سن کر بہت شامہاں ہوا اور اپنے شاگرد کی پہلی خطا کو معاف کر کے اُسے ایک اعلیٰ عہدہ پر ممتاز کر دیا۔

سعادت حسن

(ٹالسٹائی)

رباعیت

وہ مگر ہے علی مکافات ہر زلیلت
وہ منکر ہے جسٹل محالات ہر زلیلت
مکن ہے نظر آئے یہاں نہ مکن
وہ آئینہ ہے عین طلسمات ہر زلیلت

وہ شے ہے کہ جو بدی مقدم ہر زلیلت
وہ شے ہے کہ بھول ہے معلوم ہر زلیلت
خود دانہ ہے لیکن ہے کسی راز کا حل
دنیا ہے جو اہل از تو معلوم ہر زلیلت

آیا تو بھین پھر کہستی کیلئے؟
کیسی ہے یہ آگنی پستی کیلئے؟
کس کا مجموعہ اصداد ہے یہ؟
اٹھارہ کیوں یہ خود پستی کیلئے؟

مفقود ہے دنیا کا اجدائی؟ سب جھوٹا
حق حق آریاں؟ حق کئی مانی سب جھوٹا
چ بات کہوں سلفیو! بمر خدا
معلوم ہوا راز حیرانی؟ سب جھوٹا

ب

تیر و نشتر

ذوقِ نیرنگِ تماشا سے جو بیگانہ بنے تیرا دل حُسنِ یگانہ کا جہلو خانہ بنے
جذبِ کاملِ نظر پر میرِ مغاں نے بختِ نا
آتشِ عشق سے دل ہو جو تجسلی گرِ دوست
جویشِ وحشت نہ ہو ٹھنڈا ترے دیوانے کا
اللہ اللہ کتابِ ایک ہو۔ استاد بھی ایک
نظرِ لاظرف جو سننا ہے مراقبہٴ شوق
راتِ دن کو ترِ رحمت کی ہو بارشِ اسبق
غرقِ دریا ہوں الہی۔ کہ ہوں پُروردہ موج
وہ مجھے ڈھونڈ رہے ہیں کوئی اُن سے کہہ دے
ساعتِ عصا کو نین جو ویرانہ بنے
ہم سبق پھرتے دیوانہ و فرمانہ بنے
یہ وہ افسانہ ہے جو سُن لے وہ دیوانہ بنے
خاک جس رند کی خاکِ درِ مے خانہ بنے
میرا دفن بھی سُرِ امنِ صحرا نہ بنے
ساہا سال اُسے ہو گئے افسانہ بنے

شورِ بختی کا ٹھکانا ہے کوئی اے نشتر

کہ میں جس شہر میں پہنچوں۔ وہی ویرانہ بنے

نشترِ جالندھری

ترک وفا کی قسمیں

دل لاکھ ابھائے منہ رجاں نہ کریں گے
سودا ترا اے زلف پریشاں نہ کریں گے
سینہ ہدفِ ناوکِ مڑگاں نہ کریں گے
دنیا کے لئے دین کا نقصاں نہ کریں گے
القصدہ خوشامد کسی عنوان نہ کریں گے
عسلے سے مگر خوش درماں نہ کریں گے
فردا سے کبھی وصل کا ساماں نہ کریں گے
منت کش سنگِ درِ جاناں نہ کریں گے
اب شام و سحر گریہ پنہاں نہ کریں گے
پھر ذکر و قافا اے شہِ خوباں نہ کریں گے
ہم اب کے برس چاکِ گریباں نہ کریں گے

تو بہ بوس اب چاہ کا ارماں نہ کریں گے
کہتے ہیں قسم کھا کے پریشانی دل کی
رکھ دیں گے کلاخبرِ قاتل پہ خوشی سے
یوسف بھی ہو وہ بُت تو خریدار نہ ہوں گے
وہ حُسن پہ مغرور تو ہم عشق پہ نازاں
اس کشمکش ضبط میں گو جان ہی جائے
بھولی نہ اگر وعدہ امروز کی خفت
سر پھڑیں گے پھر سے گر نوحِ جبیں کو
ہنس بول کے بہلائیں گے دل آج ہی ہم بھی
غیروں سے بھی ہے اہ تو ہم ربط سے گزرے
اے وحشتِ دل موسمِ گل آئے کہ جائے

قطعہ

بات اُس کے بھی تاحدا مکالم نہ کریں گے
پھر کہ نہ سکے یہ تو مری جاں نہ کریں گے
ہم اب سے کسی درد کا درماں نہ کریں گے

ہم نے تو یہ بٹھانی تھی کہ بس آج کے دن سے
لیکن وہی ملنے کو بڑھا آپ سے جس وقت
آزدوگئی دل نہیں اے صدق گوارا

صدق جاسی

غزل

کب تک مجھے یوں خوگر آزار کرو گے کب تک مری الفت سے تم انکار کرو گے
 کب تک رُخ پر نور سے محروم رکھو گے کب تک نہ عطا لذتِ دیدار کرو گے
 کب تک مجھے تم ہجر میں مغموم رکھو گے کب تک نہ مئے وصل سے شرار کرو گے
 کب تک نہ اماں دو گے زمانے کی جفا سے کب تک سپرِ طعنہ اغیار کرو گے
 اک روز اٹھاؤ گے حجابات کو آخر اک روز وفا کا مری اقرار کرو گے
 اک دُور مجھے دو گے رہائیِ شبِ غم سے سوئی ہوئی قسمت مری بیدار کرو گے
 داماںِ نظرِ حُسن کے پھولوں کے بھر دو گے اُجڑے ہوئے گلشن کو چمن زار کرو گے

پامال جواب بھی نہ کرو گے تو قسم ہے،

میرے لئے اس سر کو گراں بنا کر دو گے

غزل

نغمے کی تنہا ہے نہ الحاح سے غرض ہے گریہ تو نوا مانے پریشاں سے غرض ہے
 اے بے خودی شوق مری خاک ادا رک اب جان سے طلب نہیں جاں سے غرض ہے
 یہ کس نے سرِ نرم لیا نام تمہارا اب مجھ کو گریباں سے نہ داماں سے غرض ہے
 ناصح یہ ہے ایماں ترا وہ ہر ایماں تیری ہی طرح مجھ کو بھی ایماں سے غرض ہے
 وہ سامنے بیٹھا ہے اب و جذب تصور نطائے کو کیا جنبش مرگاں سے غرض ہے
 غربت میں نہ بیمار ترا جان سے گزرا رحمت کو بھی کچھ شام غریباں سے غرض ہے

قطعہ

ہر صبح تجھے دیکھ کے کتنا تھا کہرتک نطائے کو اس کے رُخ تاباں سے غرض ہے
 جینے کی تمنا اے فرداں سے غرض ہے مرنے کی تمنا نہیں مجھ رنجست جاں کو
 دیدار سے محروم ہوا اب تشبہ روز خونِ جگر و دیدہ حیراں سے غرض ہے
 جینے سے وہ نفرت ہو کہ ہر دم ہی یہی فکر جانے تین رنجور کو کیا جاں سے غرض ہے

وہ آپ سمجھ لیں گے یہ خطا کس نے لکھا کچھ نام کی حاجت سے رعنواں سے غرض ہے
 کیا شوق کو شیرازہ دیواں سے غرض ہے اور اہل پریشاں میں کیوں نہ صبا ہوں
 حامد تینکس سیل جنوں میں ہو اگر شک لوجان کی بازی ہو تو کیا جاں سے غرض ہے

حامد علی خاں

مخمل ادب

انکشاف

(سائیٹ)

شب تاریک کی خاموشیوں میں کون آتا ہے ؟
مرے خوابِ بخت کی جواں تعبیر ہے شاید !
ہمارے شعر کی اک گلشنِ انصاف ہے شاید !

یہ کیوں دل کو مرے ذوقِ پرستش گدگاتا ہے ؟
مجھے یہ کون گہرے خواب سے اُکر جگاتا ہے ؟

سراپا ایک سورجِ نکلت و تنویر ہے شاید !
دُہی ہے یعنی میری حُرمِ بری ہے شاید !

نیکس کا جلوہ جاں بخش ہے جو مسکراتا ہے ؟

فردِ حسن کی نئے سے نگاہِ ہوش ہے میری
نشاطِ سبکراں سے روحِ ہم آغوش ہے میری
ہماںِ قدس کے جلوے اتر آئے ہیں دنیا میں !

محبت کے افق پر ہودی ہے روشنی پیدا
مرے جذبات میں ہونے کو ہے بالیدگی پیدا

جوانی آرہی ہے میری افسرہ تما میں !

”لالہ مصححہ“

راشد وحیدی

شہر حیدر آباد کا آغاز

ڈاکٹر سید علی الدین قادری ایم اے (عثمانیہ) پی ایچ ڈی (لندن)
شہر حیدر آباد کی آبادی ابتدا میں ایک چھوٹے سے قریہ تھیں مگر جس کا نام عظیم تھا یہی وہ خوش قسمت موضع تھا جہاں تاریخ کو کون کی وہ
مشہور و معروف اور چھٹی ہستی قناعت گزین علی جس کے عشق و محبت کے سلسلے میں اس کے چاہنے والے نے اس عظیم الشان شہر کو آباد کیا تھا۔
دنیا میں شاید ہی کوئی شہر جو جس کی بنیاد ایسی گہری روحانیت سے معمور ہو جس کی آغاز ہی انصاف ہی زیادہ انسانی ہو !

ایک جلیل القدر سلطان زادہ اور ایسی عظمت سلطنت کا ولی عہد جو اپنی بے انتہا دولت و بزرگویریوں کی وجہ سے نہ صرف تمام ہندوستان بلکہ اقصائے عالم میں مشہور و اکابر ایسی خوش قسمت طور پر نریز تھے جہاں سے اس کے نام سے خوش بختی ملتی ہے، اور جس کی خیر عافیت مسلم کر کے لی فکر میں رہیں چلا عاشق بے چین ہو کر روتے ہوئے ”کی قیامت خیز طغیان میں اپنا گھوڑا ڈال دیتا ہے!“

اس خطرناک جرات اس دالمانہ انماک اور اس اٹل جہاوت پر بادشاہ دارا بہیم قطب شاہ کو تسلیش ہوتی ہے وہ اس سے پہلے اپنی اور اپنے مشیروں کی ساری تدبیریں ختم کر چکا تھا کہ کسی طرح یہ ترکمان خنزروہ ایک تلنگن کے عشق سے باز آئے مگر تمام کوششیں نقشِ آب ثابت ہوئیں۔ اس کا دل بہلانے، اس کو مائل کرنے اور اس کی جیتی ”بھاگتی“ کا خیال دور کرنے کے لئے نہ صرف تلنگانہ بلکہ کرناٹک اور مہجرات سے بھی جہیں جسے لڑکیاں اس محل میں جمع ہوئیں اور انہیں حکم دیا گیا تھا کہ نوجوان شاہزائے کے سامنے اپنے حسن ادا نماز ادا بناؤ سنگھار اور خوشی و طرائف کی ساری توفیق ہتھمال کر دیں اور اس طرح بھاگتی کے تصور کو اس کے دل سے دور کریں۔ ان خبر دیو لوں کی تعریف خود شہزادہ کے سوانح نگار کی زبان سے سنئے۔ ممکن ہے اہل ذوق آج سے ساٹھ سے تین سو برس پہلے کے حیدر آباد کی کوٹوالی نضائیں پہنچ جائیں۔

جو سہیلیاں وہ بھاگائیں گے اور کوہِ دوانہ کریں چاند ہو، سور کو (اگر وہ لڑکیاں اپنے چہرے کے نور کو چمکائیں۔ چاند اور سورج دیوانے ہو جائیں)

اگر دیکھتا جاوحت اشن نور کا پد خروشتہ نہ کرتا صفت جور کا، (اگر خروشتہ ان کے نور کی جگہ کچھ پائے تو جور کی تعریف نہ کہے) جو آدیں ہیں میں سکیاں سراج سون پھولاں غنچے ہو جائیں پھر لاج سون (اگر وہ لڑکیاں جہں میں بنا دینگار کہہ کے نکلیں تو پھول شرم کے کار غنچے بن جائیں)

یہاں عجب شاہ عالی کئے نہ کہ حوال کو لا بہشت خالی کئے (شاہ عالی نے عجب عجب سماں کو حمد دل کو بولا یا جس کی وجہ سے بہشت خالی ہوئی) ان حمدوں میں سے جو کوئی مولیٰ حمد کے دل سے بھاگتی (کاغذ دل دور کر کے اس کی شقاق میں اس کا پایہ برائے قطب شاہ کا حکم تھا کہ وہ قطب شاہ کو جسے کوئی بھیلے گی، نہ بڑا مرتبہ سببیں وہ پائے گی، (جو شہید کرے گی)

بڑی نارود ہو جو جھلے اُسے نہ کیسے بہت ہیں جو جھلے اُسے (وہ) (کون ایسی خوش قسمت ہو جس کو اپنا قید کرے) ان تمام غور دیوں نے بھاگتی سے بھاگ چھینے کی بڑی بڑی

کوششیں کیں جن کی تفصیل متذکرہ بالا اشاک کے سلسلے میں مملک الشہر نے نہایت دلچسپ طریقہ پر بیان کی ہے وہ کہتا ہے :-
کہیں کوئی کھڑی مہتی آسامنے پد کہ میں شہ پر کرتی کوئی آنے کہیں بسند بچرتی مٹی کوئی لڑکوں پد کہیں نور کوئی بھارتی سازوں کہیں کوئی کھداتی مٹی پان آ پد کہیں کوئی پڑتی مٹی پیکدان آ کہیں گرد دینے کوئی آتی مٹی پد کہیں بند بول کوئی جید لاتی مٹی کہیں کوئی پیالہ پلانے کوں آئے پد کہیں کوئی نعل بیا کشہ کوں چچے کہیں بھول سستی مٹی کوئی پنے پد کہیں کوئی بلانی مٹی مھر سنے (ڈال مٹی جہم)

کہیں کوئی دکھاتی سینہ بھول کر پد کہیں کوئی رجھاتی بھون بول کہ (باتوں میں زلیفہ زلی، کہیں کوئی دیوانی ہو پرتی مٹی پد کہیں کوئی بے سحر ہو رتی مٹی (بے ہوش، دگرنگ)

مگر شہزادہ پر اس تمام جادو کا کوئی اثر نہ ہوا اور جب آخر کار مکر مند بادشاہ نے اپنی ولی عہد سے آکر یہ ذات کیا کہ ان لوکیوں میں نہیں کون ہی پسند ہے تو شہزادہ ان سب کے جن و جہل کی تعریف کرتا ہے اور کہتا ہے :-

ضروری چیزیں

صندرجہ ذیل حضرات نے
ہماری ادویہ کو استعمال کرنے کے بعد ان کے
مفید اور لاشائی ہونے کے متعلق نہایت اعلیٰ
سرٹیفکیٹ عطا فرمائے ہیں :

(۱) عالیجناب محفلہ انقباب مخدوم زاوہ سید
محمد رضا شاہ صاحب جیلانی ممبر آف کالجیسیٹو
کونسل پنجاب اینڈ سینٹر وائس چیئرمین ڈیپارٹمنٹ بورڈ
ڈائریکٹری میڈیٹیشن ملتان، دام اسٹیشن، دام اقبالہ
(۲) عالیجناب محفلہ انقباب شیخ حاجی حجت ابی صا
بہاؤر ریشاڑ ٹرسٹ، شیخ صاحب لاہور دام اقبالہ

(۳) عالیجناب محفلہ انقباب لفٹیننٹ فقیہ سید
منشی الدین صاحب بخاری، ڈیپارٹمنٹ آف فیسلٹی
(۴) عالیجناب محفلہ انقباب حضور میاں مبارک بن صاحب
میڈیسن کمرشل لاہور دام اقبالہ

شیخ محمد سیٹھ خاں اور جیٹو
ایک دفعہ منگائیں۔ تو یقینی طور پر آپ ہمارے مستقل
کاکہ بن جاویں۔ دنیا کا کوئی عطر اس کی خوشبو کو نہیں
پہنچ سکتا۔ قیمت فی شیشی علاوہ محصول ایک عدد

چمک آمراض انسانی کی تجربہ دہیم سے طلب فرماویں

ایڈسٹری

میڈیسن بڑا دوا خانہ رجسٹرڈ عزیز روڈ مصری شاہ لاہور

خوبصورت بننے کی اور مسکایا اور اکسیر دوا

انہیں بیونی رجسٹرڈ خوبصورتی کی واحد دوا
اس کے استعمال سے چہرے کے ہر قسم کے داغ
دھبے اور چھائیاں دور ہو کر چہرے کا رنگ باف
اور سرخ ہو جاتا ہے۔ اور کین و غیرہ نہیں نکلتے
اور اگر کیل بکل پکے ہوں تو بھی کافور ہو جاتا ہے
ہیں۔ ہاتھ پاؤں اور ہونٹ پھٹنے سے ٹھونڈا ہوتا ہے
عسل سے پہلے بدن پر مل کر غسل کرنے سے تمام
بدن کی رنگت نکھر جاتی ہے۔ اور جسم ہلکا ہوتا ہے
نرم ہو جاتا ہے۔ قیمت فی شیشی علاوہ محصول ایک عدد

بالوں کو ہمیشہ سیاہ رکھنے کے اور ان کو لاگتوں

شہید ہٹل رجسٹرڈ پتیل نہایت خوشبودار
مفرح و مقوی دوا ہے۔ اور بالوں کو سیاہ
رکھنے، بڑھانے اور اگانے میں نہایت موثر ہے اور
بازاری مضار سے بچنے کے لیے تیار کر طرح نہیں ہوتا
بلکہ بہت خالص اور قیمتی اجزاء سے کیا دوا ہے۔ اسکی
کھا گیا ہے۔ مشام داغ کو مٹا کر نیا لایا ہے۔ اسکی
خوشبو اس قدر دلفریب اور معطر ہے کہ لگانے والے کو معلوم
ہوتا ہے کہ کچھ گلشن میں عین موسم بہار کے شباب میں
گشت کر رہے ہوں۔ قیمت فی شیشی علاوہ محصول ایک عدد

ایڈسٹری

کچھ کا ڈاکٹر! سچا خواص نمک

ڈاکٹروں اور کیموں کی جابانہ زبانوں اور بھاری بولوں میں کیلے نجات دلا نبولی اردو میں اپنی قسم کی پہلی کتاب نمک وہ عام بلوچر جس کے زیرِ قریب کی دال بھات سے کیکر شاہی دسترخوان نمک کی تمام نعمتیں ہے، اقلتہ اور کبھی جس نمک جو منوں کی تعداد میں دنیا کے حصہ میں آسانی و دستیاب ہو سکتا ہے اس نمک کے ذریعے سے نابینا سانی ماریوں کا کما حقہ طبی علاج کرنے کا طریق اس کتاب میں درج کیا گیا ہے۔ کچھ کچھ صفحات اور قیمت صرف مارچ پختہ فرست مضامین ملاحظہ ہو، وہ نمک داؤ کا علاج، ۱۲ نمک جیل کا انزال، ۱۳ عورتوں کے ماسور کی اہام کی جادو کی مینا نمک کے پانی، ۱۴ نمک سے ریشہ درد اور اہیا کا علاج، ۱۵ نمک سے پھلیری دور کرنے کی ترکیب، ۱۶ نمک سے کھانسی کا علاج، ۱۷ نمک سے بخار و مصلحت سے سخت اور دیر کی پیش کی شکایت رفع کرنے کا علاج، ۱۸ بغیر عمو اور کچھ کے کھڑے کھڑے کے لئے بطور تریاق، ۱۹ داغ بھجی کے لئے نمک کا استعمال، ۲۰ نمک سے دم اور چوٹ کے درد کا انزال، ۲۱ نمک سے مرض و صر کا علاج، ۲۲ نمک پرانے دھیر زہر سبب، ۲۳ زہر خوردہ کیلئے نمک کا استعمال، ۲۴ نمک سے علاج پھوڑوں کا دھیر، ۲۵ نمک سے ٹپے ہوئے زخم نزل کو سکے، ۲۶ نمک سے کھجک کا علاج، ۲۷ نمک سے دالے نئی پست کے دنیوں نمک کی سہانی، ۲۸ نمک سے مرض کچھ کا علاج، ۲۹ نمک سے گرسہ رخیوں کے کھڑے کیلئے حرکتیں، ۳۰ نمک سے کھجک کے علاوہ امراض کو دور کرنے نمک کے سبب، ۳۱ نمک سے بواسیر کا طبی علاج، ۳۲ نمک سے ناسور کا دھیر، ۳۳ نمک سے اہام زہل کے امراض، ۳۴ انزال، ۳۵ نمک سے اوکول اور درد گردہ کا علاج، ۳۶ نمک سے اہامی اور دیکر شکایت کچھ رفع ہو سکتی، ۳۷ نمک سے سرگی جیسے سنگین مرض کا انزال، ۳۸ نمک کے علاج سے نزل اور زکام کی شکایت رفع ہو سکتی، ۳۹ نمک کے علاج سے باقی میں کا علاج، ۴۰ نمک سے مرضوں اور دانتوں کے امراض میں نمک کی سہانی، ۴۱ نمک سے کھجک کی وضہ جالا، ۴۲ نمک سے اور شکایت کا علاج، ۴۳ نمک سے کان کے درد کان سے مواد پینے اور بہہ میں کا علاج، ۴۴ نمک کے علاج سے موٹے پیٹ دالے جسم آدمی اچھی حالت میں آتے ہیں، ۴۵ نمک سے سنگین اور نمک بخاروں کا طبی علاج، ۴۶ نمک سے بچوں میں کھلے ملا کا علاج، ۴۷ نمک سے مرض نوبہ، ۴۸ نمک سے اعجاز اور نمک کا علاج، ۴۹ نمک سے غرضیکہ اور دوزان میں بالکل نئی کتاب جس کا پہلا ایڈیشن شاید ہی ہفتے میں ختم ہو جائیگا۔

ایک چال آدمی ہفتہ میں انگریزی سیکھ گیا! صرف نو ذیضہ ماہ میں پھر سیکھنے انگریزی بول چال سیکھ لو۔ یہ چال دعویٰ اسے بچوں کو بولنا سکھاتی ہے، ان میں باچار سال کا بچہ انگریزی میں ذہنی بات چیت کرنے لگتا ہے، ملاک، اچھی باری زبان کا ایک حرف بھی وہ نہیں سیکھتا، اسی طرح ہماری کتاب انگریزی بول چال کے مطالعے سے سنہری انگریزی حروف ابجد کی شناخت کے بغیر دھڑک فرما انگریزی بولنے لگتا ہے، حقیقت میں کبھی زبان کو بولنا سکھانے کا قدرتی طریقہ نہیں کہ وہ بولنے کو بلا حروف ابجد کی شناخت کرنے کے لئے اس زبان میں گفتگو کرنا سکھلا جائے، پھر حروف ابجد کی پہچان کرنے مشکل اور وقتی، اظہار کو سمجھنے اور یاد کرنے قابل وہ خود بخود ہو جائے گی، اور صرف وہی طریقہ گرامر کے قواعد طوطے کی طرح رستنے کی ضرورت نہ رہے گا، اردو میں سیکھوں انگریزی سکھا بولی کتابیں چھپ چکی ہیں، لیکن ان میں سے جو کونسی ہے بھی قدرتی طریقہ تعلیم کو سمجھنے کی کوشش نہیں اس لئے سب کی سب ناکارہ اور مقبول ثابت ہوئی ہیں، نہ تو خوشی کا مقام ہے کو کتاب انگریزی بول چال کے مصنف نے اس قدر طریقہ تعلیم کی پیردی کو عرصہ تعلیم میں جرت انگریز کا سانی حاصل کی ہے، اور اس کے مطالعے سے ایسے لوگ جو ہفتے کے اندر صاف اور شستہ انگریزی میں بات چیت کرنے کے قابل ہو گئے ہیں، جو راج، اوقت، انکشاف بچوں سے برسوں میں کچھ حاصل نہ کر کے تھے۔

فیست نکل کورس کی صرف ایک ایکو پیر دیو اسو محصول ڈاک

۱۲

یونیورسل ٹریڈنگ کمپنی پوسٹ کس نمبر ایک سو پچاس لاہور

خوبصورتی سب سے بڑا جادو ہے

انسان کے حسن و زانیہ پر ہمیشگی کا ہر ثبوت ہو سکتی ہے۔ عورتیں زندگی بھر حسین گویا کوئی بہشتی خواہ سماں سے اتر آئی ہے اور مرد کتاب رموز میں یا تصویر میں وہ تمام باتیں ظاہر کر دی گئی ہیں جن پر عمل کرنے سے انسان کا جسم سدوں خوبصورت اور طاقتور بن جاتا ہے۔ آج ہی رموز حسن کی ایک کاپی مگوایے، مبادا بھیر کی قیمت پر بھی نہ مل سکے۔ کتاب کا حجم ۵۶ صفحات ۲ سو سے زائد سرخیاں اور خوب لوٹ بکاس کی کئی رنگین تصویریں ہیں۔ مہذب ممالک میں کتاب کی مقبولیت کا یہ عالم ہے کہ آج تک دو کروڑ سے زائد انگریزی جلدیں فروخت ہو چکی ہیں مختصر فہرست مضامین ملاحظہ ہو۔

۱) اکھوتی ہونی خوبصورتی کو دوبارہ حاصل کرنے کا لازماً حسن اور خوبصورتی برصاٹنے کے طریقے ۳۱، جیسے چاہیں جن میں سننے بہل کی ترکیب۔ ۲) بد صورت چہرہ کو خوبصورت بنانے کا جدید سائنٹفک طریقہ ۲۵، بد صورت عورتوں کو پوری چہرہ بنانے کی جدید کہیں میں ۶۲، حسن و خوبصورتی کا سنیا ناس کرنا پانی غذاؤں کی فہرست ۱۵، صرف خوراک کی تبدیلی سے چہرہ کی خوبصورتی برصاٹنے کا لازماً، کالی اور عموماً عورت چند دنوں میں پری چہرہ کیسے بن سکتی ہے اس کی ترکیب ۱۹، جلدی ناک اور اس کا علاج ۱۵، چہرہ کے داغ چھائیاں اور بے دھڑکنے والے طریقے ۱۵، بے چھائیاں اور چہرہ کے داغ کیسے مٹا دیے جاسکتے ہیں ۱۲، بدحووا اور اس اس کی وجوہات اور علاج ۱۳، بالوں کی خوبصورتی برصاٹنے کا لازماً جس سے چہرہ حسن و بالا ہو جاتا ہے ۱۲، نعل سخت اور خوبصورتی کی جانچ کرنے کا طریقہ جس کی بدولت ہر مرد دعوت اپنے حسن و خوبی کا صحیح اندازہ لگا سکتے ہیں ۱۵، دراز قد کرنا طرح خاص مونساتے ۱۶، موٹاپا دور کرنے کے طریقے ۱۵، اچھاتی چوڑی کرنے کے طریقے ۱۵، ہمیشہ جوان بننے کے چند راز ۱۱۹، آواز میں سیریلان پیدا کرنا کی ترکیب ۱۲، زبان کی حرکت کیسے دوکر کا سکتا ہے ۱۲، ہم لمبی عمر کے حامل کر سکتے ہیں ۱۲، ۱۳، ۱۴، ۱۵، ۱۶، ۱۷، ۱۸، ۱۹، ۲۰، ۲۱، ۲۲، ۲۳، ۲۴، ۲۵، ۲۶، ۲۷، ۲۸، ۲۹، ۳۰، ۳۱، ۳۲، ۳۳، ۳۴، ۳۵، ۳۶، ۳۷، ۳۸، ۳۹، ۴۰، ۴۱، ۴۲، ۴۳، ۴۴، ۴۵، ۴۶، ۴۷، ۴۸، ۴۹، ۵۰، ۵۱، ۵۲، ۵۳، ۵۴، ۵۵، ۵۶، ۵۷، ۵۸، ۵۹، ۶۰، ۶۱، ۶۲، ۶۳، ۶۴، ۶۵، ۶۶، ۶۷، ۶۸، ۶۹، ۷۰، ۷۱، ۷۲، ۷۳، ۷۴، ۷۵، ۷۶، ۷۷، ۷۸، ۷۹، ۸۰، ۸۱، ۸۲، ۸۳، ۸۴، ۸۵، ۸۶، ۸۷، ۸۸، ۸۹، ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۶، ۹۷، ۹۸، ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳



کو راجہ۔ بھرے بھرے رخسارے۔ سوتوں ناک۔ ابھری ہوئی پیشانی
مونی سونے اور مدھ بھری آنکھیں لیے اور پتلے ٹوٹے۔ اور ان
کے اندر موتیوں کے ایسے داستان کی دو لڑائیاں۔ یہ سب جس کے
کوارت قدرت نے جس صورت کو دیتے ہیں۔ وہی یہ بتا ہے۔ پتلی
اور انگلی کے اشارے سے سادے عالم کو ایک جی تال پر پڑی سکتی ہے
دن نگاہ قبر سے ویکہ کرتا دلا بھی کر سکتی ہے۔ لیکن اگر لاکھ پری چڑ
ڈر رنگ جو ہونے کے باوجود بھی صورت کی آنکھیں چھوٹی ہوتی اور

انہ کو دھنی ہوتی ہیں۔ تو ان جھوک قدرت نے کھو افسوں کا دروازہ اس پر بند کر دیا ہے۔ اس میں کوئی دلکشی کوئی کشش اور کوئی خوشنودی نہیں
کوئی شخص اس کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھتا بھی گوارہ نہ کرے گا۔ ہمارا آنکھ سنوار کا جل چڑھا ہوا نہ صرف آنکھ کے جلا ملائے بغیر ہر دہرے لگے
سرتیا بڑا ناخوش ہوگی۔ آنسو چہچہا جادو ہذا اور پٹیاں۔ دفرہ کو چڑھ سے اکھاڑ کر بیانی کو نلیر اور چمک کی نہ دیتے ہے تیار کر دیتا ہے۔ بلکہ اس
کے چالیں یوم متواتر سوال کرنے سے چھوٹی سے چھوٹی آنکھ سوئی چکھار خوب صورت اور رسیل بن جاتی ہے۔ پہلے پہل گلاب رنگ سے تورا کل قدرتی
معلوم ہوتا ہے۔ آنکھوں میں کچھ اس قسم کی دلکشی اور درمائی پیدا ہو جاتی ہے کہ سب اختیار دیکھ جائے۔ اور سمیت سیر نہ ہو کیونکہ آنکھوں کو کبھی گلابی رنگ
دیکھ سونی مونی کو لکھی ابھری ہوئی خوب صورت اور دلکش بنا دیتا ہے۔ ہمارے آنکھ سنوار کا جل کا خاص صفت ہے نئے نئے شے سے جن کی آنکھیں
پیدا ہونے کے وقت سے خوب چھوٹی چھوٹی اور عموماً دھشتی رہتی ہیں۔ ان کے لئے جانا آنکھ سنوار کا تیل ایک نعمت فطرتی ثابت ہوگا۔ اور چند یوم کے
استعمال سے آنکھ کی کوئی شکایت باقی نہ رہے گی۔ بلکہ آنکھیں ایسی خوب صورت معلوم ہونے لگیں گی کہ گویا ہزار تندرست بچوں کی آنکھوں کی خوبصورتی
انہیں دہ آنکھوں میں آکر جمع ہو گئی ہے۔ چمک (جس کا ۹۰ فیصدی شکار بھی معصوم حسناں ہوتی ہیں) کا حامل اکثر آنکھیں ہو کر آنکھ کو باطل بناتی
کر دیتا ہے۔ اور تب وہ پیدا ہی بیاری نظریں نفرت اور حسادت کا ایک نمونہ بن کر رہ جاتی ہیں۔ آنکھ سنوار کا جل کے وہی استعمال سے آنکھیں
برکت کی طرح ٹھنڈی اور ذرا کی طرح محفوظ رہتی ہیں۔ اور چمک یا کسی بروٹی یا دھ کی اثر آنکھ پر نہیں پڑتا۔ گویا آنکھ کا یہ ہو جاتا ہے۔ اور
نیچے برٹے ہوئے ہو کر بھی آنکھ کی کسی عیاری میں مبتلا نہیں ہوتے۔ برصیکہ آنکھ سنوار کا جل عموماً فیو جیوں ہدی کی ایک جرت انگیز ایجاد ہے
اور اس کا استعمال برعکس چہا ہے۔ قیمت باوجود ان خوبیوں کے شیشی کلاں پٹ شیشی خورد ۱۳ محمولہ لاک ایک سے تین شیشی تک صرف ۶-۷ ہے۔

آنکھوں کی گسترین باتصویر اس نام کی کتاب امریکہ کے ایک نامی گزافی ڈاکٹر نے لکھی ہے۔ جو اس جدید طریقہ علاج کا موجد ہے۔ یعنی جیسے
کئی بیانی اور دھرتی کے آنکھوں کی پیش اور آنکھوں کے کس کے طریق کے علاوہ کچھ گسترین ذوالقول کی ہیں جن کو اس پندہ صنف دوزانہ کر کے بارہ پندرہ
سال کی گزری ہوئی آنکھیں میں ٹھیک ہو جاتی ہیں۔ ماورے عینک لگانے کی قطعاً ضرورت نہیں رہتی۔ امریکہ کے ہزاروں لاکھوں آنکھ کے مریضوں
نے ان گسترین سے فائدہ اٹھا یا ہے۔ اور عینکس اتار کر عینک دہی ہیں۔ بڑھاپا یا کسی بیماری کے باعث آنکھیں جیسے کسی خراب ہو گئی ہیں
آنکھوں سے اپنی بہت پر۔ آنکھیں چندا جاتی ہوں۔ یا کسی وجہ سے آنکھوں سے کم دکھائی دینا ہو تو ان گسترین سے ایک ہفتے میں غیر معمولی فائدہ
پہنچتا ہے۔ یہ گسترین نہایت ہی آسان ہیں۔ اور ان کو اندر یا ہر جگہ برطر کا آدمی کر سکتا ہے۔ کتاب کے اردو ترجمہ کی قیمت صرف تین
روپے دیکھ۔ لیکن آنکھ سنوار کا جل کے خریدار کو مفت دی جائے گی۔

پتہ: ڈاکٹر پرتھی سنگھ اینڈ سنز ڈاکٹر پرتھی سنگھ بلڈنگز اسٹریٹ۔ لاہور

مشہور مجلہ تبارہ

لالہ اصحرا

کا شمار وہ الہی شائع ہوگا جس میں ملک کے شاعر و ادیب کے شہادت افکار
وہیت شاعری میں لالہ اصحرا کے میر علی اور سید جلیل حضرت کو حق مدحی ہیں
اس شمارہ کی سب سے بڑی غلط یہ ہے کہ اس میں

غلام رشتیانی دارالعلوم لاہور مولانا سید محمد امین پوری
حضرت علامہ شاہ جعفری حافظہ پلواری
کا غیر مطبوعہ کام پیش کیا گیا ہے

بدلتی حرکت۔ سالانہ تین پیسہ چار لے کر شہنائی درویشی پانی ۱۲

دارالعلوم سلطنت لالہ اصحرا۔ سحر پور دہلوی پریس

شرقی تقسیم کنندہ۔ دارالادب جوالابور ضلع مہاراجپور

خیرداری کے ذرا فوائد شائع ہوئے ہیں چھپتے نہیں لے سکتے

حضرت خواجہ حسن مٹھانی کا روزانہ حسب ار

عادل

ایک کارڈ لکھ کر محنت جاری کا لالہ

عادل چاندستان کے روزانہ اخبارات میں سب سے دلچسپ سب سے
کا لالہ اصحرا روزانہ اخبار تسلیم کیا جاتا ہے اور سندھ وستان کے ہر
گوشہ میں تمام اخبارات سے زیادہ پسند کیا جاتا ہے اور پڑھا جاتا ہے
اگر آپ بھی اس اخبار کی خریداری کے شائق ہوں تو صرف ایک کارڈ
لکھ دیجئے۔ اور چھپتے جاری کرالیجئے ایک ہفتہ کیلئے پچھلے روز
محنت جاری کر دیا جائیگا۔ صرف وہ حضرت پچھلے جاری کرالیں خرید
بنا پاتے ہیں۔ منبر روزانہ عادل دہلی

دنیا بھر میں تھکے چا دیئے والی نئی ایجاد

کالا تیل

ہر جیسے سفید بالوں کو شب و بچہ کی مانند
میاہ کر دیتا ہے۔ ہر تھک ہزاروں انسانوں نے بالوں
کو سیاہ کرنے والے تیل بنانے کی کوشش کی مگر نہ کام
رہے ہم نے کئی برسوں کے تجربہ کے بعد بالوں کو سیاہ
کرنے والا تیل بنانے میں کامیابی حاصل کی ہے ایک
دفعہ صرف آزمائش کیجئے ہمیشہ کے لئے ہوشیار رہیں اور
خضاب لگانا بھول جائیں گے یہ برصغیر چیز ہے اس کے
صرف ایک ہفتہ کے استعمال سے بال جڑ سے سیاہ
پیدا ہوں گے۔ دماغی کام کرنے والوں کے لئے نایاب
تھکے ہر بالوں کو ملائم چمکانے اور سیاہ کرنے میں
اپنا ثانی نہیں رکھتا بالوں کو گرے سے بچاتا ہے
موجود اس قدر خوبیاں ہونے کے قیمت نہایت
کم رکھی گئی ہے قیمت فی شیٹی صرف دو روپے علاوہ
بجٹ برائے لاہور ڈاکٹ

لاہور اور دس جنرل مرچنٹ مارکیٹ لاہور
کے ایل کیو اینڈ کمپنی اندرون شاہ عالمیٹ
لاہور

بچوں کی طاقت بڑھانے والی مشہور دوائی ڈوگرے کا بال امرت

یہ ڈوگرے کا بال امرت میڈیا ہونے کے سبب چھوٹے بچے بہت خوشی سے پیتے ہیں۔ چھوٹے بچوں کی کھانسی، بخار، بھینسی، پیش و غیرہ امراض جو اکثر ناطقتی کی وجہ سے ہوتے ہیں۔ اس کے استعمال سے رفع ہو جاتے ہیں۔ اور اس سے بچوں کا بدن تھوڑے ہی عرصہ میں گوشت سے بھر کر جسم میں طاقت بڑھتی ہے۔

لاہور ایجنٹ

لالہ بھگت ام پوری اینڈ سنز

سوٹرمنڈی لاہور

دو آسانی

علم الادویہ

علم العیاج

بغیر مسئل نہیں ہو سکتا

میں بھی منتخب ہے اس کے

خزان الادویہ

میں مشہور کتاب

اس کتاب

میں معلومات

کو وسیع اور مطالعہ

کو پر لطف کر دے گی

اس کتاب کی چند خصوصیات حسب ذیل ہیں

یہ کتاب یونانی ہندی ویدک اور جان ہے۔ اس میں نامہ لکھنوی یعنی تنازعات الادویہ کا مفصل بیان ہے اس میں پانچ ہزار مفرد ادویات کی تمام مکمل شناخت و نامہ جو مکمل ویدوں اور نہایت مرحوم سے بیان کیے گئے ہیں۔ کوئی شخص ایک آنکھ دیکھنے کے بعد فریاد نہیں ہو سکتا۔ اس کتاب میں ہر ایک لکے شروع میں اس کا اردو، فارسی، عربی، ہندی و انگریزی سیکھنے سے متعلقہ دیکھتے ہیں۔ پھر اس کی دھرم اور اس درانی کے ذاتی اوصاف اور خوبیاں بیان کی گئی ہیں۔ پیدائش طبی اور کیمیائی ناموں اور اس کے ضمن میں کئی حقائق نوٹ جو اطباء کے اشتباہات کو رفع کرتے ہیں۔ پھر ادویات کے افعال مقدار خوردگ اور طریق استعمال کو ترتیب وار بیان دے کر ان کے افعال و خواص پر بحث کی گئی ہے۔ یہ کتاب اردو خواص، عطاریوں، عیسویوں و ویدوں اور طب و انگریزی سے دلچسپی رکھنے والے لوگوں اور ڈاکٹروں کے لئے سونے سے تول کر خریدنے کے لائق ہے۔ کوئی طبیب اس وقت تک نامور نہیں ہو سکتا۔ جب تک کہ اس کے پاس یہ کتاب نہ ہو۔ یہ کتاب فارسی مفرد ادویات کی انسائیکلو پیڈیا ہے۔

اس کتاب کو مکمل و مفید بنانے کیلئے چند رحمت اور ہمت ہی ہو سکتی ہے۔ عربی، فارسی، ہندی، ویدک و انگریزی مفرد علم الفنی، خالص ادب و محرم و پاسور نے پچاس سال کی تواتر بھی ہو جائیں تو یہ کمال فراموش ہو سکتی ہے۔ اس کتاب میں علم و دہ و ڈاکٹر کو پڑھایا گیا ہے کہ اس کتاب کو کچھ دیکھا نہ صرف کی بحث کا پتہ چل سکتا ہے۔ درحقیقت یہ جامع کتاب سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اس کے تمام معانی اور معلومات صحیح ہیں۔

تصف قیمت جنوری کے لئے

مصنف کو سہمی کی توفیق و قدر دانی چاہتا۔ اس سے بہتر اور جامع قیمت کتاب اس فن پر آج اور کوئی نہیں ہو سکتی۔ اس سے پہلے اس مفرد و پختہ نسخہ مخزن الادویہ۔ جامع الجوامع اور مجملہ اعظم و غیرہ جو کتابیں بھی گئی ہیں۔ یہ کتاب بن سب سے بہت قیمتی ہے۔ اس کتاب میں صدائیں ادویات کا بھی ذکر ہے۔ جنہا عطاریوں کے یہاں سے ملتی ہیں۔ اور نہ جگہ میں پائی جاتی ہیں۔ بلکہ ہمارے گھر و محل میں استعمال ہوتی ہیں۔ آپ آج اس کتاب کو طلب کریں۔ اگر بیک وقت تمام اعضاء پر خرید سکیں تو ایک ایک حکم کے نسخہ لیں۔ ایسی کتابیں بدنام نہیں ہو سکتیں۔ قیمت فی جلد پانچ روپے دھڑا مکمل سٹ آٹھ جلدوں میں چار ہزار روپے چالیس روپے دلفتح مکمل سٹ کے خربہ اور کو خاص غایت دی جائے گی۔

المشاہیر میں خریدیے

تحت

المشاہیر میں خریدیے

نئی کتابیں

رباعیات یگانہ: جندوستان کے مشہور رباعی گو شاعر زلیاس یگانہ جنگیزی لعلنوی کی رباعیات کا مجموعہ عربی نام کے انگریزی پائیشوں سے بھی بہتر صورت میں شائع ہو گیا ہے۔ دو صد صفحات کا عدد کتابت اور طباعت بہترین محبہ نہری مرزا صاحب کی تصویر سے مزین قیمت غیر ڈرامے چند: نیک سالر کے مصنفین عید عمر نوالہی کے سات ایک ایک مزاحیہ ڈرامے، ان ڈراموں کی اشاعت نے فن ڈراما سے دلچسپی رکھنے والے اصحاب کو محو حیرت بنا دیا ہے۔ اسے دلچسپ اسے نوفرزادہ اسے معنی خیز ڈرامے آہستہ آہستہ نہیں لکھے گئے۔ کا عدد کتابت طباعت عمدہ حجم ۱۲ صفحات قیمت صرف آٹھ آنے۔

چہیتا بھائی: مرزا فہیم بیگم کی بیگم کی زبان میں مسلاست اور شگفتگی کوٹ کوٹ بھری ہوئی ہے۔ آپ کا طرز بیان از حد دلکش اور سوز ہوتا ہے۔ اس کتاب میں آپ نے ایک دردناک دلچسپ اور اخلاق آموز قصہ بیان کیا ہے۔ جو سراسر حقیقی اور سچے واقعات پر مبنی ہے۔ دیکھئے ہماری زندگی میں روزانہ کئی افسانے لکھ رہے ہیں۔ لیکن میں انکی خیر کچھ نہیں ہوتی۔ حجم ۵۵ صفحات قیمت ۸۔

تحدیدِ عمل: ماڈرن انڈیا کا منتظر پروگرام، ماڈرن ٹائمس نے دوین دستانی میڈر۔ مالوی اور اقبال۔ علامہ اقبال سے ایک سوال رہا تھا گا نہ ہی سے ایک سوال۔ مذہب قومیت کا بلند۔ تو میرت اور جنگ، تمدن اور گناہ۔ مذہب مساوات کیا خدا کو ماننا ضروری ہے۔ کیا مذہب کے بغیر کوئی نظام قائم نہیں رہ سکتا۔ گناہ یا ثواب کی حقیقت، میڈروں کی خصوصیات مفسرہ شہنشاہیں مولوی اور پٹنٹ سسر حجازی کی شاندار تھیف، تحدیدِ عمل کا مطالعہ کیجئے قیمت حصہ اول ۸۔ دوم ۸۔

سیلابِ تبسم: شوکت خانم کی مصنفہ سویشی ریل کے مزاحیہ مضامین کا نازہ مجموعہ پڑھیے۔ اور مرزا بھتیہ بن جائے۔ حجم ۲۰ صفحات قیمت ۷۔

غلیظہ تبسم: سید کاظمی کے مشہور مضامین کا مجموعہ شریعہ میں نیا فتنہ پوری۔ احسن مارہروی اور ملار موزی کے مضامین بھی درج ہیں۔ ۱۹۴ صفحات قیمت ۷۔

تاج کمپنی لمیٹڈ لاہور

نہایت شاندار عکسی رنگین موطا اسلامی مطبوعات
جو اعلیٰ خوشنویسی عمدہ رنگین چھپائی نفیس کاغذ اور طلا جلد بندی کا خاص فیضان ہیں
ان کی ظاہری و باطنی خوبیاں دیکھنے ہی سے تعلق رکھتی ہیں

یازدہ سورہ شریف

مستقیم و معراجی ترجمہ
قسم دوم ۱۲ جلد

نماز تہجد

قسم اول
جلد ۵ - ۴ جلد

یازدہ سورہ شریف

مستقیم و معراجی ترجمہ
قسم اول ۱۲ جلد

عائے کنج العرش

مستقیم و معراجی ترجمہ
جلد ۵ - ۴ جلد

نماز تہجد

قسم اول
جلد ۵ - ۴ جلد

نماز تہجد

قسم اول
جلد ۵ - ۴ جلد

دلائل الخیرات

جلد ۵ - ۴ جلد

سورہ کہف

مستقیم و معراجی ترجمہ
جلد ۵ - ۴ جلد

درود تاج درود

قسم اول
جلد ۵ - ۴ جلد

سورہ یونس

مستقیم و معراجی ترجمہ
جلد ۵ - ۴ جلد

درود مستغاث

قسم اول
جلد ۵ - ۴ جلد

مسدس عالی

قسم خاص
جلد تین روپے

سورہ شوحہ

مستقیم و معراجی ترجمہ
جلد ۵ - ۴ جلد

اپنے شہر کے تاجر و مل سے طلب کریں

دوحیت انگلیز بجا دیں

بڑھاپا کیوں

یورپ کے سائنسدانوں نے جب بزرگی لگیوں کے ذریعہ بڑھاپے کو جوانی میں تبدیل کرنے کا اعلان کیا تو دنیا شہر گئی مگر یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ بہت کم لوگوں نے اسکا فائدہ اٹھایا کیونکہ وہ بات ہم جنہیں سے دو قابل ذکر ہیں۔ اول ہارپش کی ناقابل برداشت تکلیف، دوم ہارپشیں کہ انہیں ہزاروں پونڈ کے اخراجات ہندستان پاکستان سے یہ سن کر خوش ہونے کے خاص ہندوستانی مانع نے کو ہمالیہ کی چڑی ٹیوٹے فریڈ ایک ایسی دوائی ایجاد کی جسکے استعمال بڑھاپا نزدیک مکتے آنے پائے اسکا استعمال کمزوروں اور بوڑھوں کیلئے تو نعمت خدائی ہے ہی مگر جوانی میں اسکا استعمال بڑھاپے کی آمد کو روکنے کیلئے اکیر ثابت ہوا ہے دوائی NEVER OLD کے نام سے لاہور کے شہر کیسٹ میسرز سی رام اینڈ برادرز انارکلی سے بک سکتی ہے اسکا پورا کورس ۸۲ لکھوں کچھ اور اگر آزمانا ہو تو ۵ لکھوں اور نمونہ کا کس منگو اکریٹک آرایش کریں اسکے متعلق مکمل حالات کی کتاب رائٹ پریس میں امد آرمے ہوئے سرٹیفکیٹ دیکھیں ہوں۔ تو پوسٹ بکس لاہور سے ایک کارڈ ٹھکر طلب کریں

خوبصورتی کا خزانہ

دنیا میں خوبصورتی بڑھانے وقائم رکھنے کی بے شمار ایجادات آئے دن ٹھہریں آتی رہتی ہیں مگر سینما سٹار ٹیوٹی لوشن جو چہرے کے رخ دیکھ جھڑیل جڑے دور کرنے کا بیفٹ لوشن ثابت ہوا ہے۔ دنیا کے خوبصورتی میں لمپل پیدا کر دی ہے ہر ایک دکان دار سے بقیہ ایک روپیہ فی شیشی مل سکتا ہے آپ بھی آج ہی اس کو خرید کر آزمائش کریں آپ کو اس کے برتے ہوئے کسی پاؤڈر یا کرم کی ضرورت ہرگز نہیں رہے گی

ایک نئی کیلئے پوسٹ بکس لاہور کو لکھیں

لانا ادا جانوں اور گھسٹوں کو تباہی سے بچا کر پیغام امن دیتا ہے

بھارت

ہندوستان کی سب سے بڑی اور مشہور و معروف کمپنی ہے جس کی برائیاں
ہندوستان کے تقریباً تمام مشہور مقامات پر ہیں۔ یہ سہل شرائط پیش کر کے
ہر طبقے کے افراد کو ہمہ کرانے کا موقع پیش کرتی ہے۔
بھارت میں ہمہ کرائیں اور حسب خواہ فائدہ اٹھائیں

کیونکہ اس کے کل فنڈ 6-13-18224012 روپیہ ہیں

99 لاکھ سے زائد ہیں۔

500,000 روپیہ سے زائد

3-14-15124344 روپیہ ہیں

کل آمدنی

لاٹ فنڈ

دیگر امور کے لئے مندرجہ ذیل پتہ پر خط و کتابت کریں۔

بھارت انشورنس کمپنی لمیٹڈ لاہور

۲۹۲

تاریخ بھارت لاہور

سباضح

مصنفہ در ب سدید دیگر شیخ تراز علی صاحب) یہ کتاب حال ہی میں شائع ہو رہی ہے نسوانی دنیا میں انقلاب پیدا کرنے والا نہایت دلچسپ افسانہ ہے۔ اصلاح نسواں حقیقت میں ستورات ہی کا کام ہے اور اس لحاظ سے یہ افسانہ اپنی طرز میں پہلا اور سب سے افضل کام سمجھا جاسکتا ہے۔ اس کتاب کے چار حصے ہیں۔ پہلے حصے میں تربیت اولاد کا مفروضہ ہے۔ دوسرے میں شگنی، بیاہ کے ذکر اور ذکر خیر طریقے ہیں۔ تیسرے دور جو چھ حصے میں تعلیم نسواں کے اعلیٰ مدارج پر زمانہ حال کے ضروریات کے مطابق روشنی ڈالی گئی ہے۔ اس ناول یا افسانہ کی روح رواں روح افزا دیگر تھم (ایک نئے برصغیر شخصیت ہے) چاروں حصوں کی اختتام پر جو موصوفے اور طبع ۱۸۴۳ء ہے۔ قیمت بغیر عین اپنے۔ مجلد و مطلق ۱۲/-

راگ سکھشا

مصنفہ جنابہ امی الدین صاحبہ ایم۔ اے۔ ڈی (ریڈنگ) پرنسپل گورنمنٹ کالج لائل پور شیخ پٹیکش از رائے بہادر لالہ من موہن جٹا ایم۔ اے۔ انکسٹر مارس لاہور ڈویژن۔ اس کتاب کے مصنفہ علم موسیقی اور اس فن کے سکھانے کی بات کیوں سے پورے پورے واقف ہیں اور یہ کتاب فاضل اور تعلیمی مافوق کے لئے لکھی گئی ہے۔ راگ سکھشا اساتذہ کے بغیر بارہویہ اور راگ سیکھنے کے لئے بہترین کتاب ہے۔ جاکا تصاویر دی گئی ہیں۔ اختتام ۱۸۴۳ء قیمت ایک روپیہ چار آنے (۱۲/-)

زندگی

مصنفہ چودھری افضل حق صاحبہ ایم۔ ایل۔ سی۔ حقوق العباد کی نگہداشت اور خدمت خلق مذہب کی مہولی تعلیم کا نہایت اہم جزو ہے لیکن جس قدر اہم ہے عام لوگ اس سے اتنے ہی غافل ہیں۔ قابل مصنفہ نے اس پہلو کو نہایت ہی دلچسپ اور دلنریز پیرایہ میں واضح کیا ہے تمام کتاب داستان کے پیرائے میں لکھی گئی ہے جس کے متعلق چودھری شہاب الدین پریذیڈنٹ جناب ایشیائی کونسل کہتے ہیں کہ رد زبان میں آج تک ایسی دلچسپ اور مفید کتاب کبھی بھی لکھی نہیں گئی۔ پنجاب گورنمنٹ کے افسران فکر تعلیم نے اس قدر پسند فرمایا کہ گورنمنٹ نے اس کی سات سو کاپیاں خرید کر پنجاب بھر میں مفت تقسیم کیں قیمت مجلد و مطلق ایک روپیہ چار آنے (۱۲/-) المشر

محمد نصیر ہمایوں جنرل مینجر قومی کتب خانہ ریوے روڈ۔ لاہور

مشہور مستند قدیمی دواخانہ یونانی دہلوی، جس بڑے بازار چھٹی لاہور دار السلطنت پنجاب میں یہ دواخانہ قندلہ سے نہایت اعلیٰ مقام پر کام کر رہا ہے بوجہ اپنی تازہ مفود دیہ اور پورے نچوں کی باقاعدہ جی ہوئی مرکب قریب دواؤں کے تمام ہندوستان میں مشہور ہے سات سو سے زائد اکیسری مرکبات ہر وقت تیار رہتے ہیں۔ فرست دواخانہ مع جزئی مفت منگوا کر ملاحظہ فرمادیں۔ بیرونیجات کے پارسوں کی تعمیل فوراً کی جاتی ہے۔ حکیم احمد دکانداران صاحبان کے لئے خاص رعایت۔

تازہ کلیتہً دواخانہ یونانی دہلوی چھٹی لاہور۔ رفیق حیات جبرٹ قائم شدہ دواخانہ

بلطاط موزیم اور عہد ایک مذہب کے لئے عورت مرد اور بچوں کے واسطے یکساں مفید ادویہ ہندو کے واسطے یہ شربت کیمیادی طریقہ دیسی ادویات سے تیار کیا گیا ہے۔ کھانسی، تپ، بہتہ، نزلہ، ذات الجنب، ذات الصدر، سہل ادوی کے مریض اس سے شفا یاب ہو چکے ہیں۔ بدلت میں تازہ خون پیدا کرتا ہے۔ بھوک خوب لگتی ہے۔ معوی اعصاب ہے۔ کمزور مریضوں کو از حد طاقت دیتا ہے۔ طالب علم اور دماغی کام کرنے والے انسحاب اس سے فائدہ اٹھائیں۔ قیمت فی شیشی ۸ اونس۔ ہنوک ایک روپے رعد، علاوہ معمول وغیرہ پرچہ ترکیب استعمال ہمراہ ہوتا ہے۔

قدیمی دواخانہ یونانی دہلوی بازار چھٹی لاہور

سکالہند
دواخانہ کیش کے سٹرکیٹ

چھ روپے کے عوض پانچ سال میں دس روپیہ
تقریباً چار فی صدی سود در سود اس پر انکم ٹیکس معاف

جب چاہو اپنا روپیہ لے لو۔ ایک سال کے بعد لینے پر سو دہی ملے گا۔ ایک مہینہ دس ہزار روپے تک جس کے جاسکتے ہیں کیش سٹرکیٹ خریدنا ہر مہینے۔ دہرہ کاش کا بہترین طریقہ یہی پہلے جاری کئے ہوئے سٹرکیٹ جن کی میعاد یکم جون ۱۹۳۳ء کے بعد ختم ہوتی ہے مزید پانچ سال کیلئے جاری کرانے جاسکتے ہیں۔ دس دہرہ کے کیش سٹرکیٹ پر اس مزید پانچ سال کو عرصہ کے ختم ہو کر بارہ روپے چار آنے واجب الا دوا ہو گئے مزید تفصیلات کسی دواخانہ سے دریافت کریں

ہندوستانی بچوں کے لیے ہفتہ وار باقصور

اخبار پریم

جس کا سرورق سر رنگہ - ہر نمبر میں آرٹ بلاک کی ایک تصویر اور چوبیس صفحہ ہوتے ہیں
پر فیس تر تا جو رچرچی لالہ تھریم اے دہلوی کی ایڈیٹری میں شائع ہو رہا ہے
دہلی کی ہنگاماتی زبان میں بچوں کے لئے علمی، اخلاقی، تاریخی، سائنسیک، تصویر کمائیاں اور مضامین پریم کے ہر نمبر میں شائع کئے جاتے ہیں۔

اخبار پریم کے ذریعہ

ہندوستانی بچوں کو ہر مذہبی پیشہ کی عزت کرنے کی تعلیم دی جاتی ہے۔

اخبار پریم کو

ہندوستان کے محکمہ تعلیم سرکاری طور پر خریدتے ہیں۔ تمام محکمہ تعلیم میں منظور شدہ ہے

پریم کے متعلق چند باتیں

اخبار پریم بیون - امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ ہر نمبر کے نزدیک دارانہ مضامین سے پاک بچوں میں اخوت و ہمدردی کے پاکیزہ ترین جذبات پیدا کرتا ہے
ڈاکٹر شیخ محمد اقبال - ہندو مسلم بچوں کے دل میں اتحاد و عری سے اتحاد و الفت کا بیج بوتا ہے۔

خواجہ حسن نظامی دہلوی - بچے اور عورتیں سے نہایت شوق سے پڑھتے ہیں اور اس کے آنے کی راہ دیکھنا کتے ہیں۔

خان بہادر سربراہ علی ایڈیٹر مصلحت عام دہلی - اس کے مضامین کی خوبی اور جامعیت کو بچے اس کے مضامین کو بھرا دیتے اور ان کی خوشنودی میں
خان بہادر شیخ نور الدین ایم اے اسٹنٹ ڈائریکٹر محکمہ تعلیم - رسالہ پریم ہندوستانی بچوں کے لئے بہت مفید و بچہ پر کار آمد ہے۔

سالانہ چندہ چھ روپے شش ماہی ساڑھے تین روپے محصول ڈاک ہم نمونہ مفت

دفتر اخبار پریم لاہور

ہمالیہ کے کنارے پیدا ہونے والی ریائی میں گنے والی

کر کے بے شمار عالم آتنگ نگرہ دھانسی اودیہ آتنگ نگرہ گولیاں تمام دنیا جانتی ہے خونِ حبیبرہ کی جملہ خرابیوں و کمی کو دور کر کے حیرت انگیز

والی دوا ہے قیمت : : : : : فی ڈبیر ۲۳ گولیاں : : : : : ایک ڈبیر

بال مترو گولیاں بچوں کی جملہ بیماریوں اور کڑوروں کو دور کر کے طاقتور بناتی ہیں اور ماں سے بھی زیادہ پرورش کرتی ہے

ایوسن و رار و گیمہ کتنیل : : : : : خوشبودار تیل بالوں کو ملائم کرتا اور بھلا ہے۔ دماغ کو قوت دیتا جسم کو مضبوط بناتا ہے دماغی کام کرنے والوں کو ضرر ایک شیشی پینے پاس رکھنی چاہئے۔ قیمت : : : : : علم

ہر ہضم کی گولیاں : : : : : دیند گھٹنوں میں جان لینے والے ہر ہضم جیسو موزی مرض کو تھوپی دین میں دور کر کے کھل شفا بخشی ہے قیمت گولیاں علم

کرن تیل : : : : : کان کے سخت درد پیچ نکلن کم سنانی دینا بہرہ بن دیرہ چند ہی دلوں میں دور کرتا ہے قیمت فی شیشی ہاتھ (علم)

ورن مرون مرہم : : : : : ہر قسم کے زخم خارش گہرے سے گہرے زخم زہر بادہ وغیرہ کو چند روز میں دور کرتا ہے قیمت فی ڈبیر ہاتھ (علم)

نیترا نندار سو گنی : : : : : آنکھ کا پھولا سرخی جالہا ہانی نکلنا آتنگ نگرہ فارسی جام نگر کا ٹھیا واڑ

تمام شکایتیں دور ہو جاتی ہیں قیمت فی عدد ایک روپیہ

فالمیلک گاند

اگر آپ ڈاک خانہ کے استعمال شدہ

شوش کی تجارت کے واسطے

چاہتے ہیں یا اپنے تعلق شدہ ٹھوں کو مقبول سداغ میں فروخت کرنا

چاہتے ہیں یا اپنے وقت فرصت میں اس موٹی سے لطف اندوز

ہونا چاہتے ہیں۔

آج ہی کتاب فالمیلک کا پیکٹ کیسے آرڈر لکھ دیں۔ پیکٹ آرڈر کے

لئے ایک وزگار ہے۔ اس آرڈر کیسے ڈبھی کا سامان ہے قیمت صرف

آٹھ آنہ ۸ روپیہ یعنی آرڈر محصول ڈاک معاف

جی۔ ایم۔ ملک اینڈ کو۔ جالندھر شہر

(H.L.)

حسن خیال

حضرت شاہ بہادر رضا علی حضرت

کے ممتاز شاگرد اور برجستے مشہور

شاعر ادیب حضرت ظفر غاشمی کو

ایک پرورد روحانی نعمت کا مجموعہ حضرت سے لبریز ادب و حسی پاکیزہ خیالی

تمام دنیا کے ادب میں مشہور ہے۔ کئی صورت میں شائع ہو کر

ہاتھوں ہاتھ تک رہا ہے۔ ذوق سلیم رکھنے والوں کیلئے ایک اور

تحفہ ہے۔ لکھائی چھپائی عمدہ کاغذ بہترین و صوفیاتی

شرع میں مصنف کی تصویر زیب کتب ہے۔ ملنے کا پتہ

حقیت بلند مفتی سمیع اللہ صاحب کتب کو نمبر غیر نمبر

خود مصنف انشیتہ مفت رائل اسکاٹ کو نمبر ۸

طایفہ اور حفظانِ صحت کا بہترین ماہر امصوبہ سالہ مشیر الاطباء

جو طبیب اور غیر طبیب کیلئے یکساں مفید ہے
رئیس الاطباء زبدۃ الحکما جناب حکیم محمد حسن صاحب قرشی
پرنسپل طبیب کالج لاہور کی ادارت میں
عصرہ بارہ سال سے نہایت پابندی و نیت کے ساتھ شائع ہو رہے
اس میں تاریخ طایفہ اور حفظانِ صحت و مبالغہ الاعضاء و تشخیص اور علاج
الامراض و حفظانِ صحت اور حفظانِ مقدم نیز ادویہ اور طعنائے وغیرہ کے
مستقل متعلقہ اور پیش قیمت مضامین درج ہوتے ہیں۔ درازی عمر
اعادۂ شباب۔ برقعہ کنٹرول وغیرہ پر بھی بہترین اور مفید علمی مضامین
شائع ہوتے ہیں۔ مہجرات کے تحت نامی گرامی اطباء کے بہترین
مہجرات شائع ہوتے ہیں۔ جدید ڈاکٹری تحقیقات و طبی نکتات
بھی درج کی جاتے ہیں۔ دلچسپ علمی تصانیف بھی سلسلے کو فرمیں
کیا جاتا ہے بلکہ انھی چھپائی بہترین کاغذ عمدہ سائز ۸x۱۰ انچ اور
رنگین اور سیاہی پر کاغذ پر حجم۔ ۵ صفحات۔ چند سالانہ صرف
ایک روپیہ کاٹھائے (دھیر) نمونہ مفت طلب کریں۔

طب قدیم کے مہجرات کا معتمد مجموعہ

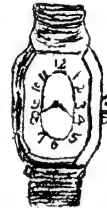
طبی فارماکوپیا

اس کا پہلا اور دوسرا ایڈیشن ناقول و ناقفل کیا تیار قریب نصف
ہے۔ یہ مہجرات کا بے باخراں ہے جس میں قلیل المقدار نہایت
زود اثر و دائم درج ہیں۔ نیز ہندوستان۔ یورپ و امریکہ کے وہ
نادر اکیسری نسخے درج ہیں جن سے ہزاروں روپے کمانے گئے
مثلاً امرت دھارا۔ زنبک۔ طبابے نظیر روح جیون بونی۔ مارا کڈ
زوحامش وغیرہ قیمت جلد نہری ہر جلد ہفتہ کی جلد ہے۔

ناظم دفتر مشیر الاطباء حنیفہ زندگی فلیٹنگ روڈ۔ لاہور

مفت بڑھیا عطر کی ایک نشی برکھڑی کے ساتھ مفت تحفہ عید مبارک

عید مبارک کی خوشی میں ہم نے مسند جزیل گھڑیوں کی قیمتوں میں
خاص رعایت کر دی ہے۔ اس لئے آپ بھی اس خاص رعایت سے
فائدہ اٹھائیں۔



تحفہ عید

یہ نہری رسٹ واقع نہایت ہی طرز کی چمکدار
دلفریب ڈائیل دیکھنے میں سو روپے کی گھڑی
کومات کرنے والی۔ نام بالکل صحیح پڑے مضبوط۔

گارنٹی سال قیمت مسند نہری میں صرف پانچ روپے۔ 5/-

سینٹ لیبور رسٹ ۱۱۱

یہ گھڑی بالائیں گھڑی جو کہ پڑوں کی مضبوط اور نام گارنٹی ۵ سال قیمت
تین روپے کاٹھائے (3/8) مع ہیں۔

پاکٹ وایچ

جال کی لہر کو بھی نہ ٹوٹنے والا شیشہ اور کبھی نہ خراب ہونے والی مضبوط
شین بالکل ٹھیک نام گارنٹی ۵ سال قیمت عیار ہمارے ہیں مفت۔
دیگر ہر قسم کی گھڑیوں کے لئے مفصل فہرست طلب فرمائیں۔

پتہ

دہلی ولنج کمپنی پوسٹ بکس ۵۵ دہلی

علم و عمل کا سالگرہ نمبر!

۲۲ دسمبر کو شائع ہو جائیگا

جوانی شان کا واحد اور لاشعاری نمبر ہوگا۔ حاضریہ نظر تصاویر زندگی بخش مضامین، آواز افغانوں اور ہندو پالیہ نظموں کا دلچسپ لکچر ہے۔
 مرقع ہوگا ہندوستان بھر کے معاشرتی، طبی، ملاحی اہل قلم کے ارشادات، گرامی کا آئینہ ہوگا۔ کوشش کی جا رہی ہے کہ انسانی زندگی کی کچھ پہلو پر روشنی ڈالی جائے۔ پیغمبر اور انیس مجروحہ ایسا ہوگا کہ تمام عمر اپنے پاس سے نہ نکال سکے۔ اس کے جان بخش ارشادات کی فہرست دیتے ہوئے ہم نے
 کے آئینہ میں رہیں گے قیامت۔ کل بارہ آنے والے (۱۲) جو فحاشیاں اور غری کے مقابلے میں بہت کہے۔ اگر آپ سے بالکل مفت حاصل کرنا چاہتے ہیں تو ایک
 سال کیلئے علم و عمل کی خریداری قبول فرمائیے سال بھر کا چندہ کل نو روپے اچھا ہے۔
 مینجے علم و عمل ہور



ہمیشہ استعمال کریں

”ہندوستان کا تیار کردہ انڈیا سیفٹی ریزر بلید“

انڈین سیٹل انڈسٹریز کرشناگر۔ لاہور

ایجنسی کے لئے خط و کتابت کریں

ساجد اردن

جس کو شرف قبول ہسلا بونی بخشش

علامہ سر محمد اقبال مدظلہ العالی

جس کا تعارف نامہ لکھنا منظور فرمائیں

وہ یقیناً بینظیر اور قابل دید کتاب ہوگی

اس کا پسلا ڈیشن ایک سو دس روپے فی جلد تین ماہ کی قلیل مدت میں فروخت ہو گیا دوسرا ڈیشن ستر روپے فی جلد ہاتھوں ہاتھ بک گیا اب تیسرے ڈیشن کی قیمت بارہ روپے فی جلد مقرر کی گئی ہے، ہندوستان اس سے پیشتر کوئی ایسی شاندار کتاب شائع نہیں کر سکا

پیر کیف شاعری و سب ادب و صورتی دیدہ زیب کتاب بھرہ نواز سنہری جلد اردو زبان کی یہ پہلی اور آخری کتاب ہے جس پر نصف لاکھ سے زائد روپیہ پانی کی طرح بہا کر ماہرین فن طباعت کے زیر اہتمام شائع کی گئی ہے، الفاظ اسکی خوبیوں کے اظہار سے قاصر ہیں یہ چیز صرف دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے

مفت چھتالی

دلو ان غالب مصور کا ہے
کاخرد نائن مذاق کی بے ل اور اس کا پاس لکھنا صحیح ادبی ذوق اظہار ہے
جم تین سو صفحہ سے زائد بڑی قلمی چھتالی لیکن تضاد جتنے لاکھ تو بہترین کارخانوں میں سے ہیں آج بھی مایں بھیجیے
قیمت فی جلد بارہ روپے عے کا پتہ خیمبارک علی تاجر کتب اندرون لوہاری دروازہ لاہور

ادویات کی سریع التأثيری کے بعد سوسہ پر سردوانی کا نمونہ بھی بنا کر رکھا ہے

گندھارین

عرق بخار

روزگار

رہنمائی کی جگہ

ملفوظات

...

100

انچیز

ل. سندری

یک روپیہ

ہاں اڑنے

سید احمد دہلوی

جن کو تار

یہ دو الی خون قضا کر کے جسم کو کندن

دوا کی بوا بھر { بیماری دنوں میں دور قیمت دوپے نمونہ

کرکول ہاؤس کی منظر دہائی پر بھوک بڑھاتی ہے اور سداوتوں

تو کہ عذاب کے واسطے یہ بے نظیر ہے عیب عذاب ہے جس میں اس

جن کو فیض دینی رہتی ہے وہ انکو کھانا کرس آئے آتے

آرام جان بیماری عدد سوهایی قیمت ۳۲ گونی ایکه و پیه ۶ گونی ۴

کرنی کیلئے اور ان کی کم دینا کو بھی نافع ہے قیمت ۲۰ ڈالر نمبر ۱۰۰

(عص) نمونہ چار آنے (۴۱)

کسیر مدین کو مفید ہے تپتق ول کی کھانسی میں اور خون جلنے میں حنظل

نوں میں بورا تر دکھائی دیتی تھی یہودیہ آٹھ آٹھ نصف ۱۲

کونسی سرمد کار آواز) ہمیشہ پاس رکھنی چاہیے۔ انے گاتیں

سریلی میو جاتی سی قیمت ۳۲ گولی دور دیے موتہ ۸ گولی ۸

۱۰۰

پتہ و خط کتابت قمار کیسے لٹا بیٹہ کافی و امرت مہاراجا لاہور امرت مہاراجا بمبئی

امرت فہار اسمرطک

سید عبداللطیف پروردگار پائیز سے مرکہ کابل پر کس جہنم کن روڈ لاہور بس چھوڑ کر دفتر ہائیوں ۲۲- لارنس روڈ لاہور سے شائع کیا +

قواعد

- ۱۔ ”ہمایوں“ بالعموم ہر مہینے کی پہلی تاریخ کو شائع ہوتا ہے +
- ۲۔ علمی و ادبی، تمدنی و اخلاقی مضامین بشرطیکہ وہ معیارِ ادب پر پورے اتریں درج کئے جاتے ہیں +
- ۳۔ دل آزار تنقیدیں اور دل شکن مذہبی مضامین درج نہیں ہوتے +
- ۴۔ ناپسندیدہ مضمون۔ اگر کالمٹ آنے پر واپس بھیجا جاسکتا ہے +
- ۵۔ خلاف تہذیب اشتہارات شائع نہیں کئے جاتے +
- ۶۔ ہمایوں کو قیمت کم از کم ہفتہ صفحے ماہوار اور سو انوسو صفحے سالانہ ہوتی ہے +
- ۷۔ رسالہ نہ پہنچنے کی اطلاع دفتر میں ہر ماہ کی ۱۰ تاریخ کے بعد اور اسے پہلے پہنچ جانی چاہئے اس کے بعد شکایت لکھنے والوں کو رسالہ قیمت بھیجا جائے گا +
- ۸۔ جواب طلب امور کے لئے۔ اگر کالمٹ یا جوابی کارڈ آنا چاہئے +
- ۹۔ قیمت سالانہ پانچ روپے چھ آنے بششماہی تین روپے (مع محصول ڈاک) فی پرچہ ۸ +
- ۱۰۔ منی آرڈر کرتے وقت کوپن پر اپنا مکمل پتا تحریر کیجئے +
- ۱۱۔ خط و کتابت کرتے وقت اپنا خریداری نمبر جو لفافے پر پتے کے اوپر درج ہوتا ہے، ضرور لکھئے +

مینجر رسالہ ہمایوں

۲۲۔ لارنس روڈ۔ لاہور

